حصہ نہدہم (19)

(......تسہیل وتخریج شدہ......)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی

حضرت علامہ مولانا سید ظہیر احمد زیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

پیشکش

مجلس المدینۃ العلمیۃ (دعوت اسلامی)

شعبہ تخریج

ناشر

مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

تذکرہ

''استاذی وملاذی حضرت صدر الشریعہ الحاج مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان کے فیضانِ علمی سے اس ناچیز نے آپ کی مصنفہ کتاب ''بہارِ شریعت'' کے بقایا ابوابِ فقہ میں سے انیسواں حصہ کتاب الوصایا کے نام سے مرتب ومولف کیا۔ اس نسبت کی سعادت نے قلب میں تحریک پیدا کی کہ اظہارِ تشکر وامتنان کے جذبہ کے ماتحت حضرت کے صاحبزادگان میں جن سے اس حقیر کو گہری وابستگی اور خصوصی ربط وتعلق رہا ان کا ذکر بھی مختصر انداز میں بطور زیب تالیف کردیا جائے۔

قارئین کرام حضرت علامہ عبد المصطفیٰ الازہری شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی پاکستان مرحوم ومغفور ومولانا الحاج قاری رضاء المصطفےٰ خطیب نیومیمن مسجد بولٹن مارکیٹ کراچی پاکستان زَادَ عُمُرُہٗ وَشَرَفُہٗ سے تعارف حاصل کریں اور اس ناچیز کے حق میں دعائے خیر واستغفار فرمائیں۔

الفقیر ظہیر احمد زیدی القادری غفرلہٗ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل وعلا نے قرآنِ پاک میں یہ فرماکر ''وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ'' اس امر کی طرف راہنمائی فرمائی کہ علم ہو، دولت ہو یا حکومت، عظمت ہو یا اقتدار دنیا میں یہ کسی ایک فرد یا ایک خاندان یا ایک ہی گروہ یا ایک ہی بستی اور علاقہ کے ساتھ مخصوص نہیں کی گئی ہے۔ ان کے مراکز بدلتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کو اپنے فضل سے نوازتا ہے، تاریخ بتلاتی ہے کہ ماضی میں علم کے مراکز بھی مختلف علاقے اور مختلف خاندان رہے ہیں، سمرقند، بخارا، شیراز وعراق سے جب علمی مراکز ہندوستان منتقل ہوئے تو مرکز کبھی پنجاب رہا، کبھی سندھ، کبھی دہلی اور کبھی یوپی وغیرہ، صوبہ یوپی میں لکھنؤ، جونپور، خیرآباد، اِلٰہ آباد، بدایوں، بریلی وغیرہ اپنے اپنے وقت میں مرکزِ علم رہے، ایسا ہی ایک مرکزِ علم قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ بنا جہاں کی خاک سے صدر الشریعۃ ابو العلیٰ حضرت مولانا الحاج امجد علی علیہ الرحمۃ ایسے فقیہ العصر، علامۃ الدھر فاضل اَجل مُتَبَحِّر عالم پیدا ہوئے۔ ان کے علم کی تابانیوں نے ہندوستان وپاکستان کے مشرق ومغرب کو روشن کردیا، بالخصوص ان کی فقہی ضیاء پاشیوں نے علماء ہی کو نہیں عامۃ المسلمین کو بھی نورِ علم سے فیضیاب فرمایا۔ آپ نے فقہ حنفی اردو زبان میں منتقل فرمایا، ہندوپاک کے مسلمانوں پر آپ کا یہ وہ احسان ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اپنے فضل وکرم سے اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے، اور آپ کی قبر پر اپنی ہزار ہزار بلکہ بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور اعلیٰ علیین میں آپ کو مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت صدر الشریعہ کے علمی فیوض وبرکات نے سرزمین گھوسی کو مرکزِ علم وفن بنا دیا۔ اس خطہ سے ایسے ایسے علماء وفضلا پیدا ہوئے جنہوں نے بین الاقوامی دنیا میں عظیم شہرت ونیک نامی پیدا کی ان میں مدرسین بھی ہیں، فقہاء بھی اور صاحبِ فہم وبصیرت مفتی بھی، اب اس چھوٹے سے خطۂ ارض میں کئی دار العلوم ہیں جو ہر سال علماء کی ایک معتدبہ تعداد کو علم وفضل سے شرف

بخشتے ہیں، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کو علمِ دین سے کتنا شغف تھا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی اولا د امجاد میں سات صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ آپ نے ان میں سے ہر ایک کو علمِ دین کی تعلیم دی اور علومِ دینیہ کے حصول میں لگایا ان میں سے اس وقت میں آپ کے دو صاحبزادوں کا ذکر کروں گا، جنہوں نے آپ کی وراثتِ علم کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ اس علم کی ترویج وترقی میں حصہ لیا اور دین کی قابل قدر خدمات انجام دیں۔

(۱) الحاج عبدالمصطفی ازہری

آپ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ آپ کے بڑے دو بھائیوں کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپ کی ولادت چودھویں صدی ہجری کی چوتھی دھائی میں ہوئی، قرآن پاک کی تعلیم دار العلوم منظر اسلام محلہ سوداگران بریلی میں حاصل کی، پھر اپنے والدِ محترم کے ساتھ اجمیر شریف جامعہ معینیہ عثمانیہ چلے گئے اور وہاں درسِ نظامی عربی کی تعلیم حاصل کی۔ دورۂ حدیث بریلی شریف میں کیا، آپ کے اساتذہ میں حضرت صدر الشریعہ، مولانا عبدالحمید و مولانا مفتی امتیاز احمد علیہم الرحمۃ ہیں۔ احادیث کی سند اجازت آپ کو حضرت صدر الشریعہ ابو العلیٰ مولانا امجد علی صاحب مصنف بہارِ شریعت و حجۃ الاسلام سیدی مولانا شاہ حامد رضا خاں مفتی اعظم ہند، حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی علیہم الرحمۃ والرضوان سے حاصل ہے۔ درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپ مزید تعلیم کے لیے مصر تشریف لے گئے وہاں جامعہ ازہر میں آپ نے تین سال تعلیم حاصل کی۔ اوائل ۱۹۳۷ء میں آپ واپس تشریف لائے اور تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا، سب سے پہلے آپ نے دادوں ضلع علی گڑھ کے مشہور و معروف دار العلوم حافظیہ سعیدیہ میں درس دیا۔ اس وقت آپ کے والد محترم حضرت صدر الشریعہ وہاں صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے، اس کے بعد آپ بریلی تشریف لے گئے اور دار العلوم مظہر اسلام مسجد بی بی جی محلّہ بہاری پور بریلی میں پھر جامعہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں درس دیا۔ آزادی کے بعد ۱۹۴۸ء میں آپ جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ پنجاب پاکستان میں بحیثیت شیخ الحدیث تشریف لائے۔

۱۹۵۲ء میں آپ حکومتِ پنجاب کے محکمۂ اسلامیات میں مقرر ہوئے۔ اس محکمہ میں آپ کے ذوقِ علمی کی تسکین کا کوئی ماحول اور سامان نہ تھا۔ تو آپ اس محکمہ کو چھوڑ کر جامعہ رضویہ مظہر اسلام بھاول نگر پنجاب میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے، یہاں آپ کی آمد سے مدرسہ کو بڑی ترقی ہوئی۔ اب اس عمارت میں رضویہ کالج ہے اور مدرسہ کی عمارت دوسری جگہ بنادی گئی ہے۔ ۱۹۵۸ء میں آپ دار العلوم امجدیہ آرام باغ میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے تشریف لائے اور تادمِ تحریر ہذا اسی دار العلوم کو فیض بخش رہے ہیں۔[1] جس وقت آپ کراچی میں تشریف لائے دار العلوم امجدیہ کا آغاز ہی ہوا تھا اس کی نہ کوئی خاص عمارت تھی نہ اس کے پاس کوئی زمین، دو کشادہ دکانیں کرائے پر حاصل کر کے اس میں مدرسہ قائم کردیا گیا۔ اور تعلیم شروع کردی گئی، آج بحمدہ تعالیٰ اس کی عظیم الشان عمارت ہے، تدریسی اور غیر تدریسی عملہ کی بڑی تعداد ہے، اور تقریباً

---

[1] ......جس وقت یہ مضمون لکھا گیا مرحوم حیات تھے اور بوقت اشاعت وطباعت اس دنیا سے سفرِ آخرت فرما چکے ہیں۔

پانچسو کی تعداد میں اقامتی اور غیر اقامتی طلبہ میں تین ساڑھے تین سو طلبہ کے لیے مع ناشتہ دونوں وقت کھانے کا انتظام ہے اور ہر طالب علم کو لباس کی صفائی اور دیگر اخراجات کے لیے نقد وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ یہ دار العلوم کراچی کے ان علمی مراکز میں ہے جن پر بجا طور پر فخر کیا جاسکتا ہے جو دینی تعلیم کو مروج کرنے میں عظیم کردار ادا کر رہے ہیں، اس دار العلوم کے قیام اور ترقی میں بڑا حصہ مفتی ظفر علی نعمانی [1] کا ہے۔ جن کی پر خلوص اور شب و روز کی محنت اور لگن نے اس ادارہ کو یہ عظمت بخشی اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجر دے آمین۔ لیکن علامہ ازہری صاحب کا ایثار، اُن کا خلوص اور اُن کا خونِ جگر بھی اس میں شامل ہے کسی ادارہ کا قائم کر دینا کوئی بڑا مشکل کام نہیں اس کی بقاء و ترقی جوئے شیر لانے سے کم نہیں، اس کے لیے سخت جدوجہد اور بڑی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی کے ساتھ عزم و استقلال حوصلہ اور صبر و قناعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلاشبہ علامہ ازہری ان مقامات سے بڑی سلامتی اور جوانمردی کے ساتھ گزرے اور اپنے صدق و صفا کا ثبوت فراہم کیا اگر علامہ ازہری تشریف نہ لاتے تو دار العلوم اتنی جلدی ترقی کی منازل طے نہ کرتا ممکن تھا کہ اس کا وجود بھی غیر یقینی کی حالت میں آجاتا۔

علامہ ازہری دو مرتبہ قومی اسمبلی کے ممبر بھی رہے اگرچہ وہ قطعاً سیاسی آدمی نہیں ہیں، اور ایک بوریا نشیں قانع اور دین و دینی تعلیم سے شغف رکھنے والے کو یہ فرصت بھی کہاں کہ وہ پارلیمنٹری سیاست میں حصہ لے، لیکن اپنی بے لوث خدمات، اپنے خلوص، اپنے تقویٰ اور اپنی ایمانداری کی وجہ سے انہیں عوام میں اتنی مقبولیت حاصل ہے کہ پبلک نے ان کا الیکشن خود ہی لڑا اور کامیاب کر دیا اس خصوصیت میں بھی وہ اپنے معاصرین میں ممتاز ہیں۔

علامہ ازہری اپنے علم و فضل اور تدریس و تعلیم میں بھی ایک اعلیٰ اور امتیازی مقام رکھتے ہیں، علم حدیث میں آپ کو کافی عبور حاصل ہے، طلبہ آپ پر جاں نثار کرتے ہیں آپ کا طریقہ تعلیم طلبہ میں نہایت مقبول ہے۔ آپ دورۂ حدیث میں طلبہ کو کتب احادیث کی تلاوت و قراءت ہی نہیں کراتے بلکہ ایک ایک حدیث کی اس کے مفہوم و مطلب کے ساتھ وضاحت و تشریح بیان فرماتے ہیں اور جہاں جہاں مناسب اور ضروری خیال فرماتے ہیں رجال حدیث سے بھی متعارف کراتے ہیں، کس راوی کا فنِ

---

[1] ...... مفتی ظفر علی نعمانی حضرت صدر الشریعہ کے بڑے صاحبزادہ مولوی حکیم شمس الہدیٰ مرحوم کے داماد ہیں، مرحوم کی لڑکی شریف النساء ان کی زوجیت میں ہیں، یہ ایک صاحبِ فکر و نظر اور عملی شخصیت کے مالک ہیں دینی خدمت کا جذبہ ان میں زبردست ہے۔ دار العلوم امجدیہ کراچی کا قیام اور اس کو ترقی کی اس منزل پر لانا انہیں کی محنت اور جدوجہد کا نتیجہ ہے، آپ ہی کی کوشش سے علامہ ازہری اس دار العلوم میں تشریف لائے اور کراچی میں قیام پذیر ہوئے، آپ پاکستان کی متعدد مذہبی سماجی و سیاسی اور معاشی انجمنوں کے ممبر ہیں ایوانِ بالا سینٹ کے ممبر رہے ہیں اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر بھی ہیں، آپ نے پاکستان میں سب سے پہلے قرآن پاک کنز الایمان مع تفسیر خزائن العرفان کے شائع کیا۔ آپ دار العلوم امجدیہ کے مہتمم بھی ہیں اور اس وقت مجلس اتحاد بین العلماء کے صدر بھی ہیں منکسر المزاج، امانت دار اور بڑے وضعدار ہیں۔ معاملات کو سمجھتے ہیں اور بہتر فیصلہ لیتے ہیں۔

حدیث میں کیا درجہ اور کیا مقام ہے، طلبہ کو اس سے بھی آگاہی بخشتے ہیں آپ کے درس میں طلباء نہ کبھی تھکتے ہیں نہ کبھی بے کیف ہوتے ہیں، از اول تا آخر یکساں دلچسپی یکساں لذتِ علم محسوس کرتے ہیں یہی خصوصیات آپ کو طلبہ میں مقبول و ہردلعزیز بنائے ہوئے ہیں ایک اور خصوصیت جو آپ کو اپنے معاصرین میں امتیاز بخشتی ہے وہ آپ کا توکل اور غناء نفس ہے، آپ نے اپنے تمام معاملات دینی ودنیوی میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کیا آپ دین کی خدمت میں یکسوئی کے ساتھ مشغول رہے اور جو کچھ وظیفہ ملتا رہا اسی پر قناعت کی، رزق کے حصول میں آپ نے کبھی بے صبری نہیں کی، نہ اہل ثروت سے اپنی غرض کے لیے کوئی ربط قائم کیا، نہ دولت کے حصول کے لیے ادھر ادھر نگاہ ڈالی بڑے صبر وسکون سے اللہ کے دین کی خدمت میں لگے رہے اور جو کچھ بارگاہِ الٰہی سے ملتا رہا برضا ورغبت اسی پر قناعت کی، اللہ تعالیٰ آپ کی ہرضرورت کا کفیل ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اپنے فضل سے یہ حصہ عطا فرمایا ہے کہ آپ کو نہ سرمایہ دار اور دولتمند بننے کی تمنا ہوئی اور نہ آپ نے ایسے ذرائع اختیار کیے جو شرعی قباحتوں کے ساتھ آپ کو مال ودولت سے ہم آغوش کریں، آپ دوبار قومی اسمبلی کے ممبر رہے، اس درمیان میں بڑے بڑے صنعتکاروں، تاجروں اور سرمایہ داروں سے آپ کا ربط وضبط رہا، کافی تعداد میں ایسے لوگ آپ کے پاس آتے جاتے تھے لیکن یہ آپ کا تدیُّن تقویٰ اور قناعت اور ایثار نفس تھا کہ آپ نے ان سب سے خود کو محفوظ رکھا اور مالدار بننے کی کوئی خواہش اپنے اندر نہ پیدا ہونے دی، آپ جس مکان میں رہتے تھے اسی میں رہتے رہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ

آپ نے اس قول کا عملی نمونہ پیش فرمایا ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہٗ بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش [1]

بلاشبہ آپ دریائے مال ومنفعت اور دولت وثروت کے سمندر میں قناعت کے ایک تختہ پر تیرتے رہے، مگر اپنے اس تقویٰ پر خواہشاتِ نفس کے چھینٹے بھی نہ آنے دیئے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کو غناء نفس، قناعت صبر وتوکل کا ایک مقام عطا فرمایا ہے جو ہر ایک کا نصیب نہیں، آپ نہایت متواضع، خلیق، مہمان نواز، خوش مزاج اور خندہ جبیں ہیں، عالمانہ کمال وجلال کے ساتھ فقر ودرویشی آپ کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ان میں سے ایک عظیم نعمت یہ ہے کہ آپ کی ذات میں ریاء ونفاق نہیں ہے جو آپ کا ظاہر ہے وہی باطن ہے، عبادت میں، ریاضت اور اوراد ووظائف میں، تعلیم وتعلّم میں، آپ کی رفتار وگفتار میں، نشست وبرخاست میں، خلوت ہو یا جلوت، ہر حالت میں آپ کے عمل میں یکسانیت ملے گی، ظاہر وباطن کا کوئی تضاد آپ کی زندگی میں نہیں ہے۔ سلسلۂ روحانی میں آپ کی بیعت وارادت اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت شاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان سے ہے، آپ کی عمر مبارک اُس وقت پانچ سال کی ہوگی، آپ کا سلسلہ قادریہ رضویہ ہے، آپ کا نام بھی اعلیٰ حضرت نے ہی ''عبد المصطفیٰ'' رکھا جب کہ حضرت صدر الشریعہ نے آپ کا نام

---

[1] ...... ترجمہ: بیچ دریا میں ایک تختے پر باندھ کر پھر تو مجھ سے کہتا ہے کہ دامن بھی تر نہ ہو ہوشیار رہوں۔

''ماجد علی'' رکھا تھا۔ سنِ شعور کو پہنچ کر جب آپ درسِ نظامی سے فارغ ہوئے اور شعر گوئی کا ذوق پیدا ہوا آپ نے اپنا تخلص ''ماجد'' رکھا۔ یہ وہی نام ہے جو آپ کے والدِ محترم حضرت صدر الشریعہ نے ابتداءً آپ کا رکھا تھا۔ شعر گوئی میں آپ نے اصنافِ سخن میں ''صنفِ نعت'' کو اختیار فرمایا۔ آپ کی مشقِ سخن کا میدان نعت گوئی ہے، آپ نے اپنا کوئی دیوان مرتب فرمایا یا نہیں اس کا مجھے علم نہیں البتہ یہ ضرور معلوم ہے کہ آپ نے بہت سی نعتیں کہی ہیں۔ تدریسی مشغلہ جاری رہنے کی وجہ سے آپ تصانیف کتب کے لئے تو وقت نہیں نکال سکے، جمعیت علماء پاکستان کے صدر بھی رہے، ان مصروفیات نے تصنیف وتالیف کا موقعہ نہیں دیا۔ صرف تفسیر قرآن کریم کی طرف توجہ فرمائی جس میں آپ نے پانچ پاروں کی تفسیر مکمل فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ آپ سے یہ خدمت لے لے اور یہ تفسیر مکمل ہو جائے، آمین۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو نورانی صورت عطا فرمائی ہے، بڑی بڑی غزالی آنکھیں، گول چہرہ تقریباً بلالی رنگ، قد میانہ، جسم موزوں، لباس شریعت کے مطابق سادہ اور دیدہ زیب، مزاج میں خوش خلقی، آپ کی مجلس باغ و بہار، آپ کی مجلس میں کوئی رنجیدہ دل اور ملول نہیں ہوتا بلکہ محزون و مغموم اپنا غم بھلا دیتے ہیں، دینی اور دنیاوی لحاظ سے آپ کی مجلس وصحبت کے لیے بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے۔

بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی — وہ اپنی ذات میں اِک انجمن ہیں

یہ ہیں علامہ عبد المصطفیٰ ازہری شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی مقبول عوام وخواص

۱۴ جنوری ۱۹۸۶ء

(۲) اَلحَاجُ قَارِیُ رَضَاءُ المُصطَفٰی

آنکھیں روشن اور پُر نور، اونچی ناک وگلفام لب، بیضاوی چہرہ، کشادہ پیشانی، ہلکا پھلکا چاق وچوبند جسم اور میانہ قد، خندہ رو، خندہ جبیں، سانولا رنگ، شگفتہ مزاج اور صاحبِ صدق وصفاء، یہ ہیں الحاج قاری مولانا رضاء المصطفیٰ۔ آپ صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی صاحب بہارِ شریعت علیہ الرحمہ کے پانچویں صاحبزادے اور علامہ عبد المصطفیٰ ازہری شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی کے برادر خورد، آبائی وطن قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ (انڈیا) اپنا وطن شہر کراچی (پاکستان) ۱۹۲۵ء میں اپنے آبائی وطن میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں دار العلوم عربیہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ (انڈیا) میں حفظ قرآن کیا، آپ کے استاد مولوی حافظ صوفی عبد الرحیم مرحوم ہی تھے، جو نہایت نیک متقی اور پاک باز تھے، بڑی محنت اور خلوص کے ساتھ طلبہ کو قرآن حفظ کراتے اور صحت تلفظ کا خیال رکھتے تھے۔ درسِ نظامیہ کی تعلیم کا آغاز دادوں ہی میں ہو گیا تھا۔ اس وقت حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ دادوں کے مدرسہ میں ہی صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے، آواخر ۱۹۴۳ء میں حضرت صدر الشریعہ نے دادوں چھوڑ دیا، اس کے بعد قاری صاحب نے بریلی، مبارک پور، الٰہ آباد اور میرٹھ میں علم کی تکمیل کی، الٰہ آباد مدرسہ سُبحانیہ میں تجوید وقرأت حاصل کی، آپ کے

مشہور اساتذہ میں حضرت صدر الشریعہ وحافظ ملت مولانا عبد العزیز، مولانا عبد الرؤف، مولانا عبد المصطفٰی اعظمی، مولانا سید غلام جیلانی صاحب بشیر القاری میرٹھی علیہم الرحمۃ والرضوان اور علامہ عبد المصطفٰی ازہری ہیں۔

اپنی دُنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے　　سرِّ آدم ہے ضمیرِ کُن فکاں ہے زندگی

قاری صاحب کی زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو وہ جہدِ مسلسل اور عمل پیہم اور اپنی دنیا آپ بنانے کی بہترین تفسیر ہے۔ آپ ابتدا ہی سے سخت جفاکش رہے اور بڑے ہی صبر آزما حالات سے دوچار رہے لیکن کسی بھی دشواری اور پریشانی نے آپ کا حوصلہ پست نہ کیا۔ آپ کی والدہ محترمہ مرحومہ کا انتقال ابتدائی عمر میں ہی ہوگیا تھا، آپ نے ہوش سنبھالا تو ماں کی شفقت ورحمت کا کوئی حصہ آپ کو نہ ملا، تعلیم کا آغاز حفظ قرآن سے ہوا جو بڑی ہی محنت طلب ہے اور سخت جدو جہد کی طالب ہے۔ دن ورات کی محنت سے بحمدہٖ تعالیٰ آپ بہت جلد اس کوشش میں کامیاب ہوگئے اور صرف دس گیارہ سال کی عمر میں آپ کو حفظ قرآن کریم کی عظیم نعمت حاصل ہوگئی۔ پھر آپ درسِ نظامی کے حصول وتکمیل کی طرف متوجہ ہوگئے اور علم کی طلب اور اس کے حصول میں آپ کو جن دشواریوں اور پریشانیوں سے گزرنا پڑا ان سے آپ مایوس ہوئے اور نہ حوصلہ ہارا، جدوجہد جاری رہی منزل کی طرف قدم بڑھتے رہے اور عزم وارادوں کا کارواں برابر چلتا رہا، آخر کار منزل سے ہمکنار ہوئے اور درسِ نظامی سے سند فراغت حاصل کی، اس درمیان میں والد محترم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا سایۂ عاطفت بھی اُٹھ گیا۔ علامہ ازہری پہلے ہی پاکستان تشریف لے جاچکے تھے، قاری صاحب نے درس نظامیہ سے فراغت کے بعد دار العلوم سے باہر قدم نکالا تو آپ نے معرکۂ وجود اور کارگاہِ ہستی میں خود کو تنہا پایا بجز جبہ ودستار اور سند الفراغ کے اور کوئی آپ کا رفیق اور مونس ودمساز نہ تھا لیکن آپ کی ہمت بلند اور عزم جواں تھا۔ علم وعرفان کی شمع ہاتھ میں لئے آپ سب سے پہلے ظلمت وجہالت سے تاریک وسیاہ سرزمین **پچھڑوا** ضلع دیوریا میں تشریف لے گئے اور وہاں علم کی روشنی پھیلانے کے لئے ایک چھوٹا سا دینی مدرسہ قائم کیا، اور اسے اپنی محنت وجانفشانی سے بہت جلد ترقی کے راستے پر ڈال دیا، آج وہ ایک بڑا مدرسہ بن گیا ہے جو الہٰ آباد بورڈ یوپی سے منظور شدہ ہے۔ تقریباً ایک لاکھ روپیہ سالانہ گورنمنٹ سے امداد مل رہی ہے آپ نے **پچھڑوا** کے لوگوں کا شعور بیدار کیا ان میں علمی ذوق پیدا کیا اور علم حاصل کرنے کی طرف مائل ہوئے اور **پچھڑوا** علم کی روشنی سے جگمگانے لگا۔ اس کے علاوہ بھی آپ نے وہاں کے لوگوں کی معاشی اور سماجی خدمات کیں، آج بھی وہاں کے لوگ دینی ودنیاوی دونوں معاملوں میں آپ کے احسان مند ہیں اور آپ کے گیت گاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک ہی شکل وصورت، ایک ہی رنگ وروپ، ایک ہی عقل وفہم، ایک ہی اہلیت وصلاحیت اور ایک ہی عادت وخلق پر پیدا نہیں فرمایا۔ وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ انسان کی معاشی ومعاشرتی اور سیاسی وذاتی، مقامی وآفاقی، اصلاحی وعرفانی اور روحانی ضرورتیں الگ الگ ہیں یہ وہ ضرورتیں ہیں جن پر انسانی زندگی کی بقاونشوونما اور ترقی کا دارومدار ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک انسان کو

جداگانہ شاکلہ عطا فرمایا۔ جس کے مطابق وہ عمل کرتا ہے قرآن کریم میں فرمایا: ﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ﴾ ہر ایک اپنی اہلیت، صلاحیت اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جس سے جو کام لینا چاہتا ہے اسی اعتبار سے اس کا شاکلہ پیدا فرماتا ہے، اور اس میں اسی مناسبت سے قابلیت اور اہلیت عطا فرماتا ہے، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں یا اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ یا علماء ودانشوران ہوں یا اصحاب صنعت وحرفت، اہل سیاست ہوں یا سلاطین واصحاب حکومت، ''ہر کسے را بہر کارے ساختند''،[1] کا اُصول ہر طبقہ اور ہر فرد میں نظر آئے گا، قاری رضاء المصطفیٰ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک شاکلہ عطا فرمایا ہے اسی کے مطابق آپ کا عمل جاری ہے۔ آپ نہایت متحرک، فعال، سیماب پا، جفاکش، طباع اور ذہین ہیں۔ دینی وملی خدمات کا جذبہ رکھتے ہیں اور قومی مسائل سے بھی ایک گونہ دلچسپی ہے۔ قرآن پاک سے آپ کو بے حد شغف ہے اور وقت کے قدر شناس۔ یہ ہے وہ شاکلہ اور صلاحیتیں جو قدرت نے آپ کو عطا فرمائی ہیں۔ اس شاکلہ کے ساتھ جب آپ امامت اور خطابت کے منصب پر فائز ہوئے تو آپ نے اس کی ذمہ داریوں کو بوجہ احسن ادا کیا، آپ کے مقتدی آپ سے مطمئن اور مسرور اور آپ ان میں مقبول وہر دلعزیز ۱۹۵۸ء سے آپ نیو میمن مسجد بولٹن مارکیٹ کراچی میں یہ خدمت انجام دے رہے ہیں اور آپ کی مقبولیت روز افزوں ہے۔ حکام، افسران، تجار اور جملہ خواص وعوام آپ کا احترام کرتے ہیں یہ آپ کے اخلاص عمل کی دلیل ہے۔

آپ نے دار العلوم امجدیہ کراچی میں ۱۹۵۸ء سے ۱۹۸۳ء تک تدریسی خدمات انجام دیں اسی درمیان میں آپ نے ایک نئے ادارہ کی بنیاد قائم کی جو دار العلوم نوریہ رضویہ کے نام سے معروف ہے، کہکشاں میں آپ نے اس کی شاندار عمارت تعمیر کرائی نہایت خوبصورت اور جدید رہائشی تقاضوں کو پورا کرنے والی یہ عمارت فی الحال دو منزلہ ہے، تاکہ علم دین حاصل کرنے والے طلبہ زندگی کے جدید تقاضوں سے ناآشنا نہ رہیں اور اپنی زندگی میں احساسِ کمتری کا نشانہ نہ بنیں، اسی کے ساتھ ایک خوبصورت مسجد بھی زیر تعمیر ہے جو ہر مسلمان کی ایک لازمی وبنیادی ضرورت ہے، یہ درس گاہ ۱۹۸۱ء میں تعمیر ہوئی، قاری صاحب اس کے مینجنگ ٹرسٹی بھی ہیں اور اس میں اپنے مخصوص انداز میں تعلیم بھی دیتے ہیں، عربی زبان آپ ڈائریکٹ میتھڈ سے پڑھاتے ہیں، جس سے محنتی طلبا بہت جلد باصلاحیت ہوجاتے ہیں، قاعدہ خواں بچوں کا تلفظ صحیح کرانے میں آپ کو کمال حاصل ہے، چند ہی دنوں میں آپ قرآن پڑھنے والے بچوں میں اتنا شعور پیدا کردیتے ہیں کہ وہ بآسانی بہت جلد قرآن پاک ختم کرلیتے ہیں اور صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن پڑھنے لگتے ہیں۔

قرآن پاک سے آپ کا شغف

آپ حافظ قرآن مجید بھی ہیں، آپ کا شمار جید حفاظ وقراء میں ہے۔ قرآن پاک کا ورد کرنے میں بھی آپ نے اپنا ایک مخصوص طریقہ اپنایا ہے، آپ روزانہ ہی ورد کرتے ہیں، آپ کے ورد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ قرآن پاک کو برائے تلاوت

---

[1]...... جو شخص جس کے قابل تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو ویسی ہی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا۔

تین حصوں میں تقسیم کرلیتے ہیں اور ہر ثلث سے ترتیب وار روزانہ ایک ایک پارہ تلاوت کرتے ہیں۔ قرآن شریف پڑھانے کا بھی آپ کو بہت زیادہ شوق ہے اس طرح آپ اس فضیلت کے حامل ہیں جس کے متعلق حدیث میں فرمایا: ''خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ'' تم میں سے سب سے بہتر قرآن سیکھنے اور سکھانے والا ہے۔

۱۹۵۷ء میں اشاعت وطباعت قرآن پاک کے لئے ایک مکتبہ قائم ہوا جو مکتبۂ رضویہ آرام باغ کے نام سے متعارف ہے۔ اس مکتبہ کا جملہ انتظام وانصرام آپ کی ذمہ داری ہے۔ اس مکتبہ سے آپ نے بہت بڑی تعداد میں قرآن پاک کی طباعت کرائی اب تک تیس ہزار کی تعداد میں قرآنِ پاک آپ نے رفاہِ عام کے لیے بلا قیمت تقسیم کراچکے ہیں اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اسی مکتبہ سے آپ نے قرآنِ پاک معہ ترجمہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کنزالایمان وتفسیر نعیمی موسوم بہ خزائن العرفان ہزاروں کی تعداد میں طبع کرکے شائع کیا۔ جس سے امت مسلمہ کو عظیم دینی فائدہ حاصل ہوا، اس کی طباعت میں آپ ہر بار نئے افادات کا اضافہ کرتے ہیں، مثلاً تلاوت قرآن کے قواعد، فضائل قرآن، مسائل تلاوت قرآن، تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ وغیرہا، اس قسم کے افادات مقدمۂ اشاعت وطباعت میں بیان کرتے ہیں تاکہ اُمتِ مسلمہ کی رغبت مزید ہو۔ اس مکتبہ کو آپ نے دینی خدمت کے لئے وقف کردیا ہے اور اس سے ایسی کتابیں شائع کرتے ہیں جس سے ملّت بیضاء کے عوام وخواص کو زیادہ سے زیادہ دینی فائدے پہونچیں۔ اسی مکتبہ سے آپ بہارِ شریعت مکمل شائع کررہے ہیں، اور اسی مکتبہ سے امام الفقہ مجدد دین وملّت، فقیہ الزماں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی معرکۃ الاراء و بے مثال تصنیف ''فتاویٰ رضویہ'' شائع کی اور اس کی اِشاعت برابر جاری ہے، تزکیۂ نفس اور روحانی سکون حاصل کرنے والوں کے لئے نیز اپنے دینی ودنیاوی مقاصد کے حصول کے لئے آپ نے مجموعۂ وظائف بھی شائع کیا ہے جو بہت بڑی تعداد میں بلا قیمت تقسیم کرتے ہیں۔

آپ وقت کے بہت بڑے قدر شناس ہیں۔ اپنا زیادہ تر وقت تو دین کی خدمت میں صرف کرتے ہیں اور بقیہ اپنی ذاتی، خانگی، خاندانی اور معاشرتی جائز ضرورتوں میں، آپ کا نظام الاوقات کچھ اس طرح ہے، علی الصبح اُٹھنا ضروریات سے فارغ ہوکر نماز فجر پڑھانا، کچھ تلاوت کرنا، بعدہٗ ناشتہ سے فارغ ہوکر فوراً دارالعلوم نوریہ رضویہ کلفٹن جانا وہاں تعلیم دینا اور اس کا انتظام دیکھنا، ساڑھے بارہ بجے وہاں سے روانہ ہوکر ایک بجے تک نیو میمن مسجد پہنچ کر امامت کا فرض انجام دینا، نماز سے فراغت کے معاً بعد مکتبۂ رضویہ آرام باغ چلا جانا اور وہاں قرآن پاک اور دینی کتب کی اشاعت وطباعت سے متعلق کام دیکھنا، وہاں سے آکر نماز عصر پڑھانا، عصر ومغرب کے درمیان اپنے کمرہ میں قیام رکھتے ہیں، اور منصب قاضی نکاح سے متعلق امور کی انجام دہی کرتے ہیں اور بعد نماز مغرب مابین مغرب وعشاء بھی فرائض انجام دیتے ہیں، عشاء کی نماز پڑھا کر اپنے گھر تشریف لے جاتے ہیں اور رات کا ایک حصہ خانگی امور اور اعزّہ سے ملاقات میں صرف کرتے ہیں، آپ اپنے وقت کی کتنی قدر کرتے ہیں اور اسے کس طرح کارآمد بناتے ہیں اس کا اندازہ آپ اس طرح سے لگا سکتے ہیں کہ گھر سے دارالعلوم نوریہ جانے تک راستہ میں

اور وہاں سے واپسی میں، پھر مکتبہ رضویہ جانے اور آنے میں راستہ میں جو وقت ملتا ہے اس میں آپ طبع کی جانے والی کتابوں کی تصحیح کرتے ہیں اس طرح یہ وقت بھی بے کار امور میں ضائع نہیں ہونے دیتے۔ ان عظیم مشاغل اور مصروفیتوں کے باوجود آپ جماعت قراء پاکستان کے صدر بھی ہیں یہ ذمہ داری ۱۹۸۰ء سے آپ کے پاس ہے اور آپ پوری توجہ اور للّٰہیت کے ساتھ قراءت کے ملکی اور بین الاقوامی مقابلوں میں شریک ہوتے ہیں اور ان اجتماعات کی صدارت کے فرائض انجام دیتے ہیں، قومی و ملکی مسائل سے دلچسپی اور وطن کی خدمت کے جذبہ نے آپ کو آمادہ کیا کہ آپ ''جماعت اہل سنت پاکستان'' کے نائب صدر ہونے کا منصب قبول کرلیں۔ بین الاقوامی جماعت ''ورلڈ اسلامک مشن'' کراچی شاخ کی ذمہ داریاں آپ کے سپرد ہیں۔ اس کا دفتر بھی آرام باغ میں مکتبہ رضویہ کے ساتھ ساتھ ہے آپ کی ذہانت وذکاوتِ طبع کا تیقُن اس طرح سے کیا جاسکتا ہے آپ واقف ہفت زبان ہیں، اردو تو آپ کی مادری زبان ہے، عربی ادب و دیگر علوم عربیہ کی آپ نے دس سال تعلیم حاصل کی، عربی و فارسی میں آپ بلاتکلّف کلام کرلیتے ہیں۔ پنجابی، سندھی، پشتو، ان کے ساتھ گجراتی اور بنگالی میں بات کرلیتے ہیں۔ بلاشبہ قدرت نے آپ کو عظیم صلاحیتوں سے نوازا ہے اور اپنی بے شمار نعمتیں بھی عطا کی ہیں' اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ شگفتہ مزاجی کی نعمت بھی آپ کو مبدء فیاضی سے عطا ہوئی ہے، احباب کے ساتھ حسنِ سلوک شرعاً ایک محمود صفت ہیں اور آپ اسی سے متصف ہیں، آپ کے دو صاحبزادے ہیں (۱) مصطفیٰ انور (۲) مصطفیٰ سرور اول الذکر لندن میں انجینئر ہیں اور چھوٹے صاحبزادے حافظ مولوی مصطفیٰ سرور کو آپ نے اولاً حفظِ قرآن کرایا اور پھر درسِ نظامیہ کی تکمیل کرائی اور ان کو دین کی خدمت کے لیے وقف کردیا، مولوی حافظ مصطفیٰ سرور بھی نہایت سعادت مند اور فرمانبردار فرزند ہیں، اپنے والدِ محترم کے اشاروں پر چلتے ہیں اور والدین کی خدمت کی سعادت حاصل کررہے ہیں، مکتبہ رضویہ سے دین کی تبلیغ و تعلیم سے متعلق جو کتابیں شائع ہوتی ہیں ان سب کی دیکھ بھال یہی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے اور انہیں دین کی خدمت کی توفیق واہلیت عطا فرمائے۔ (آمین)

قاری صاحب اب تک آٹھ مرتبہ حج بیت اللہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کرچکے ہیں اور نو مرتبہ عمرہ ادا کرچکے ہیں۔ اس طرح آپ سترہ بار زیارت بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ مبارک سے فیوضِ روحانی حاصل کرتے رہے۔

میری دعا ہے کہ رب کریم رؤف ورحیم انہیں دنیا وآخرت کی سعادتیں اور نعمتیں عطا فرمائے ان کی زندگی میں برکتیں دے اور امت مسلمہ کے لیے انہیں مفید اور باعثِ برکت بنائے

آمین بِجاہِ النَّبِیِّ الاُمِّیِّ الْکَرِیْمِ عَلَیْہِ اُلُوْفُ التَّحِیَّۃِ وَالتَّسْلِیْم وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

۷ جنوری ۱۹۸۹ء

☆☆☆☆☆

مؤلف کتاب

نوٹ : ڈاکٹر مولانا غلام یحیٰی انجم بستوی استاذ شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے یہ مضمون بعنوان مولانا سید ظہیر احمد زیدی، ایک تعارف تحریر فرمایا جس میں مصنف سے متعلق اپنے تاثرات، تجربات اور مشاہدات مختصر انداز میں بیان کیے ہیں، ان کی خواہش پر اس کو شایع کیا جارہا ہے، قارئین کرام دعائے خیر فرمائیں۔

فروری ۱۹۲۶ء میں جب شعبہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نصاب کی تشکیل ہورہی تھی تو اس میں ملک کے جن متبحر علماء کو دعوت دی گئی تھی ان میں نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، مولانا سید سلیمان اشرف صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا مناظر احسن گیلانی استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، مولانا عبد العزیز المیمنی راجکوٹی صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا سید سلیمان ندوی کے علاوہ حضرت صدر الشریعہ مولانا حکیم امجد علی اعظمی بھی تھے۔"

(معارف فروری ۱۹۲۶ء ص ۲ مرتبہ سید سلیمان ندوی)

صدر الشریعہ نے اس اجلاس میں جب شرکت کی تھی تو ان دنوں دار العلوم معینیہ اجمیر میں عہدۂ صدارت پر مامور تھے، پھر بریلی شریف آکر تدریسی خدمات میں مصروف ہوئے، وہاں تقریباً تین سال کا ہی عرصہ گزرا ہوگا کہ ۱۹۳۶ء میں نواب حاجی غلام محمد خاں شیروانی رئیس ریاست دادوں مرحوم کی دعوت پر بحیثیت صدر مدرس دار العلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ تشریف لائے، دادوں اس زمانے میں مذہبی علوم کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار ادا کررہا تھا۔ علی گڑھ کے علاوہ دوسرے کئی اضلاع میں اس کی شہرت پھیل چکی تھی، اقصائے عالم سے تشنگانِ علوم کا وہاں جھمگٹا ہوگیا تھا، جن جن لوگوں نے حضرت صدر الشریعہ کے علمی پنگھٹ سے سیرابی حاصل کی وہ اپنے زمانے کے تشنگانِ علوم کے لیے ابر کرم ثابت ہوئے اُن ہی علمی پیاس بجھانے والوں میں مولانا مبین الدین امروہوی مرحوم، مولانا مفتی محمد خلیل خاں مرحوم مارہروی اور وقت کے دوسرے اجلہ علمائے کرام کے علاوہ مولانا سید ظہیر احمد زیدی بھی تھے۔

مولانا سید ظہیر احمد زیدی نسبی شرافت، علمی وجاہت اور جسمانی شکل وشباہت میں اپنی مثال آپ ہیں، خاندانی اعتبار سے ان کا پایہ بہت بلند ہے، والد کے توسُّط سے ان کا تعلق مظفر نگر کے سادات بارہہ [1] اور پھر ان سے ہوتے ہوئے زید شہید

---

[1] ......سادات بارہہ سے متعلق بعض ثقہ حضرات کا خیال ہے کہ ان کے مورثِ اعلیٰ ابو الفرح واسطی بیرون ہند یعنی ملک عراق سے آئے تھے اس لئے ان کی نسل کو "سادات باہرہ" کے نام سے موسوم کیا گیا جو بعد میں کثرتِ استعمال سے "سادات بارہہ" میں تبدیل ہوگیا۔ اس سلسلہ میں ایک دوسرا قیاس یہ بھی ہے کہ ان سادات میں سے کچھ لوگ مذہبی عقیدہ کی بناء پر اثناء عشری شیعہ ہیں، یعنی بارہ اماموں کے ماننے والے ہیں اس لیے یہ لوگ "سادات بارہ" کہلائے جو بعد میں کثرتِ استعمال کے باعث سادات بارہہ مشہور ہوگیا۔ (سید سلیمان علی خان سادات بارہہ کا تاریخی جائزہ ص ۱۲ دہلی ۱۹۸۰ء)

بن امام زین العابدین علی بن حسین بن علی کرم اللہ وجھہ الکریم سے جاملتا ہے جب کہ ماں کی نسبت سے ان کا سلسلہ سید شاہ کمال الدین ترمذی نزیل ہانسی پنجاب سے ہوتے ہوئے آگے بڑھ جاتا ہے، شاہ کمال الدین ترمذی علیہ الرحمہ اپنے زمانے کے جلیل القدر بزرگ تھے، آج بھی ان کا مزار اقدس مرجع انام ہے، حضرت زید شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نسبت سے سید صاحب اپنے نام کے ساتھ زیدی لکھتے ہیں۔ سادات بارہہ میں سے کچھ بزرگ منصور پور ضلع مظفر نگر یوپی سے ترک وطن کر کے نگینہ ضلع بجنور میں آبسے، سید ظہیر احمد کی ولادت ۱۳۳۹ھ یا ۱۳۴۰ھ میں عالی جناب سید دائم علی زیدی مرحوم کے گھر ہوئی، خاندان متدین پاکباز تھا اس لئے گھر والوں نے بچے کو حصولِ علمِ دین کی طرف لگا دیا، پہلے تو انہوں نے مسجد کفر توڑ اور مدرسہ قاسمیہ نگینہ بجنور ہی میں درس لیا۔ ۱۹۳۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں علی گڑھ سے وابستہ ہوگئے اور ایسا وابستہ ہوئے کہ پھر ہمیشہ کے لیے علی گڑھ ہی کے ہو کر رہ گئے دار العلوم حافظیہ کا نصاب تعلیم دس سال کا تھا مگر سید صاحب نے اسے آٹھ ہی سال میں مکمل کرلیا۔ دورانِ تعلیم دوبار دوہری ترقی ملی اور اس طرح درسِ نظامی کی تکمیل کی، صدر الشریعہ اور دیگر اساتذۂ دار العلوم سے اکتسابِ فیض کیا اور ۱۹۴۳ء میں سند فراغت اور دستارِ فضیلت حاصل کی۔

مولانا سید ظہیر احمد زیدی دورانِ تعلیم دادوں میں اپنے وقت کا بیشتر حصہ صدر الشریعہ کی خدمت میں گزارتے جس کے سبب صدر الشریعہ سے انہیں ایک روحانی تعلق ہو گیا تھا۔ صدر الشریعہ خود بھی سید صاحب سے بہت پیار و محبت فرماتے تھے، اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ مولانا سید ظہیر احمد زیدی صدر الشریعہ کے آخری دور کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے جس کا اعتراف صدر الشریعہ نے خود کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ''محرم ۱۳۶۲ھ میں فقیر نے چند طلبہ خصوصاً عزیزی مولوی مبین الدین صاحب امروہوی و عزیزی مولوی سید ظہیر احمد صاحب نگینوی و حبیبی مولوی حافظ قاری محبوب رضا خاں صاحب بریلوی و عزیزی مولوی محمد خلیل مارہروی کے اصرار پر شرح معانی الآثار معروف بہ طحاوی شریف کا تحشیہ شروع کیا گیا''۔

(مولانا امجد علی، بہار شریعت، (۱۷:۱۰۲) مطبوعہ لاہور)

مولانا سید ظہیر احمد زیدی فراغت کے بعد دو سال مدرسہ عربیہ خدّام الصوفیہ گجرات پنجاب میں تدریسی خدمات انجام

= سادات بارہہ کے پہلے بزرگ جو ہندوستان آئے وہ سید عبد اللہ الحسن ابو الفرح الواسطی ۱۰۵۵ھ ہیں۔ ہوا یوں کہ سلطان محمود غزنوی جب آخری بار ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو مذکورۃ الصدر بزرگ سے اس فوج میں شرکت کے لئے کہا چنانچہ وہ اپنے چار صاحبزادگان سمیت اس فوج میں شریک ہوگئے، جب ہندوستان فتح ہوگیا تو سلطان محمود نے شاندار کامیابی پر مسرور ہو کر اور ان کی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے سرہند اور کلانور کا علاقہ انہیں بطورِ انعام جاگیر کی صورت میں عطا کیا، سید عبد اللہ خود تو سلطان کے ہمراہ واسط چلے گئے مگر ان کے صاحبزادے ہندوستان رہ گئے۔ پھر انہیں میں سے کچھ لوگ آ کر مظفر نگر میں آبسے موجودہ سادات بارہہ انہیں کی نسل سے ہیں۔ انہیں میں سے ایک بزرگ امیر سید ابو المظفر جنھیں نواب خاں سے شہرت حاصل تھی، شاہجہاں کے دورِ حکومت میں اہم منصب پر فائز تھے انہوں نے اپنا وطن منصور پور کو قرار دیا۔ آج بھی ان کا مقبرہ منصور پور ضلع مظفر نگر میں ہے، سید ظہیر احمد زیدی صاحب انہیں کی اولاد میں سے ہیں۔

دیتے رہے ان دنوں اس ادارہ میں مدرس اوّل حضرت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ پھر ایک سال کے لیے مدرسہ عربیہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی چلے آئے اور مولانا سردار احمد علیہ الرحمہ محدث پاکستان، مولانا وقار الدین پیلی بھیتی حال مفتی دار العلوم امجدیہ کراچی کے ساتھ تدریسی فرائض انجام دینے لگے۔ ستمبر ۱۹۴۷ء سے ان کا تعلق مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ہوگیا جہاں وہ عبداللہ کالج میں پہلے لیکچرار رہے پھر ۱۹۵۴ء میں اسی یونیورسٹی کے سٹی ہائی اسکول میں دینیات کے استاد مقرر ہوئے اور ۱۹۸۴ء تک انتہائی ذمہ داری کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد سبکدوش ہوگئے، اس طرح بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ سید صاحب زندگی کے جس مرحلے پر ہیں بچپن سے لے کر اب تک عمر کا بیشتر حصہ دین سیکھنے اور سکھانے میں بسر ہوا ہے۔ علی گڑھ کالج اور اسکول میں جن طلباء نے ان سے دینیات پڑھی ان کی فہرست موجب تطویل ہونے کے ساتھ ساتھ وقت طلب بھی ہے، البتہ مدارس عربیہ میں جن لوگوں نے ان سے اکتسابِ فیض کیا ہے ان میں درجِ ذیل حضرات کافی مشہور ہوئے

(۱) مولانا تحسین رضا خاں بریلوی شیخ الحدیث مدرسہ نوریہ بریلی شریف

(۲) مولانا سبطین رضا خاں بریلوی مقیم حال مدھ پردیش

(۳) مولوی معین الدین بانی مدرسہ نوریہ غوثیہ فیصل آباد پاکستان

(۴) مولانا عبد القادر شہید گجراتی ثم فیصل آبادی

(۵) مولانا مفتی لطف اللہ خطیب جامع مسجد متھرا

(۶) مولانا مظہر ربانی صاحب باندہ

مولانا سید ظہیر احمد زیدی وعظ و تبلیغ میں بھی اپنی یگانگت برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ کما حقہ تبلیغی خدمات اس زمانے میں تو نہ کر سکے جب ان کا یونیورسٹی سے تعلق رہا لیکن تدریسی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے بعد بڑے بڑے سیرت کے جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت ہونے لگی، وعظ و تبلیغ میں ان کا لب ولہجہ شستہ ہوتا ہے، ایک ایک بات دلائل کی روشنی میں سمجھا کر کہنے کی عادت ہے، بے جا الفاظ کا استعمال ان کے یہاں ہرگز نہیں، فتویٰ کی زبان بولتے اور لکھتے بھی ہیں اسی وجہ سے شاید ان کی تقریروں سے عوام سے زیادہ خواص کا طبقہ لطف اندوز ہوتا ہے، بہر حال مولانا کا انداز منفرد و یگانہ ہے، عبرت آمیز نصیحت انگیز اور سبق آموز مقررین میں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ مولانا سید ظہیر احمد زیدی کی تحریری صلاحیتوں کا اندازہ زیرِ نظر کتاب سے با آسانی کر سکتے ہیں، اس کتاب سے جہاں ان کے قلم کی شستگی اور نپے تلے الفاظ کی بندش کا اندازہ ہوتا ہے وہیں مولانا کی علوم مروجہ و متداولہ میں فقہ سے دلچسپی اور لگاؤ کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے۔ فقہ اور اس کے اصول و قواعد سے متعلق کچھ رسالے بھی زیب قرطاس بنے ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد مقالات و مضامین بھی رسائل و جرائد میں چھپ کر اربابِ فکر و نظر سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں، مقالات کی فہرست تو دستیاب نہ ہو سکی، البتہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب و رسائل کی فہرست جن سے ان کی دقت نظر اور وسعت مطالعہ کا پتا چلتا ہے یہ ہے:

(۱) رسالہ مسلم پرسنل لامطبوعہ فروری ۲ے۱۹ء محرم الحرام ۱۳۹۲ھ

(۲) مسلم تاریخ تمدن غیر مطبوعہ

(۳) بہارِ شریعت کتاب الوصایا انیسواں حصہ

(۴) رسالہ الحج غیر مطبوعہ

(۵) رسالہ القواعد الفقہیہ والاصول الکلیۃ

مولانا ظہیر احمد صاحب کو زبان وادب سے گہرا ربط ہے، اردو، فارسی ہو یا عربی انھیں تمام زبانوں پر یکساں قدرت حاصل ہے ان تینوں زبانوں میں مشق سخن کرتے رہتے ہیں، شاعری کا تخلص ''سید'' اختیار فرماتے ہیں۔ مولانا کوئی باضابطہ صاحب دیوان شاعر تو نہیں البتہ اردو، فارسی اور عربی نعتوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو چکا ہے۔ درج ذیل اشعار ان کی سخن گستری اور سخن سنجی کی بین دلیل ہیں۔

فَوَاللّٰہِ لَا یَمْتَدُّ عُمْرُکَ سَاعَۃً | اِذَا جَاءَ اَمْرُ اللّٰہِ لَاقَتْ شَدَائِدُ

لقد بعثت خیراً بالمعاصی وتحسب | بانک تبغی دائماً لا تباعدُ [1]

جَعَلْنَا فِی الْخَلَائِقِ خَیْراً | بَعَثْ فِیْنَا حُبَّہٗ خبرا

حَفِظْنَا مِنْ عَدُوِّنَا حِفْظاً | نَصَرْنِیْ مِنْ مَعَارِضِی نَصْراً [2]

اَسْریٰ بِکَ سُبْحَانَہٗ | اَجْلٰی بِکَ بُرْھَانَہٗ

قَدْ اَنْزَلَ قُرْآنَہٗ | اِسْمَعْ لَنَا اَدْرِکْ لَنَا [3]

رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ مُسْتَجِیْرٌ | وَاَنْتَ بِرَحْمَۃِ اللّٰہِ شَہِیْرٌ

نَدِیْمِیْ لَا تَخَفْ مِنْ شَرِّ عَادٍ | اَنَا فِیْ حَضْرَۃِ الرَّبِّ سَمِیْرٌ [4]

---

[1] ......ترجمہ: اللہ کی قسم تجھے ایک لمحے کی مہلت نہیں ملے گی، جب اللہ کا حکم آجائے تو مصائب وآلام آپہنچتے ہیں، نیکیوں کے ساتھ ساتھ تو نے گناہوں کے ڈھیر لگا دیئے اور تیرا خیال ہے کہ تو ہمیشہ زندہ رہے گا مرے گا نہیں۔

[2] ......ترجمہ: ہمیں تمام امتوں میں بہترین امت بنایا، ہم میں اپنا محبوب پیغمبر مبعوث فرمایا، ہمیں ہمارے دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھا، مصائب وآلام میں ہماری مدد ونصرت کی۔

[3] ......ترجمہ: اللہ عزوجل نے آپ کو سیر کرائی، اور آپ کے ذریعے اپنی برہان کو واضح کیا، آپ پر اپنا قرآن نازل فرمایا، اے حبیب ہماری فریاد سنیے، ہماری فریاد رسی کیجئے۔

[4] ......ترجمہ: یارسول اللہ! میں پناہ کا طلبگار ہوں۔ اور آپ رحمۃ للعالمین کے لقب سے مشہور ہیں، اے میرے دوست! دشمن کے شر سے خوفزدہ نہ ہو، میں بارگاہِ الٰہی میں شب کو مناجات کرنے والا ہوں۔

فَـاَکْـرِمْـنِـیْ بِلُطْفِکَ یَـا حَبِیْبِیْ ۔۔۔ اَنَـا مِـنْ اَفْـقَـرِ الـنَّـاسِ حَـقِـیْـرٌ [1]

عرفان و وصل و جام و شراب محمد است ۔۔۔ ذوالفضل والکمال خطاب محمد است

دیدم ہزار بار و لیکن تواں نہ دید ۔۔۔ صد جلوۂ کمال نقاب محمد است

سیّد پناہ دامن محبوب حق بجو ۔۔۔ حقا کہ "ھب لی امتی" تاب محمد است [2]

بہ چشم زیست نازاں بود شب جائے کہ من بودم ۔۔۔ بہار وصل ساماں بود شب جائے کہ من بودم

کجا ہستی کجا مستی کجا ہنگامۂ آرائی ۔۔۔ جمال یار مہماں بود شب جائے کہ من بودم

قرار آمد نگار آمد جہاں بادہ خوار آمد ۔۔۔ نشاط روئے تاباں بود شب جائے کہ من بودم [3]

کچھ اس اداء سے وہ سرتاج مہوشاں گزرے ۔۔۔ مہک رہی ہیں فضائیں جہاں جہاں گزرے

وفور شوق میں گشتہ جمال اَلست ۔۔۔ کہاں کہاں تجھے پایا کہاں کہاں گزرے

تو نہ ہوتو بزم سخن نہو، تو نہ ہو تو رنگ چمن نہ ہو ۔۔۔ کوئی اور تجھ سا حسین نہیں کوئی اور رشک جناں نہیں

تو ہی روحِ بزم وجود ہے تو ہی سّر جلوۂ ذات ہے ۔۔۔ تو ضیائے عالم کن فکاں ترا نور حسن کہاں نہیں

موسیٰ کی تمنا کہوں عیسیٰ کی بشارت ۔۔۔ اللہ کا احسان ہو آدم کی صدا ہو

تم رحمتِ باری ہو صدا باد بہاری ۔۔۔ کلیوں کا تبسّم ہو عنادل کی نوا ہو

مل جائے جو سیّد کو ترے در کی حضوری ۔۔۔ پھر تو مری تقدیر میں جنّت کی ہوا ہو

---

1 ......ترجمہ: اے میرے حبیب (علیہ الصلاۃ والسلیم)! اپنے لطف وکرم سے میری عزت افزائی کیجئے، میں محتاج ترین لوگوں میں سے حقیر ہوں۔

2 ......ترجمہ: عرفان ووصل وجام وشراب عشق محمد عربی ہیں، ذوالفضل والکمال آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلّم کا لقب ہے،
میں نے ہزار بار دیکھا مگر نہ دیکھ سکا، رُخِ مصطفیٰ میں سینکڑوں جلوۂ کمال پنہاں ہیں۔
سیّد محبوب خدا کے دامن میں پناہ تلاش کر، بے شک "رب ھب لی اُمّتی" کہنے کی ہمت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلّم ہی کو ہے۔

3 ......ترجمہ: زندگی میری آنکھ پہ نازاں تھی، آج شب میں جہاں تھا۔ سامانِ وصل سے لطف اندوز ہوا ہوں آج شب میں جہاں تھا۔
احساسِ وجود کہاں کیفیت جنوں کہاں وجد و بے خودی کہاں، جمال یار مہماں تھا آج شب میں جہاں تھا۔
بڑی پرسکون و آرائش والی جگہ تھی جہاں مے خوار تھا، روئے تاباں کی شادمانی تھی آج شب میں جہاں تھا۔

اراپریل ۱۹۸۰ء میں جب میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں حصولِ علم کی غرض سے حاضر ہوا تو ان دنوں سید صاحب یونیورسٹی میں استاد تھے، میری ان سے پہلی ملاقات ان کے دولت کدہ ''بیت السادات'' محب گرامی ڈاکٹر محبّ الحق کی معیت میں ہوئی، میں موصوف کا ممنون کرم ہوں کہ انہوں نے علی گڑھ کے آخری ایام میں ایسے معزز اور مخلص لوگوں سے تعلقات پیدا کردیئے جن کی شخصیت آج بھی ہمارے لئے ابر کرم اور ترقی درجات کے لیے مشعل راہ ہیں، اگرچہ میں ان دنوں علی گڑھ کے لیے بالکل نیا تھا علی گڑھ کا ہر ذرہ میرے لئے اجنبی تھا، مگر سید صاحب اور ان جیسے دوسرے کرم فرماؤں کی عنایات ونوازشات اس طرح ہوئیں کہ چند ہی دنوں میں اس دیار کے ہر کوچے اور ہر ذرّے سے محبت کی بو آنے لگی۔

سید صاحب سے قربت اس لیے بھی ہوئی کہ اس دور کے چند مخلص طلباء نے ایک باوقار سنجیدہ تنظیم بنائی جس کا نام ''مرکز تعلیمات اسلامی'' رکھا گیا جس کے اغراض ومقاصد میں دو باتیں بڑی اہم تھیں ایک تو ہفتہ وار قرآن وحدیث کی تعلیم اور دوسرے ایک موقر ''سہ ماہی جریدہ'' تعلیمات کا اجراء۔

میرے علی گڑھ آنے کے بعد اس تنظیم کی تشکیل جدید ہوئی اور اس مجلّہ کا مدیر معاون مجھے بنایا گیا، جب کہ ادارت کی ذمہ داری تاجدار مارہرہ حسن میاں کے فرزند ارجمند سید محمد امین کے سپرد کی گئی اور اسی نشست میں حکیم خلیل احمد جائسی اور سید صاحب کو علی الترتیب مربی ومرشد نامزد کیا گیا۔ اگرچہ کچھ اسباب کی بناء پر تنظیم تو کامیاب نہ ہوسکی مگر ملاقات کا سلسلہ کبھی نہیں ٹوٹا اس طویل ملاقات میں میں نے انہیں ہمدرد اور کہتر نواز، مہمان نواز پایا۔

سید صاحب کی وجیہہ اور پُروقار شخصیت کی بناء پر حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں اور حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی علیہما الرحمہ نے شرف خلافت سے نوازا جب کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ حامد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے بیعت و اِرادت کے ذریعے ہمیشہ کے لیے اپنے سے وابستہ کرلیا۔ سید ظہیر احمد زیدی صاحب صوری اور معنوی دونوں حُسن سے مزین ہیں، صاف وشفاف نورانی چہرہ، سفید داڑھی جس سے بزرگی کے آثار نمایاں، چمکتی دور بیں آنکھیں، موزوں قد، بڑے مشکلات کی گرہیں کھولنے والی چھوٹی چھوٹی انگلیاں مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ نسبی شرافت، علمی وجاہت اور جسمانی شکل وشباہت ہر اعتبار سے سید ظہیر احمد زیدی منفرد ونمایاں ہیں اور حدیث مبارکہ اِبْتَغُوا الْخَیْرَ عِنْدَ حِسَانِ الْوُجُوْہِ[1] کا مصداق ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سید صاحب کے حسن وجمال میں مزید نکھار پیدا کردے، اور اس کی نورانیت سے لوگوں کے دلوں کو منور وروشن کرے۔ آمین بجاہ حبیبہ سیّدِ المرسلین وعلٰی آلہٖ واصحابہ الطیبین والطاہرین۔

---

1 ...... ''مصنف'' لابن ابی شیبة، کتاب الأدب، باب ماذکر فی طلب الحوائج، الحدیث: ۲، ج۶، ص۲۰۸۔

بہارِشریعت میں حدیث ان الفاظ سے مرقوم ہے '' اِبْتَغُوا الْخَیْرَ فِی وُجُوْہِ الْحِسَانِ '' ترجمہ: ''خوبصورت چہروں کے ہاں بھلائی تلاش کرو'' جبکہ کتب حدیث میں یہ حدیث ان الفاظ سے ہمیں نہیں ملی لہٰذا جن الفاظ کے ساتھ ہمیں ملی ان الفاظ کے ساتھ متن میں ذکر کر دیا گیا، مزید تفصیل کے لیے فتاوی رضویہ، ج۲۱ ص۳۱۱ تا ۳۱۶ ملاحظہ کیجئے۔ ... علمیہ

باسمہٖ تبارک وتعالٰی

مُقدمہ

اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ امابعد:

بہارِ شریعت کا انیسواں حصہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہاہوں، رب تبارک وتعالیٰ قبول فرمائے اور میرے لئے اس کو ذخیرہٗ آخرت بنائے، آمین۔ فقیہِ وقت مصنف بہارِ شریعت ابوالعلیٰ صدر الشریعہ حضرت مولانا الحاج امجد علی علیہ الرحمۃ و الرضوان نے مکمل فقہ حنفی کو عام فہم اردو زبان میں منتقل کرنے کا جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا اس کی نہ ماضی میں کوئی مثال ہے اور نہ مستقبل میں کوئی ایسی امید، حضرت ممدوح علیہ الرحمہ کا مقصد یہ تھا کہ برصغیر کے مسلمان اپنے دین کے مسائل سے بہ سہولت مستفید ہوجائیں، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ اخلاصِ فکر وعمل کے ساتھ ارادہ رکھتے تھے کہ جملہ ابواب فقہ سے ضروری اور روزمرہ پیش آنے والے مسائل سے متعلق مفتی بہ شرعی احکام اردو زبان میں بیان فرمادیں۔ ان کی حیاتِ مبارکہ میں کتاب بہارِ شریعت کے سترہ حصے مرتب ہوکر طبع ہوچکے تھے کہ آپ مقام ابتلاوآزمائش سے گزرے، بِحمدِ اللہ تعالیٰ مژدہ ''وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ'' سے سرفراز ہوئے، جیسا کہ مقربین بارگاہ کا طرۂ امتیاز ہے، اس وقت تک بہارِ شریعت کے سترہ حصے مکمل ہوچکے تھے صرف حدود وقصاص، وصایا اور میراث میں تین حصے اور تصنیف ہونا باقی تھے کہ موانع پیش آگئے، حضرت نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ بقیہ یہ تین حصے میرے تلامذہ مکمل کریں گے، چنانچہ دو۲ حصے حضرت علامہ عبدالمصطفےٰ ازہری شیخ الحدیث اور حضرت مولانا مفتی وقار الدین صاحب دارالعلوم امجدیہ کراچی وقاری محبوب رضا خاں صاحب وقاری رضاء المصطفےٰ صاحب خطیب نیو میمن مسجد بولٹن مارکیٹ کراچی نے تالیف فرمادیئے، یعنی اٹھارہواں حصہ کتاب الحدودو القصاص میں اور بیسواں حصہ کتاب المیراث میں، باقی رہا انیسواں حصہ کتاب الوصایا، اس کی تالیف وترتیب اس ناچیز کے حصے میں آئی، اس سلسلے میں بہ خلوص قلب شکر گزار ہوں اپنے استاذ زادہ مولانا الحاج قاری رضاء المصطفیٰ زادشرفہ کا کہ ان کے پیہم اصرار اور تعاون نے مجھے مجبور کردیا کہ میں یہ سعادت وفضیلت حاصل کروں۔ جزَاہُ اللّٰہُ تعالٰی خَیرَ الجزَا فِی الدُّنیَا وَالآخِرَۃِ

ترتیب کے لحاظ سے اگرچہ بیسواں حصہ آخری حصہ ہے جو مسائل میراث میں ہے، لیکن تالیف کے اعتبار سے انیسواں حصہ آخری ہے جو سب سے آخر میں اس ناچیز نے مرتب کیا ہے۔ یہ حصہ مسائل وصیت میں ہے، اس میں **450** مسائل بیان کیئے گئے ہیں۔ وصیت کے مسائل بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں، شریعت مطہرہ نے وصیت کو بڑی اہمیت دی ہے اور بعض مقامات پر اسے ضروری اور واجب قرار دیا۔

وصیت کی اہمیت وافادیت :

شریعت میں اس کی اہمیت یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کو جو وصیت کر کے وفات کر گیا متقی، شہید اور عامل بالسنۃ فرمایا اور اسکی مغفرت کی بشارت دی۔[1] (مشکوٰۃ) اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''تیرا اپنے ورثا کو غنی چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ تو انہیں محتاج چھوڑے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔''[2] اس سے معلوم ہوا کہ اپنے مفلس و نادار غیر وارث کے لیے وصیت کرنی چاہیئے تا کہ انہیں بھی مال کا ایک حصہ مل جائے اور ان کی غربت و ناداری اور افلاس دور ہو اور وہ ایک باعزت زندگی گزار سکیں اور خود وصیت کرنے والوں کو تقویٰ و شہادت اور مغفرت کا مقام مل جائے، ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑی نعمت اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کی مغفرت ہو جائے، اور شہادت کا درجہ مل جائے اور یہ بات بھی اس کے لیے کس درجہ عزت، اجر اور نیک نامی کی ہے کہ اس کے غیر وارث اَعِزَّہ غیروں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر ذلیل ورسوا نہ ہوں اور معاشرہ میں آبرومندانہ زندگی بسر کریں۔

وصیت کی افادیت

(۱) یہ ہے کہ متوفی کے ایسے اعزہ جو وارثوں میں شامل نہیں ہیں مگر نادار اور حاجتمند ہیں، ان کو اس کے مال سے نفع پہنچے اور کسبِ معاش کے لئے سہارا مل جائے، جیسے وہ بچہ جس کے باپ کا انتقال اس کے دادا کی حیات میں ہو گیا اور دادا کا انتقال بعد میں ہوا اور دادا نے وارثوں میں بیٹا بھی چھوڑا تو بچہ محروم ہو جائے گا۔ اس کے لیے دادا کو انتقال سے پہلے وصیت کرنا چاہیے۔

(۲) ایسے پڑوسی یا احباب یا دیگر حضرات جو نہ رشتہ دار ہیں اور نہ وارث مگر سخت احتیاج و تنگدستی اور پریشانی میں ہیں ان کو متوفی وصیت کے ذریعے اپنے مال کے ایک حصہ کا مالک بنادے اور اس طرح ان کی مدد ہو جائے۔

(۳) متوفی اگر مدرسہ، مسجد، سرائے، قبرستان یا دیگر امور خیر اپنی موت کے بعد بھی کرنا چاہتا ہے اور وہ رفاہِ عامہ اور خدمتِ خلق کے کام انجام دینا چاہتا ہے تو بذریعہ وصیت اپنے مال کا ایک حصہ ان کی انجام دہی کے لیے مقرر کر دے، لیکن شریعت نے متوفی کو ورثاء کی موجودگی میں اپنے تمام مال کی وصیت کرنے کی اجازت نہیں دی کہ اس سے وارثوں کو ضرر پہنچتا ہے، اور ان کا حق ضائع ہوتا ہے، قرآن پاک میں '' مِنۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍۙ غَیْرَ مُضَآرٍّۚ ''[3] فرما کر یہی ہدایت فرمائی

---

1 ......''سنن ابن ماجة''، کتاب الوصایا، باب الحث علی الوصیة، الحدیث: ۲۷۰۱، ج۳، ص۳۰٤.

2 ......''صحیح البخاری''، کتاب الوصایا، باب ان یترك ورثتهٗ... إلخ، الحدیث ۲۷٤۲، ج۲، ص۲۳۲.

3 ......پ ٤، النساء: ۱۲.

کہ وصیت تو کرو مگر وارثوں کو نقصان پہنچا کر نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: ''جو شخص اپنے وارث کی میراث کاٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اس کی میراث کو کاٹے گا۔''[1] (مشکوٰۃ)

شریعت اسلامیہ نہ یہ اجازت دیتی ہے کہ وارث کو اس کی میراث سے محروم کر دیا جائے، نہ یہ گوارا کرتی ہے کہ اہلِ ثروت اپنے غیر وارث اعزہ کو محتاجی و ناداری کی حالت میں چھوڑ کر وفات پائیں، بلکہ ایسے محتاج غیر وارث اعزہ کے لیے وصیت کے ذریعے اپنے مال کا ایک حصہ ان کو پہنچا دیں۔ مسلمان اگر شریعتِ مطہرہ کے احکام کے مطابق وصیت کے طریقے کو اپنائیں تو اس سے عظیم فائدے اور فیوض و برکات حاصل ہوں، اور دشمنانِ اسلام نے بیٹے کی موجودگی میں یتیم پوتے کے محروم الارث ہونے پر شریعت اسلامیہ کے خلاف جو طوفان بدتمیزی اُٹھایا اور آج بھی اُٹھایا جاتا ہے وہ نہ اٹھا سکتے، اگر چہ اس کا مدلل و معقول جواب بار ہا دیا جا چکا ہے، لیکن مخالفینِ اسلام، اسلام دشمنی میں شر پھیلانے سے نہیں تھکتے، ان کا مقصد حق و صداقت کو سمجھنا نہیں بلکہ اسلام کو بدنام کرنا ہے، اگر مسلمان بذریعہ وصیت یتیم اور محروم الارث پوتے کو اپنی حیثیت کی مناسبت سے مال کا ایک حصہ دیا کرتے تو معترضین اسلام کو یہ ایک عملی جواب بھی ہوتا، وہ عند اللہ ماجور بھی ہوتے اور ایک بہتر معاشرہ بھی وجود میں آتا۔

وصیت کا طریقہ

مغربی اقوام میں بھی رائج ہے، اگر چہ وہ اسلامی اصولوں کے مطابق نہیں، اُن کی اپنی خواہشات کے مطابق ہے اسی لیے اس کا نام بھی **Will** جس کے معنی ہیں ''خواہش'' عام طور سے وہاں لوگ مرنے سے، بہت پہلے **Will** لکھ چھوڑتے ہیں لیکن اس ول **Will** اور وصیت میں زبردست فرق ہے، وصیت اسلامی احکام کے مطابق ہوتی ہے اور وِل **Will** اپنی خواہشات نفس کے مطابق، ول لکھنے والا قطعاً یہ نہیں سوچتا کہ وہ جو کچھ لکھ رہا ہے وہ اخلاقی اقدار کے مطابق ہے یا نہیں، اس سے معاشرہ میں فلاح و بہبود آئے گی یا تباہی و بربادی، اس کا واحد مقصد یہ ہوتا ہے کہ میرا مال میرے مرنے کے بعد بھی صرف میری خواہش کے مطابق خرچ کیا جائے اس میں وہ اچھے بُرے، جائز و ناجائز اور حرام و حلال میں کوئی فرق نہیں کرتا، جب کہ اسلام نے وصیت کرنے والے کو کچھ ہدایات دی ہیں اور وصیت کا مقصد معاشرہ کی فلاح اور اعمالِ خیر کا اجراء مقرر کیا ہے۔ اسی لیے اس نے معصیت کے کاموں کے لیے اور معاشرے کو بگاڑنے والی چیزوں کے لیے وصیت کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ناانصافی ہوگی اگر میں الحاج مولانا قاضی عبدالرحیم،[2] مفتی آستانہ رضویہ رضا نگر محلہ سوداگران بریلی کا شکریہ نہ ادا

---

[1] ......''سنن ابن ماجه''، كتاب الوصايا، باب الحيف في الوصية، الحديث: ٢٧٠٣، ج٣، ص٣٠٤.

[2] ......قاضی عبدالرحیم صدیقی موضع جگجوا تحصیل ڈومریا گنج پرگنہ رسول پور ضلع بستی کے ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں اپنے آبائی وطن میں پیدا ہوئے، مڈل پاس کرنے کے بعد عربی کی ابتدائی تعلیم دار العلوم فضل رحمانیہ پچپھڑوا بازار ضلع دیوریا میں =

کروں، عزیز موصوف نے اپنا بیش قیمت وقت خالصتاً لوجہ اللہ تعالیٰ اس کتاب پر نظرِ ثانی کرنے کے لئے دیا، ان کے اس تعاون سے میں اس قابل ہوسکا کہ اس میں مندرجہ مسائل کے لیے کتب فقہ کے حوالوں میں اضافہ کروں جس نے کتاب کے اعتبار واستناد میں اضافہ کیا ہے۔ موصوف ایک صاحبِ نظر اور ذہین عالم ہیں، فقہ میں بصیرت رکھتے ہیں، آپ کے پاس اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قلمی حاشیہ جدالممتار ہے، جو ردالمحتار پر تحریر فرمایا گیا ہے، اس کے حوالے بھی اس کتاب میں ملیں گے، اللہ تعالیٰ موصوف کے علم، عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے اور ان سے اپنے دین کی خدمت لے۔ آمین۔ اسی کے ساتھ عزیز گرامی قدر مولوی عطاء المصطفیٰ زادعلمہ مدرس دارالعلوم امجدیہ کراچی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کا اصل سے مقابلہ کرنے میں مدد دی، جس سے نقل میں جو اغلاط تھے وہ صحیح ہوگئے۔ موصوف ایک باشرع، صالح، سعادت مند اور باادب عالمِ دین ہیں۔ حضرت صدرالشریعہ صاحبِ بہارشریعت کے پوتے ہیں اور خدمتِ دین کرنے کا بااخلاص جذبہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل صالح میں ترقی عطا فرمائے اور ان کی عمر میں برکت دے آمین۔

آخر میں اللہ جل وعلا تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے اس عاجز وحقیر بندے کی اس خدمت کو قبولیت عطا فرمائے اور میرے لئے اسے ذخیرۂ آخرت بنائے اور دین کی خدمت کرنے کی مزید توفیق واہلیت عطا فرمائے۔ آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ ونور عرشہٖ سیدنا ومولانا محمد وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین.

الفقیر الی اللّٰہ الصمد

ظہیر احمد زیدی غفرلہ ولوالدیہ

جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

مطابق ۵ جنوری ۱۹۸۶ء

☆☆☆☆☆

═ مولانا رضاء المصطفیٰ پسر حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی علیہ الرحمۃ سے حاصل کی۔ آخر میں ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۰ء تک مدرسہ اسلامیہ عربیہ محلّہ اندرکوٹ میرٹھ میں عالم شہیر امام النحو حضرت مولانا سید غلام جیلانی سہسوانی ثم میرٹھی کی خدمت میں حاضر ہوکر علوم عربیہ کی تکمیل اور ۱۹۶۱ء سے مرکزی دارالافتاء محلّہ سوداگران بریلی میں زیرِ تربیت ونگرانی حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضاخاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ افتاء نویسی کی خدمت ۱۹۶۹ء تک انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد آج تک اکتیس۳۱ سال ہوئے جارہے ہیں آپ اسی مرکزی دارالافتاء سے افتاء نویسی کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اکتیس سال میں آپ نے ہر قسم کے فتوے تحریر کئے ہیں۔ ہندوستان کے مفتیان کرام میں فی الوقت آپ غالباً سب سے کہنہ مشق اور صاحبِ تحریر مفتی ہیں۔

وصیت کا بیان

وصیت کرنا قرآن مجید اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے۔ رب تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴾ (1)

(جز ۴، سورۃ النساء، رکوع ۲)

ترجمہ اس کا یہ ہے "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے پھر اگر صرف لڑکیاں ہوں اگرچہ دو سے اوپر، تو ان کو ترکہ کی دو تہائی اور اگر ایک لڑکی ہو تو اُس کے لئے آدھا، اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا حصہ اگر میت کے اولاد ہو، پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی حصہ، پھر اگر اس کے کئی بہن بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ، بعد اس وصیّت کے جو کر گیا اور بعد دَین کے، تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم کیا جانو کہ ان میں کون تمہارے زیادہ کام آئے گا، یہ حصہ باندھا ہوا ہے اللہ کی طرف سے بیشک اللہ علم والا حکمت والا ہے۔"

قرآن مجید کے چوتھے پارے میں سورہ نساء کے اس دوسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے وصیّت کا ذکر چار مرتبہ فرمایا جس میں تقسیم وراثت کو ادائیگی وصیّت اور ادائیگی قرض کے بعد رکھا اسی رکوع کی آخری آیات سے کچھ پہلے فرمایا:

﴿ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴾ (2)

"میت کی وصیّت اور دَین نکال کر جس میں اس نے نقصان نہ پہنچایا ہو، یہ اللہ کا ارشاد ہے اور اللہ علم والا حلم والا ہے۔"

اور فرماتا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُم مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ ۚ ﴾ (3) (سورۂ مائدہ، پ ۷)

---

1 ……پ ۴، النساء: ۱۱.

2 ……پ ۴، النساء: ۱۲.

3 ……پ ۷، المائدہ: ۱۰۶

''یعنی اے ایمان والو! تمہاری آپس کی گواہی، جب تم میں کسی کو موت آئے وصیّت کرتے وقت، تم میں کے دومعتبر شخص ہیں یا غیروں میں کے دو جب تم ملک میں سفر کو جاؤ پھر تمہیں موت کا حادثہ پہنچے۔''

احادیثِ وصیت

حدیث ۱: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس وصیّت کے قابل کوئی شے ہو اور وہ بلا تاخیر اس میں اپنی وصیت تحریر نہ کردے۔ [1] (مشکوٰۃ، باب الوصایا، ص ۲۶۵)

حدیث ۲: صحیح بخاری و صحیح مسلم سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، وہ فرماتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے سال اس قدر بیمار ہوا کہ موت کے قریب ہوگیا تو میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیادت فرمانے کے لئے تشریف لائے میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرے پاس کثیر مال ہے اور میری بیٹی کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں (اصحاب فرائض میں سے) تو کیا میں اپنے کل مال کی وصیّت کردوں، آپ نے جواب ارشاد فرمایا: ''نہیں''، میں نے عرض کیا: تو کیا دوثلث کی وصیّت کردوں، آپ نے فرمایا: ''نہیں''، میں نے عرض کیا: تو کیا آدھے مال کی، آپ نے فرمایا: ''نہیں''، میں نے عرض کیا کہ کیا تہائی مال کی وصیّت کردوں، آپ نے فرمایا: ''تہائی مال'' اور تہائی مال بہت ہے۔ تیرا اپنے ورثاء کو غنی چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ تو انہیں محتاج چھوڑے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں اور بلاشبہ تو اللہ کی راہ میں اللہ کی رضاجوئی کے لئے کچھ خرچ نہیں کرے گا مگر یہ کہ تجھے اس کا اجر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ لقمہ جو تو اپنی بیوی کے منہ میں اٹھا کر رکھے۔ [2] (متفق علیہ، مشکوٰۃ، باب الوصایا، ص ۲۶۵)

حدیث ۳: امام ترمذی نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری بیماری میں عیادت کے لئے تشریف لائے آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے وصیّت کردی؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: کتنے مال کی وصیّت کی؟ میں نے عرض کیا: راہ خدا میں اپنے کل مال کی، آپ نے فرمایا: اپنی اولاد کے لئے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا: وہ لوگ اغنیا یعنی صاحب مال ہیں، آپ نے فرمایا: دسویں حصہ کی وصیّت کرو۔ تو میں برابر کم کرتا رہا یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: ثلث مال کی وصیّت کرو اور ثلث مال بہت ہے۔ [3] (مشکوٰۃ، ص ۲۶۵)

---

1 ...... "صحيح البخاري"، كتاب الوصايا، باب الوصايا... إلخ، الحديث: ٢٧٣٨، ج٢، ص ٢٣٠.

2 ...... "مشكاة المصابيح"، كتاب الفرائض والوصايا، باب الوصايا، الحديث: ٣٠٧١، ج١، ص ٥٦٦.

3 ...... "جامع الترمذي"، كتاب الجنائز، باب ماجاء في الوصية بالثلث... إلخ، الحديث: ٩٧٧، ج٢، ص ٢٩٢.

حدیث۴: ابوداود اور ابن ماجہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے سنا کہ بے شک اللہ تعالٰی نے ہر حق والے کو اس کا حق عطا فرمادیا پس وارث کے لئے کوئی وصیّت نہیں۔[1] (مشکوٰۃ، ص۲۶۵) ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں کہ ''بچہ عورت کا ہے اور زانی کے لئے سنگساری، اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔''[2] دارقطنی کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا: ''وارث کے لئے کوئی وصیّت نہیں مگر یہ کہ ورثہ چاہیں۔''[3] (مشکوٰۃ، ص۲۶۵)

حدیث۵: امام ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ اور امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مرد وعورت اللہ جل جلالہ کی اطاعت وفرمانبرداری ساٹھ سال (لمبے زمانہ) تک کرتے رہیں پھر ان کا وقت موت قریب آجائے اور وصیّت میں ضرر پہنچائیں تو ان کے لئے دوزخ کی آگ واجب ہوتی ہے، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آیت تلاوت فرمائی۔

﴿مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصَىٰ بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍ غَيۡرَ مُضَآرّٖ﴾ اللہ تعالٰی کے کلام ﴿وَذَٰلِكَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡعَظِيمُ﴾ تک۔[4] (مشکوٰۃ، ص۲۶۵)

حدیث۶: ابن ماجہ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کی موت وصیّت پر ہو (جو وصیت کرنے کے بعد انتقال کرے) وہ عظیم سنت پر مرا اور اس کی موت تقویٰ اور شہادت پر ہوئی اور اس حالت میں مرا کہ اس کی مغفرت ہوگئی۔[5] (مشکوٰۃ، باب الوصایا، ص۲۶۶)

حدیث۷: ابوداود حضرت عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے باپ شعیب سے اور شعیب اپنے باپ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت بیان کرتے ہیں کہ عاص بن وائل نے وصیّت کی کہ اس کی جانب سے سَو غلام آزاد کیے جائیں تو اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کیے پھر اس کے بیٹے عمرو نے چاہا کہ اس کی جانب سے بقایا پچاس غلام آزاد کردے پس اس نے (اپنے بھائی یا ساتھیوں یا اپنے دل میں) کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دریافت کرلوں پس وہ آئے نبی

---

1 ...... "سنن ابن ماجة"، كتاب الوصايا، باب لا وصية لوارث، الحديث: ٢٧١٣، ج٣، ص٣١٠.

2 ...... "جامع الترمذي"، كتاب الوصايا، باب ما جاء لا وصية لوارث، الحديث: ٢١٢٧، ج٤، ص٤٢.

3 ...... "سنن الدار قطني"، كتاب الفرائض... إلخ، الحديث: ٤١٠٤، ج٤، ص١١٢.

4 ...... "جامع الترمذي"، كتاب الوصايا، باب ما جاء في الضرار في الوصية، الحديث: ٢١٢٤، ج٤، ص٤١.

5 ...... "سنن ابن ماجة"، كتاب الوصايا، باب الحث على الوصية، الحديث: ٢٧٠١، ج٣، ص٣٠٤.

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اور عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرے باپ نے وصیّت کی تھی کہ اس کی جانب سے سو غلام آزاد کئے جائیں اور یہ کہ ہشام نے اس کی جانب سے پچاس غلام آزاد کردیئے ہیں اور اس پر پچاس باقی رہ گئے ہیں تو کیا میں اس کی طرف سے (اپنے باپ کی طرف سے) یہ پچاس آزاد کردوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا پھر تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا صدقہ کرتے یا حج ادا کرتے تو اس کو یہ پہنچتا۔[1] (مشکوٰۃ ص ۲۶۶)

حدیث ۸: ابن ماجہ و بیہقی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: ''جو شخص اپنے وارث کی میراث کاٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اس کی میراث کو کاٹ دے گا۔''[2] (مشکوٰۃ ص ۲۶۶)

مسائل فقہیّہ

وصیّت کرنا جائز ہے قرآن کریم سے، حدیث شریف سے اور اجماع امت سے اس کی مشروعیت ثابت ہے۔ حدیث شریف میں وصیت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔[3] (جوہرہ نیرہ ج ۲، وبدائع ج ۷، ص ۳۳۰) شریعت میں ایصاء یعنی وصیّت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بطور احسان کسی کو اپنے مرنے کے بعد اپنے مال یا منفعت کا مالک بنانا[4] (تبیین از عالمگیری ج ۶، ص ۹۰) وصیّت کا رکن یہ ہے کہ یوں کہے ''میں نے فلاں کے لئے اتنے مال کی وصیّت کی یا فلاں کی طرف میں نے یہ وصیّت کی۔[5] (محیط السرخسی از عالمگیری ج ۶، ص ۹۰) وصیّت میں چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ① موصی یعنی وصیّت کرنے والا ② موصیٰ لہ یعنی جس کے لئے وصیّت کی جائے ③ موصیٰ بہ یعنی جس چیز کی وصیّت کی جائے ④ وصی یعنی جس کو وصیّت کی جائے۔[6]

(کفایہ، عنایہ و عالمگیری، کفایہ از عالمگیری ج ۶، ص ۹۰ مطبوعہ کوئٹہ پاکستان، مصری چھاپہ)

مسئلہ ۱: وصیّت کرنا مستحب ہے جب کہ اس پر حقوق اللہ کی ادائیگی باقی نہ ہو، اگر اس پر حقوق اللہ کی ادائیگی باقی ہے جیسے اس پر کچھ نمازوں کا ادا کرنا باقی ہے یا اس پر حج فرض تھا ادا نہ کیا یا روزہ رکھنا تھا نہ رکھا تو ایسی صورت میں ان کے لئے وصیّت کرنا واجب ہے۔[7] (تبیین از عالمگیری ج ۶، ص ۹۰ و قدوری، درمختار، ردالمحتار)

---

1 ......"سنن أبي داود"، كتاب الوصايا، باب ما جاء في وصية الحربي... إلخ، الحديث: ۲۸۸۳، ج ۳، ص ۱۶۳.

2 ......"سنن ابن ماجة"، كتاب الوصايا، باب الحيف في الوصية، الحديث: ۲۷۰۳، ج ۳، ص ۳۰۴.

3 ......"بدائع الصنائع"، كتاب الوصايا، ج ٦، ص ٤٢٢.

4 ......"الفتاوى الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الاول في تفسيرها... إلخ، ج ٦، ص ٩٠.

5 ......المرجع السابق. 6 ......المرجع السابق. 7 ......المرجع السابق.

مسئلہ۲: وصیّت چار قسم کی ہے۔ ① واجب جیسے زکوٰۃ کی وصیّت اور کفارات واجبہ کی وصیّت اور صدقہ، صیام وصلوٰۃ کی وصیّت ② مباح، جیسے وصیّت اغنیا کے لئے[1] ③ وصیّت مکروہ، جیسے اہل فسق ومعصیت کے لئے وصیّت جب یہ گمان غالب ہو کہ وہ مال وصیّت گناہ میں صرف کرے گا۔ (درمختار وردالمحتار ج۵،ص۴۵۳) ④ اس کے علاوہ کے لئے وصیّت مستحب ہے۔[2]

مسئلہ۳: وصیّت کا رکن ایجاب وقبول ہے، ایجاب وصی کی طرف سے اور قبول موصیٰ لہ کی طرف سے، امام اعظم اور صاحبین کے نزدیک۔[3] (بدائع ج۷،ص۳۳۱)

مسئلہ۴: موصیٰ لہ صراحۃً یا دلالۃً موصی کی وصیّت کو قبول کرلے، صراحۃً یہ ہے کہ صاف الفاظ میں کہہ دے کہ میں نے قبول کیا اور دلالۃً یہ ہے کہ مثلاً موصیٰ لہ وصیّت کو منظور یا نامنظور کرنے سے قبل انتقال کرجائے تو اس کی موت اس کی قبولیت سمجھی جائے گی اور وہ چیز اس کے ورثاء کو وراثت میں دیدی جائے گی۔[4] (الوجیز لکردری از عالمگیری ج۶،ص۹۰)

مسئلہ۵: وصیّت قبول کرنے کا اعتبار موصی کی موت کے بعد ہے اگر موصیٰ لہ نے موصی کی زندگی ہی میں اسے قبول کیا یا رد کیا تو یہ باطل ہے، موصیٰ لہ کو اختیار رہے گا کہ وہ موصی کے انتقال کے بعد وصیّت کو قبول کرے۔[5] (سراجیہ از عالمگیری ج۶،ص۹۰)

مسئلہ۶: وصیّت کو قبول کرنا کبھی عملاً بھی ہوتا ہے جیسے وصی کا وصیّت کو نافذ کرنا یا موصی کے ورثاء کے لئے کوئی چیز خریدنا یا موصی کے قرضوں کو ادا کرنا وغیرہ۔[6] (محیط السرخسی از عالمگیری ج۶،ص۹۰)

مسئلہ۷: وصیّت کی شرط یہ ہے کہ موصی مالک بنانے کا اہل ہو اور موصیٰ لہ مالک بننے کا اہل ہو اور موصیٰ بہ موصی کی موت کے بعد قابل تملیک مال یا منفعت ہو۔[7] (کفایہ، عالمگیری ج۶،ص۹۰، بدائع ج۷،ص۳۳۲، ردالمحتار ج۵،ص۴۵۴)

مسئلہ۸: ایصاء کا حکم یہ ہے کہ مال وصیّت[8] موصیٰ لہ کی ملکیت میں اسی طرح داخل ہوجاتا ہے جیسے ہبہ کیا ہوا مال۔[9] (کفایہ از عالمگیری ج۶،ص۹۰، درمختار وبدائع ج۷،ص۳۳۳)

---

❶......یعنی مالداروں کے لیے۔

❷......"الدرالمختار" و"ردالمحتار"، کتاب الوصایا، ج۱۰، ص۳۵٤.

❸......"بدائع الصنائع"، کتاب الوصایا، ج٦ ص٤٢٥.

❹......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب الاول فی تفسیرها... إلخ، ج٦، ص٩٠.

❺......المرجع السابق. ❻......المرجع السابق. ❼......المرجع السابق.

❽......یعنی جس مال کے متعلق وصیت کی گئی ہے۔

❾......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب الاول فی تفسیرها... إلخ، ج٦، ص٩٠.

مسئلہ ۹: مستحب یہ ہے کہ انسان اپنے تہائی مال سے کم میں وصیّت کرے خواہ ورثاء مالدار ہوں یا فقراء۔[1] (ہدایہ و عالمگیری ج ۶، ص ۹۰، قدوری، جوہرہ نیرہ)

مسئلہ ۱۰: جس کے پاس مال تھوڑا ہو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ وصیّت نہ کرے جب کہ اس کے وارث موجود ہوں اور جس شخص کے پاس کثیر مال ہو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ اپنے ثلث مال[2] سے زیادہ کی وصیّت نہ کرے۔[3] (ردالمحتار ج ۵، بدائع ج ۷، خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج ۶، ص ۹۰)

مسئلہ ۱۱: موصیٰ لہ[4] وصیّت قبول کرتے ہی موصیٰ بہ کا مالک بن جاتا ہے خواہ اس نے موصیٰ بہ کو قبضہ میں لیا ہو یا نہ لیا ہو اور اگر موصیٰ لہ نے وصیّت کو قبول نہ کیا رد کر دیا تو وصیّت باطل ہو جائے گی۔[5] (کافی از عالمگیری ج ۶، ص ۹۰)

مسئلہ ۱۲: وصیّت ثلث مال سے زیادہ کی جائز نہیں مگر یہ کہ وارث اگر بالغ ہیں اور نابالغ یا مجنون نہیں، اور وہ موصی[6] کی موت کے بعد ثلث مال سے زائد کی وصیّت جائز کر دیں تو صحیح ہے۔ موصی کی زندگی میں اگر وارثوں نے اجازت دی تو اس کا اعتبار نہیں۔ موصی کی موت کے بعد اجازت معتبر ہے۔[7] (عالمگیری ج ۶، ص ۹۰ و ہدایہ)

مسئلہ ۱۳: وارثوں کی اجازت کے بغیر اجنبی شخص کے لئے تہائی مال میں وصیّت صحیح ہے۔[8] (تبیین از عالمگیری ج ۶، ص ۹۰)

مسئلہ ۱۴: موصی نے اگر اپنے کل مال کی وصیّت کر دی اور اس کا کوئی وارث نہیں ہے تو وصیّت نافذ ہو جائے گی بیت المال سے اجازت لینے کی حاجت نہیں۔[9] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج ۶، ص ۹۰)

مسئلہ ۱۵: احناف کے نزدیک وارث کے لئے وصیّت جائز نہیں مگر اس صورت میں جائز ہے کہ وارث اس کی اجازت

---

1 ...... "الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الوصایا، الباب الاول فی تفسیرھا...إلخ، ج ۶، ص ۹۰.

2 ...... یعنی تہائی مال۔

3 ...... "الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الوصایا، الباب الاول فی تفسیرھا...إلخ، ج ۶، ص ۹۰.

4 ...... جس کے لئے وصیت کی گئی۔

5 ...... "الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الوصایا، الباب الاول فی تفسیرھا...إلخ، ج ۶، ص ۹۰.

6 ...... وصیت کرنے والا۔

7 ...... "الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الوصایا، الباب الاول فی تفسیرھا...إلخ، ج ۶، ص ۹۰.

8 ...... المرجع السابق.

9 ...... المرجع السابق.

دیدیں اور اگر کسی نے وارث اور اجنبی دونوں کے لئے وصیّت کی تو اجنبی کے حق میں صحیح ہے اور وارث کے حق میں ورثہ کی اجازت پر موقوف رہے گی اگر انھوں نے جائز کردی تو جائز ہے اور اجازت نہیں دی تو باطل، اور یہ اجازت موصی کی حیات میں معتبر نہیں یہاں تک کہ اگر وارثوں نے موصی کی حیات میں اجازت دی تھی پھر بھی انھیں موصی کی موت کے بعد رجوع کرلینے کا حق ہے۔[1] (فتاویٰ قاضی خان از عالمگیری ج ۶، ص ۹۰)

مسئلہ ۱۶: وارث اور غیر وارث ہونے کا اعتبار موصی کی موت کے وقت ہے نہ کہ بوقت وصیت یعنی اگر موصیٰ لہ بوقت وصیّت موصی کا وارث تھا اور موصی کی موت کے وقت وارث نہ رہا تو وصیّت صحیح ہوگی اور بوقت وصیّت وارث نہیں تھا پھر بوقت موت وارث ہوگیا تو وصیّت باطل ہوجائے گی۔ مثال کے طور پر اگر موصی نے اپنے بھائی کے لئے وصیّت کی اس حال میں کہ بھائی وارث تھا پھر موت سے پہلے موصی کے لڑکا پیدا ہوگیا تو بھائی کے حق میں وصیت صحیح ہوگئی۔ اور اگر اس نے اپنے بھائی کے لیے اس حال میں وصیت کی کہ موصی کا لڑکا موجود ہے پھر موت سے پہلے اس کے لڑکے کا انتقال ہوگیا تو بھائی کے حق میں وصیّت باطل ہوجائے گی۔[2] (تبیین از عالمگیری ج ۶، ص ۹۱)

مسئلہ ۱۷: وارثوں کی اجازت سے جب وصیّت جائز ہوگئی تو جس کے حق میں وصیّت جائز کی گئی وہ موصیٰ بہ کا مالک ہوجائے گا خواہ اس نے قبضہ نہ لیا ہو وارث کو اب رجوع کرنے کا حق نہیں رہا، وارث کی اجازت صحیح ہونے کے لئے شیوع مانع نہیں (یعنی موصیٰ بہ کا مشترک ہونا)۔[3] (کافی از عالمگیری ج ۶، ص ۹۱)

مسئلہ ۱۸: کسی نے وارث کے لئے وصیّت کی دوسرے وارث نے اس کی اجازت دیدی اگر یہ اجازت دینے والا وارث بالغ مریض ہے تو اگر یہ اپنے مرض سے صحت یاب ہوگیا تو اس کی اجازت صحیح ہوگئی اور اگر اس بیماری میں فوت ہوگیا تو اس کی یہ اجازت بمنزلہ ابتدائے وصیّت کے قرار پائے گی یہاں تک کہ اگر موصیٰ لہ اس متوفّٰی[4] اجازت دینے والے کا وارث ہے تو یہ وصیّت جائز نہ ہوگی مگر یہ کہ متوفّٰی کے دوسرے ورثاء اس کی اجازت دیدیں اور اگر اس صورت میں موصیٰ لہ وارث نہیں بلکہ اجنبی تھا تو یہ وصیّت صحیح ہوگی مگر ثلث مال میں جاری ہوگی۔[5] (محیط از عالمگیری ج ۶، ص ۹۱ مطبوعہ پاکستان)

---

1 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الاول فی تفسيرها...إلخ، ج ٦، ص ٩٠.

2 ......المرجع السابق. 3 ......المرجع السابق، ص ٩١.

4 ......فوت شدہ۔

5 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الاول فی تفسيرها...إلخ، ج ٦، ص ٩١.

مسئلہ ۱۹: جس وصیّت کا جواز ونفاذ[1] ورثہ کی اجازت پر ہے اُن میں اگر بعض ورثہ نے اجازت دے دی اور بعض نے اجازت نہ دی یعنی بعض نے رد کردی تو اجازت دینے والے ورثہ کے حصہ میں نافذ ہوگی اور دوسرے کے حق میں باطل۔[2] (کافی از عالمگیری ج ۶،ص ۹۱)

مسئلہ ۲۰: ہر وہ مقام جہاں ورثہ کی اجازت کی حاجت ہے اس اجازت میں شرط یہ ہے کہ مجیز اہل اجازت سے ہو مثلاً بالغ اور عاقل اور صحیح یعنی غیر مریض ہو۔[3] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج ۶،ص ۹۱)

مسئلہ ۲۱: موصی کی وصیّت اپنے قاتل کے لئے جائز نہیں خواہ موصی کا قتل اس نے عمداً کیا ہو یا خطاءً، خواہ موصی نے اپنے قاتل کے لئے وصیّت زخمی ہونے سے قبل کی ہو یا بعد میں لیکن اگر وارثوں نے اس وصیّت کو جائز کر دیا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے۔[4] (مبسوط از عالمگیری ج ۶،ص ۹۱ وقدوری)

مسئلہ ۲۲: ان صورتوں میں قاتل کے لئے وصیّت جائز ہے جب کہ قاتل نابالغ بچہ یا پاگل ہو اگر چہ ورثہ اس کو جائز نہ کریں یا یہ کہ قاتل کے علاوہ موصی کا کوئی دوسرا وارث نہ ہو یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔[5] (عالمگیری ج ۶ص ۹۱)

مسئلہ ۲۳: کسی عورت نے مرد کو کسی دھار دار لوہے کی چیز سے یا بغیر دھار چیز سے مارا پھر اُسی مرد نے اس قاتلہ کے لئے وصیّت کی پھر اس سے نکاح کر لیا تو اس عورت کو اس مرد کی میراث نہ ملے گی نہ وصیّت، اس کو صرف اس کا مہر مثل ملے گا، مہر مثل مہر معین سے جس قدر زیادہ ہوگا وہ وصیت شمار ہو کر باطل قرار پائے گا۔[6] (عالمگیری ج ۶،ص ۹۱)

مسئلہ ۲۴: عمداً[7] قتل میں معاف کر دینا جائز ہے اور اگر خطاءً قتل ہوا اور معاف کر دیا تو یہ وصیّت شمار ہوگا لہٰذا ثلث مال میں نافذ ہوگا۔[8] (عالمگیری ج ۶،ص ۹۱)

مسئلہ ۲۵: موصی نے کسی شخص کے لئے وصیّت کی پھر موصیٰ لہ کے خلاف دلیل قائم ہوگئی کہ وہ موصی کا قاتل ہے اور

---

1 ...... یعنی جائز ونافذ ہونا۔

2 ...... "الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الوصایا، الباب الاول فی تفسیرھا... إلخ، ج ۶، ص ۹۱.

3 ...... المرجع السابق.

4 ...... المرجع السابق.

5 ...... المرجع السابق.

6 ...... "الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الوصایا، الباب الاول فی تفسیرھا... إلخ، ج ۶، ص ۹۱.

7 ...... ارادۃً، جان بوجھ کر۔

8 ...... "الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الوصایا، الباب الاول فی تفسیرھا... إلخ، ج ۶، ص ۹۱.

بعض ورثاء نے اس کی تصدیق کی اور بعض نے تکذیب، تو موصیٰ لہ مقتول کی دیت ادا کرنے میں تکذیب کرنے والے وارثوں کے بقدر حصہ بری ہوگا اور موصی کی وصیت ان کے حصہ میں بقدر ثلث نافذ ہوگی اور تصدیق کرنے والے ورثہ کو موصیٰ لہ بقدر ان کے حصہ کے دیت ادا کرے گا اور ان کے حصہ میں اُس کے لئے وصیّت باطل ہوگی۔[1] (عالمگیری ج۶ ص۹۱)

مسئلہ ۲۶: وصیّت جائز ہے اپنے وارث کے بیٹے کے لئے اور جائز ہے وصیّت قاتل کے باپ دادا کے لئے اور قاتل کے بیٹے پوتے کے لئے۔[2] (فتاویٰ قاضی خان از عالمگیری ج۶ ص۹۱)

مسئلہ ۲۷: اگر یہ وصیّت کی کہ فلاں کے گھوڑے پر ہر ماہ دس روپے خرچ کئے جائیں تو وصیّت صاحب فرس (یعنی گھوڑے کے مالک) کے لئے ہے لہٰذا اگر مالک نے گھوڑا بیچ دیا تو وصیّت باطل ہوجائے گی۔[3] (ظہیریہ از عالمگیری ج۶ ص۹۱)

مسئلہ ۲۸: مسلم کی وصیّت ذمی کے لئے اور ذمی کی وصیّت مسلمان کے لئے جائز ہے۔[4] (کافی از عالمگیری ج۶ ص۹۱)

مسئلہ ۲۹: ذمی کی وصیّت کافر حربی غیر مستامن کے لئے (جو دارالاسلام میں امان لئے نہ ہو) صحیح نہیں۔[5] (بدائع از عالمگیری ج۶ ص۹۱)

مسئلہ ۳۰: کافر حربی دارالحرب میں ہے اور مسلمان دارالاسلام میں ہے اس مسلمان نے اس کافر حربی کے لئے وصیّت کی تو یہ وصیّت جائز نہیں اگرچہ ورثہ اس کی اجازت دیں اور اگر حربی موصیٰ لہ دارالاسلام میں امان لے کر داخل ہوا اور اپنی وصیّت حاصل کرنے کا قصد وارادہ کیا تو اسے مال وصیّت سے کچھ لینے کا اختیار نہیں خواہ ورثاء اس کی اجازت دیں اور اگر موصی بھی دارالحرب میں ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔[6] (محیط از عالمگیری ج۶ ص۹۲)

مسئلہ ۳۱: کافر حربی دارالاسلام میں امان لے کر آیا مسلمان نے اس کے لئے وصیّت کی تو یہ وصیّت ثُلث مال میں جائز ہوگی خواہ ورثاء اس کی اجازت دیں یا نہ دیں لیکن ثُلث مال سے زائد میں ورثہ کی اجازت کی ضرورت ہے، کافر حربی مستامن کے لئے یہی حکم ہبہ کرنے اور صدقہ نافلہ دینے کا ہے۔[7] (تاتارخانیہ از عالمگیری ج۶ ص۹۲)

مسئلہ ۳۲: مسلمان کی وصیّت مرتد کے لئے جائز نہیں۔[8] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج۶ ص۹۲)

---

1 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الاول فی تفسيرها... إلخ، ج٦، ص٩١.

2 ...... المرجع السابق. 3 ...... المرجع السابق. 4 ...... المرجع السابق.

5 ...... المرجع السابق. 6 ...... المرجع السابق، ص٩٢.

7 ...... المرجع السابق. 8 ...... المرجع السابق.

مسئلہ ۳۳: کسی شخص نے وصیّت کی لیکن اس پر اتنا قرض ہے کہ اس کے پورے مال کو محیط ہے[1] تو یہ وصیّت جائز نہیں مگر یہ کہ قرض خواہ اپنا قرض معاف کر دیں۔[2] (ہدایہ از عالمگیری ج ۶ ص ۹۲)

مسئلہ ۳۴: وصیّت کرنا اس کا صحیح ہے جو اپنا مال بطور احسان و حسن سلوک کسی کو دے سکتا ہو لہذا پاگل، دیوانے اور مکاتب و ماذون کا وصیّت کرنا صحیح نہیں اور یونہی اگر مجنون نے وصیّت کی پھر صحت پا کر مر گیا یہ وصیّت بھی صحیح نہیں کیونکہ بوقت وصیّت وہ اہل نہیں تھا۔[3] (ہدایہ والاختیار شرح المختار از عالمگیری ج ۶ ص ۹۲)

مسئلہ ۳۵: بچہ کی وصیّت خواہ وہ قریب البلوغ ہو جائز نہیں۔[4] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ۶ ص ۹۲)

مسئلہ ۳۶: وصیّت مذاق میں، جبر و اکراہ کی حالت میں اور خطاءً مونھ سے نکل جانے سے صحیح نہیں۔[5] (بدائع از عالمگیری ج ۶ ص ۹۲)

مسئلہ ۳۷: آزاد عاقل خواہ مرد ہو یا عورت اس کی وصیّت جائز ہے اور وہ مسافر جو اپنے مال سے دور ہے اس کی وصیّت جائز ہے۔[6] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ۶ ص ۹۲)

مسئلہ ۳۸: پیٹ کے بچہ کی اور پیٹ کے بچے کے لئے وصیّت جائز ہے بشرطیکہ وہ بچہ وقت وصیّت سے چھ ماہ سے پہلے پہلے پیدا ہو جائے۔[7] (عالمگیری ج ۶ ص ۹۲)

مسئلہ ۳۹: اگر کسی شخص نے یہ وصیّت کی کہ "میری یہ لونڈی فلاں کے لئے ہے مگر اس کے پیٹ کا بچہ نہیں" تو یہ وصیّت اور استثناء دونوں جائز ہیں۔[8] (کافی از عالمگیری ج ۶ ص ۹۲)

مسئلہ ۴۰: موصی نے اپنی بیوی کے پیٹ میں بچہ کے لئے وصیّت کی پھر وہ بچہ موصی کے انتقال اور اسکی وصیّت کے ایک ماہ بعد مرا ہوا پیدا ہوا تو اس کے لئے وصیّت صحیح نہیں اور اگر زندہ پیدا ہوا پھر مر گیا تو وصیّت جائز ہے موصی کے تہائی مال میں نافذ ہوگی اور اس بچہ کے وارثوں میں تقسیم ہوگی، اور اگر موصی کی بیوی کے دو جڑواں بچے ہوئے یعنی ایک ہی حمل میں اور ان میں سے ایک زندہ اور ایک مردہ ہے تو وصیّت زندہ کے حق میں نافذ ہوگی اور اگر دونوں زندہ پیدا ہوئے پھر ایک انتقال کر گیا تو وصیّت ان دونوں کے درمیان نصف نصف نافذ ہوگی اور جس بچہ کا انتقال ہو گیا اس کا حصہ

---

1 ...... یعنی گھیرے ہوئے ہے۔

2 ......"الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب الاول فی تفسیرھا...إلخ، ج۶، ص۹۲.

3 ......المرجع السابق. 4 ......المرجع السابق. 5 ......المرجع السابق.

6 ......المرجع السابق. 7 ......المرجع السابق. 8 ......المرجع السابق.

اس کے وارثوں کی میراث ہوگا۔[1] (عالمگیری ج۶،ص۹۲)

مسئلہ ۴۱: موصی نے یہ وصیّت کی کہ اگر فلاں عورت کے پیٹ میں لڑکی ہے تو اس کے لئے ایک ہزار روپے کی وصیّت ہے اور اگر لڑکا ہے تو اس کے لئے دو ہزار روپے کی وصیّت ہے پھر اس عورت نے چھ ماہ سے ایک یوم قبل لڑکی کو جنم دیا اور اس کے دو دن یا تین دن بعد لڑکا جنا تو دونوں کے لئے وصیّت نافذ ہوگی اور موصی کے تہائی مال سے دی جائے گی۔[2] (عالمگیری ج۶،ص۹۲)

وصیّت سے رجوع کرنے کا بیان

مسئلہ ۱: وصیّت کرنے والے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی وصیّت سے رجوع کرلے، یہ رجوع کبھی صریحاً ہوتا ہے اور کبھی دلالۃً۔ صریحاً کی صورت یہ ہے کہ صاف لفظوں میں کہے کہ میں نے وصیّت سے رجوع کرلیا یا اسی قسم کے اور کوئی صریح لفظ بولے اور دلالۃً رجوع کرنے کی صورت یہ ہے کہ کوئی ایسا عمل کرے جو رجوع کرلینے پر دلالت کرے، اس کے لئے اصل کلی[3] یہ ہے کہ ہر ایسا فعل جسے ملکِ غیر[4] میں عمل میں لانے سے مالک کا حق منقطع[5] ہوجائے، اگر موصی ایسا کام کرے تو یہ اس کا اپنی وصیّت سے رجوع کرنا ہوگا۔ اسی طرح ہر وہ فعل جس سے موصیٰ بہ میں زیادتی اور اضافہ ہوجائے اور اس زیادتی کے بغیر موصیٰ بہ[6] کو موصیٰ لہ[7] کے حوالے نہ کیا جاسکے تو یہ فعل بھی رجوع کرنا ہے، اسی طرح ہر وہ تصرف جو موصیٰ بہ کو موصی کی ملکیت سے خارج کردے یہ بھی رجوع کرنا ہے۔[8] (عالمگیری ج۶،ص۹۲) ان اصولوں سے مندرجہ ذیل مسائل نکلتے ہیں:

مسئلہ ۲: موصی نے کسی کپڑے کی وصیّت کی پھر اس کپڑے کو کاٹا اور سی لیا یا روئی کی وصیّت کی پھر اسے سوت بنالیا یا سوت کی وصیّت کی پھر اسے بُن لیا یا لوہے کی وصیّت کی پھر اُسے برتن بنالیا تو یہ سب صورتیں وصیّت سے رجوع کرلینے کی ہیں۔[9] (عالمگیری ج۶،ص۹۳)

مسئلہ ۳: چاندی کے ٹکڑے کی وصیّت کی پھر اس کی انگوٹھی بنالی یا سونے کے ٹکڑے کی وصیت کی پھر اس کا کوئی زیور

---

1 ......"الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب الاول فی تفسیرھا...إلخ، ج۶، ص۹۲.

2 ......المرجع السابق.

3 ......یعنی قاعدہ کلیہ۔ 4 ......یعنی دوسرے کی ملکیت۔ 5 ......ختم۔

6 ......جس چیز کی وصیت کی گئی۔ 7 ......جس کے لیے وصیت کی گئی۔

8 ......"الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب الاول فی تفسیرھا...إلخ، ج۶، ص۹۲.

9 ......المرجع السابق، ص۹۲،۹۳.

بنالیا یہ رجوع صحیح نہیں ہے۔[1] (محیط از عالمگیری ج ٦، ص ٩٣)

مسئلہ ۴: اگر موصی نے موصٰی بہٖ کو فروخت کر دیا پھر اس کو خرید لیا یا اس نے موصٰی بہٖ کو ہبہ کر دیا پھر اس سے رجوع کر لیا تو وصیّت باطل ہو جائے گی۔[2] (عالمگیری ج ٦، ص ٩٣)

مسئلہ ۵: جس بکری کی وصیّت کر دی تھی اُسے ذبح کر لیا یہ بھی وصیّت سے رجوع کر لینا ہے لیکن جس کپڑے کی وصیّت کی تھی اسے دھویا تو یہ رجوع نہیں۔[3] (عالمگیری ج ٦، ص ٩٣)

مسئلہ ٦: پہلے وصیّت کر دی پھر اس سے منکر ہو گیا تو اس کا یہ انکار اگر موصٰی لہٗ کی عدم موجودگی میں ہو تو یہ رجوع نہیں لیکن اگر موصٰی لہٗ کی موجودگی میں انکار کیا تو یہ وصیّت سے رجوع ہے۔[4] (مبسوط از عالمگیری ج ٦، ص ٩٣)

مسئلہ ٧: موصی نے کہا کہ میں نے فلاں کے لئے جو بھی وصیّت کی وہ حرام ہے یا ربٰو (سود) ہے تو یہ رجوع نہیں لیکن اگر یہ کہا کہ وہ باطل ہے تو یہ رجوع ہے۔[5] (کافی از عالمگیری ج ٦، ص ٩٣)

مسئلہ ٨: لوہے کی وصیّت کی پھر اس کی تلوار یا زرہ[6] بنالی تو یہ رجوع ہے۔[7] (عالمگیری ج ٦، ص ٩٣)

مسئلہ ٩: گیہوں کی وصیّت کی پھر اس کا آٹا پسوا لیا یا آٹے کی وصیّت کی پھر اس کی روٹی پکالی تو یہ وصیّت سے رجوع کر لینا ہے۔[8] (عالمگیری ج ٦، ص ٩٣)

مسئلہ ١٠: گھر کی وصیّت کی پھر اس میں گچ کرایا[9] یا اس کو گرا دیا تو یہ رجوع نہیں اگر اس کی بہت زیادہ لپسائی[10] کرائی تو یہ رجوع ہے۔[11] (قاضی خاں از عالمگیری ج ٦، ص ٩٣)

مسئلہ ١١: زمین کی وصیّت کی پھر اس میں انگور کا باغ لگایا یا دیگر پیڑ لگا دیئے تو یہ رجوع ہے اور اگر زمین کی وصیّت کی پھر اس میں سبزی اگائی تو یہ رجوع نہیں۔[12] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ٦، ص ٩٣)

---

1 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الاول في تفسيرها... إلخ، ج٦، ص٩٣.

2 ...... المرجع السابق. 3 ...... المرجع السابق. 4 ...... المرجع السابق. 5 ...... المرجع السابق.

6 ...... جنگ میں پہنا جانے والا لوہے کا لباس۔

7 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الاول في تفسيرها... إلخ، ج٦، ص٩٣.

8 ...... المرجع السابق.

9 ...... یعنی چونے کا پلستر کرایا۔ 10 ...... گیلی مٹی یا گارے سے دیواروں کو لیپ کر ہموار کرنا، لپائی۔

11 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الاول في تفسيرها... إلخ، ج٦، ص٩٣.

12 ...... المرجع السابق.

مسئلہ ۱۲: انگور کی وصیّت کی پھر وہ منقّی ہوگیا یا چاندی کی وصیّت کی پھر وہ انگوٹھی میں تبدیل ہوگئی یا انڈے کی وصیّت کی پھر اس سے بچہ نکل آیا، گیہوں کی بال کی وصیّت کی پھر وہ گیہوں ہوگیا اگر یہ تبدیلیاں موصی کی موت سے پہلے وقوع میں آئیں تو وصیّت باطل ہوگئی اور اگر موصی کے انتقال کے بعد یہ تبدیلیاں ہوئیں تو وصیّت نافذ ہوگی۔[1] (عالمگیری ج۶ ص۹۴ مطبوعہ پاکستان)

مسئلہ ۱۳: ایک شخص نے دوسرے کے مال میں ایک ہزار روپے کی وصیّت کسی کے لئے کردی یا اُس کے کپڑے کی وصیّت کردی اور اس دوسرے شخص یعنی مالک نے وصیّت کرنے والے کی موت سے پہلے یا موت کے بعد اسے جائز کردیا تو اس مالک کے لئے اس وصیّت سے رجوع کرلینا جائز ہے جب تک موصیٰ لہ کے سپرد نہ کردے لیکن اگر موصیٰ لہ نے قبضہ لے لیا تو وصیّت نافذ ہوجائے گی کیونکہ مالِ غیر کی وصیّت ایسی ہے جیسے مالِ غیر کو ہبہ کرنا لہٰذا بغیر تسلیم اور قبضہ کے صحیح نہیں۔[2] (مبسوط از عالمگیری ج۶ ص۹۴)

وصیّت کے الفاظ کا بیان

''کن الفاظ سے وصیّت ثابت ہوتی ہے اور کن الفاظ سے نہیں نیز کونسی وصیّت جائز ہے اور کونسی نہیں۔''

مسئلہ ۱: کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ تو میرے مرنے کے بعد میرا وکیل ہے تو وہ اس کا وصی ہوگا اور اگر یہ کہا کہ تو میری زندگی میں میرا وصی ہے تو وہ اس کا وکیل ہوگا۔[3] (ظہیریہ از عالمگیری ج۶ ص۹۴)

مسئلہ ۲: اگر کسی نے دوسرے شخص سے کہا کہ تجھے سَو روپے اجرت ملے گی اس شرط پر کہ تو میرا وصی بن جائے، تو یہ شرط باطل ہے سَو روپے اس کے حق میں وصیّت ہیں اور وہ اس کا وصی مانا جائے گا۔[4] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج۶ ص۹۴)

مسئلہ ۳: ایک شخص نے کہا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے فلاں شخص کے لئے ایک ہزار روپے کی وصیّت کردی اور میں نے وصیّت کی کہ میرے مال میں فلاں کے ایک ہزار روپے ہیں تو پہلی صورت وصیّت کی ہے اور دوسری صورت اقرار کی ہے۔[5] (عالمگیری ج۶ ص۹۴)

مسئلہ ۴: کسی نے وصیّت میں یہ لفظ کہے کہ میرا تہائی مکان فلاں کے لئے ہے میں اس کی اجازت دیتا ہوں، تو یہ وصیّت ہے اور اگر یہ الفاظ کہے کہ میرے مکان میں فلاں شخص کا چھٹا حصہ ہے تو یہ اقرار ہے۔[6] (عالمگیری ج۶ ص۹۴) اسی

---

1 ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب الاول فی تفسیرها... إلخ، ج۶، ص۹۴.

2 ......المرجع السابق.

3 ......المرجع السابق، الباب الثانی فی بیان الالفاظ التی تکون وصیة... إلخ، ج۶، ص۹۴.

4 ......المرجع السابق، ص۹۴.

5 ......المرجع السابق.

6 ......المرجع السابق.

اصول پر اگر اس نے وصیّت کے موقع پر یوں کہا کہ فلاں کے لئے میرے مال سے ہزار درہم ہیں تو یہ استحساناً وصیت ہے اور اگر یوں کہا کہ فلاں کے میرے مال میں ہزار درہم ہیں تو یہ اقرار ہے۔[1] (عالمگیری ج ٦،ص ٩۴)

مسئلہ۵: اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ میرا یہ مکان (گھر) فلاں کے لئے اور اس وقت وصیّت کا کوئی ذکر نہ تھا نہ یہ کہا کہ میرے مرنے کے بعد، تو یہ ہبہ ہے اگر موہوب لہ نے ہبہ کرنے والے کی زندگی ہی میں قبضہ لے لیا تو صحیح ہو گیا اور اگر قبضہ نہ لیا تھا کہ ہبہ کرنے والے کی موت واقع ہوگئی تو ہبہ باطل ہو گیا۔[2] (عالمگیری ج ٦،ص ٩۴)

مسئلہ٦: وصیّت کرنے والے نے کہا کہ میں نے وصیت کی کہ فلاں شخص کو میرے مرنے کے بعد میرا تہائی مکان ہبہ کر دیا جائے تو یہ وصیت ہے اور اس میں موصی کی زندگی میں قبضہ لینا شرط نہیں ہے۔[3] (عالمگیری ج ٦،ص ٩۴)

مسئلہ۷: مریض نے کسی شخص سے کہا کہ میرے ذمہ کا قرض ادا کر دے تو یہ شخص اس کا وصی بن گیا۔[4] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج ٦،ص ٩۴)

مسئلہ۸: کسی شخص نے حالت مرض یا حالت صحت میں کہا کہ اگر میرا حادثہ ہو جائے تو فلاں کے لئے اتنا ہے تو یہ وصیّت ہے، اور حادثہ کا مطلب موت ہے، اسی طرح اگر اس نے یہ کہا کہ فلاں کے لئے میرے ثلث مال سے ہزار درہم ہیں تو یہ وصیّت شمار ہوگی۔[5] (عالمگیری ج ٦،ص ٩۴)

مسئلہ۹: کسی شخص نے یہ وصیّت کی کہ میرے والد کی وصیّت سے جو تحریر شدہ وصیّت ہے اور میں نے اسے نافذ نہ کیا ہو تو تم اسے نافذ کر دینا یا اس نے بحالت مرض اپنے نفس پر اس کا اقرار کیا (یعنی یہ اقرار کیا کہ میرے والد کی وصیّت کا نفاذ میرے ذمہ باقی ہے) تو وصیّت ہے اگر ورثہ اس کی تصدیق کر دیں اور اگر ورثہ نے اس کی تکذیب کی تو یہ موصی کے ثلث مال میں نافذ ہوگی۔[6] (ظہیریہ از عالمگیری ج ٦،ص ٩۴)

مسئلہ۱۰: مریض نے صرف اتنا کہا کہ میرے مال سے ایک ہزار نکال لو یا یہ کہا ''ایک ہزار درہم نکال لو'' اور اس کے علاوہ کچھ نہ کہا پھر وہ مرگیا تو اگر یہ الفاظ وصیّت میں کہے تو وصیّت صحیح ہوگئی، اتنا مال فقراء پر صرف کیا جائے گا۔ اسی طرح کسی مریض سے کہا گیا کہ کچھ مال کی وصیّت کر دو اس نے کہا ''میرا تہائی مال''، اس سے زیادہ نہ کہا، تو اگر یہ سوال کے فوراً بعد کہا تو اس کا تہائی مال فقراء پر صرف کیا جائے گا۔[7] (عالمگیری ج ٦،ص ٩۵)

---

1 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الثاني في بيان الالفاظ التي تكون وصية...إلخ، ج٦، ص٩٤.

2 ......المرجع السابق. 3 ......المرجع السابق. 4 ......المرجع السابق.

5 ......المرجع السابق. 6 ......المرجع السابق. 7 ......المرجع السابق، ص٩٥.

مسئلہ ۱۱: ایک شخص نے وصیّت کی کہ لوگوں کو ایک ہزار درہم دیئے جائیں تو یہ وصیّت باطل ہے اگر اس نے یہ کہا ایک ہزار درہم صدقہ کردو تو یہ جائز ہے فقراء پر خرچ کیے جائیں۔[1] (عالمگیری ج۶ ص۹۵)

مسئلہ ۱۲: ایک شخص نے یہ کہا کہ اگر میں اپنے اس سفر میں مرجاؤں تو فلاں شخص کے مجھ پر ہزار درہم قرض ہیں تو یہ وصیّت شمار ہوگی اور اس کے تہائی مال میں نافذ ہوگی۔[2] (محیط السرخسی از عالمگیری ج۶ ص۹۵)

مسئلہ ۱۳: کسی شخص نے وصیّت کی کہ میرا جنازہ فلاں بستی یا شہر میں لے جایا جائے اور وہاں دفن کیا جاوے اور وہاں میرے تہائی مال سے ایک رباط (سرائے)[3] تعمیر کیا جائے تو یہ رباط تعمیر کرنے کی وصیّت جائز ہے اور جنازہ وہاں لے جانے کی وصیّت باطل اور اگر وصی بغیر ورثہ کی اجازت ورضامندی کے اُس کا جنازہ وہاں لے گیا تو اس کے اخراجات کا ضامن خود ہوگا۔[4] (عالمگیری ج۶ ص۹۵)

مسئلہ ۱۴: اگر کسی شخص نے اپنی قبر کو پختہ خوبصورت بنانے کی وصیّت کی تو یہ وصیّت باطل ہے۔[5] (عالمگیری ج۶ ص۹۵)

مسئلہ ۱۵: کوئی شخص یہ وصیّت کرے کہ میرے مرنے کے بعد کھانا تیار کیا جائے اور تعزیت کرنے کے لئے آنے والوں کو کھلایا جائے تو یہ وصیّت ثلث مال میں نافذ ہوگی یہ کھانا ان لوگوں کے لئے ہوگا جو میت کے مکان پر طویل قیام رکھتے ہیں یا وہ دور دراز علاقے سے آئے ہوں اور اس میں غریب امیر سب برابر ہیں سب کو یہ کھانا جائز ہے لیکن جو لمبی مسافت طے کرکے نہیں آیا یا اس کا قیام طویل نہیں ہے ان کے لئے یہ کھانا جائز نہیں، اگر وصی نے کھانا زیادہ تیار کرادیا کہ یہ لوگ کھاچکے اور کھانا بہت زیادہ بچ رہا تو وصی اس زیادہ خرچ کا ضامن ہوگا اور کھانا بہت تھوڑا بچا تو وصی ضامن نہ ہوگا۔[6] (عالمگیری ج۶ ص۹۵)

مسئلہ ۱۶: ایک شخص نے وصیّت کی کہ میرے مرنے کے بعد لوگوں کے لئے تین دن کھانا پکوایا جائے تو یہ وصیّت باطل ہے۔[7] (عالمگیری ج۶ ص۹۵، جد الممتار حاشیہ ردالمحتار مخطوطہ)

فائدہ: اہل مصیبت یعنی جس کے گھر میں موت ہوئی ان کو کھانا پکا کردینا اور کھلانا پہلے دن میں جائز ہے کیونکہ وہ

---

1 ......"الفتاوی الهندية"، کتاب الوصايا، الباب الثانی فی بيان الالفاظ التی تکون وصية... إلخ، ج٦، ص٩٥.

2 ......المرجع السابق.

3 ......مسافرخانہ۔

4 ......"الفتاوی الهندية"، کتاب الوصايا، الباب الثانی فی بيان الالفاظ التی تکون وصية... إلخ، ج٦، ص٩٥.

5 ......المرجع السابق. 6 ......المرجع السابق. 7 ......المرجع السابق.

میت کی تجہیز وتکفین میں مشغولیت اور شدتِ غم کی وجہ سے کھانا نہیں پکا سکتے ہیں لیکن موت کے بعد تیسرے دن غیر مستحب مکروہ ہے۔[1] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ٦، ص ٩٥، کشف الغطاء وتاتارخانیہ از فتاویٰ رضویہ) اور اگر تعزیت کے لئے عورتیں جمع ہوں کہ نوحہ کریں تو انہیں کھانا نہ دیا جائے کہ گناہ پر مدد دینا ہے۔[2] (فتاویٰ قاضی خاں)

مسئلہ ١٧: کسی شخص نے یہ وصیّت کی کہ اسے ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم کی قیمت کا کفن دیا جائے تو یہ وصیت نافذ نہ ہوگی اسے اوسط درجہ کا کفن دیا جائے گا جس میں نہ فضول خرچی ہو اور نہ بخل اور نہ تنگی۔ (واقعات الناطفی از عالمگیری ج ٦، ص ٩٥) اسی میں دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے کہ ایسے شخص کو کفن مثل دیا جائے گا اور کفن مثل یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں جمعہ و عیدین اور شادیوں میں شرکت کے لئے جس قسم کا اور جس قیمت کا کپڑا پہنتا تھا اسی قیمت اور اسی قسم کے کپڑے کا کفن اُسے دیا جائے گا۔[3] (تاتارخانیہ از عالمگیری ج ٦، ص ٩٥)

مسئلہ ١٨: عورت نے اپنے شوہر کو وصیّت کی کہ اس کا کفن وہ اس کے مہر میں سے دے جو شوہر پر واجب ہے تو عورت کا اپنے کفن کے بارے میں کچھ کہنا یا منع کرنا باطل ہے۔[4] (محیط السرخسی از عالمگیری ج ٦، ص ٩٥)

مسئلہ ١٩: اپنے گھر میں دفن کرنے کی وصیّت کی تو یہ وصیّت باطل ہے لیکن اگر اس نے یہ وصیّت کی کہ میرا گھر مسلمانوں کے لئے قبرستان بنا دیا جائے تو پھر اس گھر میں اس کا دفن کرنا جائز وصحیح ہے۔[5] (عالمگیری ج ٦، ص ٩٥)

مسئلہ ٢٠: یہ وصیّت کی کہ مجھے اپنے کمرے میں دفن کیا جائے تو یہ وصیّت صحیح نہیں، اسے مقابر مسلمین میں دفن کیا جائے گا۔[6] (الفتاویٰ الخلاصہ از عالمگیری ج ٦، ص ٩٥)

مسئلہ ٢١: یہ وصیّت کی کہ میرے جنازے کی نماز فلاں شخص پڑھائے تو یہ وصیّت باطل ہے۔[7] (العیون والفتاویٰ الخلاصہ از عالمگیری ج ٦، ص ٩٥)

مسئلہ ٢٢: کسی نے وصیّت کی کہ میرا ثلث مال مسلمان میتوں کے کفن یا اُن کی گورکنی میں[8] یا مسلمانوں کو پانی پلانے میں خرچ کیا جائے، تو یہ وصیّت باطل ہے اور اگر وصیّت کی کہ میرا ثلث مال فقرائے مسلمین کے کفن میں خرچ کیا جائے یا ان کی قبریں کھودوانے میں خرچ کیا جائے تو یہ جائز ہے وصیّت صحیح ہے۔[9] (عالمگیری ج ٦، ص ٩٥)

---

1 ...... "الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب الثانی فی بیان الالفاظ التی تکون وصیة... إلخ، ج٦، ص٩٥.

2 ...... "الفتاوی الخانیة"، کتاب الوصایا، ج٢، ص٤٢٢.

3 ...... "الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب الثانی فی بیان الالفاظ التی تکون وصیة... إلخ، ج٦، ص٩٥.

4 ...... المرجع السابق.

5 ...... المرجع السابق.

6 ...... المرجع السابق.

7 ...... المرجع السابق.

8 ...... یعنی قبریں کھودنے میں۔

9 ...... "الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب الثانی فی بیان الالفاظ التی تکون وصیة... إلخ، ج٦، ص٩٥.

مسئلہ ۲۳: موصی نے وصیّت کی کہ میرا گھر قبرستان بنادیا جائے پھر اس کے کسی وارث کا انتقال ہوا تو اس میں اس وارث کو دفن کرنا جائز ہے۔[1] (عالمگیری ج۶،ص۹۵)

مسئلہ ۲۴: کسی شخص نے وصیّت کی کہ میرا گھر لوگوں کو ٹھہرانے کے لئے سرائے بنادیا جائے تو یہ وصیّت صحیح نہیں۔[2] (فتاویٰ الفضلی از عالمگیری ج۶،ص۹۵) بخلاف اس کے کہ اگر یہ وصیّت کی کہ میرا گھر سقایہ[3] بنادیا جائے تو وصیّت صحیح ہے۔[4] (تاتارخانیہ از عالمگیری ج۶،ص۹۵)

مسئلہ ۲۵: مرنے والے نے وصیّت کی کہ میرے مرنے کے بعد مجھے اسی ٹاٹ یا کمبل میں دفن کیا جائے یا میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگادی جائے یا میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دی جائے تو یہ وصیّت خلاف شرع اور باطل ہے۔[5] (عالمگیری ج۶،ص۹۶) اور اسے کفن مثل دیا جائے گا اور اسے عام مسلمانوں کی طرح دفن کیا جائے گا۔

مسئلہ ۲۶: اپنی قبر کو مٹی گارے سے لیپنے کی وصیّت کی یا اپنی قبر پر قبہ[6] تعمیر کرنے کی وصیّت کی تو یہ وصیّت باطل ہے لیکن اگر قبر ایسی جگہ ہے جس کو درندوں اور جانوروں کے خوف سے لیپنے کی ضرورت ہے تو وصیّت نافذ ہوگی۔[7] (عالمگیری ج۶،ص۹۶)

مسئلہ ۲۷: اپنے مرض الموت میں کسی نے اپنی لڑکی کو پچاس روپے دیئے اور کہا کہ اگر میری موت ہوجائے تو میری قبر تعمیر کرانا اور اسی کے قریب رہنا اور اس میں سے تیرے لئے پانچ روپے ہیں باقی روپے سے گیہوں خرید کر کے صدقہ کر دینا تو اس لڑکی کو یہ پانچ روپے لینا جائز نہیں اور اگر قبر کو مضبوطی کے لئے بنانے کی ضرورت ہے نہ کہ زینت و آرائش کے لئے تو بقدر ضرورت اسے تعمیر کرایا جائے گا اور باقی فقراء پر صدقہ کر دیا جائے گا۔[8] (عالمگیری ج۶،ص۹۶)

مسئلہ ۲۸: یہ وصیّت کی کہ میرے مال سے کسی آدمی کو اتنا مال دیا جائے کہ وہ میری قبر پر قرآن پاک کی تلاوت

---

1. ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا،الباب الثانی فی بیان الالفاظ التی تکون وصیة...إلخ،ج۶،ص۹۵.
2. ......المرجع السابق.
3. ......پانی کی سبیل، پانی پلانے کی جگہ۔
4. ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا،الباب الثانی فی بیان الالفاظ التی تکون وصیة...إلخ،ج۶،ص۹۵.
5. ......المرجع السابق،ص۹۵.
6. ......یعنی گنبد۔
7. ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا،الباب الثانی فی بیان الالفاظ التی تکون وصیة...إلخ،ج۶،ص۹۶.
8. ......المرجع السابق.

کرے تو یہ وصیّت باطل ہے۔[1] (عالمگیری ج ٦ ص ٩٦)

مسئلہ ۲۹: کسی نے وصیّت کی کہ اس کی کتابیں دفن کردی جائیں تو ان کتابوں کو دفن کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ ان کتابوں میں ایسی چیزیں ہوں جو کسی کی سمجھ میں نہ آتی ہوں یا ان کتابوں میں ایسا مواد ہو جس سے فساد پیدا ہوتا ہو۔[2] (محیط) فساد معاشرہ کا ہو یا عقیدہ و مذہب کا۔ (عالمگیری ج ٦ ص ٩٦)

مسئلہ ۳۰: بیت المقدس کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیّت کی تو جائز ہے اور یہ مال بیت المقدس کی عمارت اور چراغ بتی وروشنی وغیرہ پر خرچ ہوگا۔ (عالمگیری ج ٦ ص ٩٦) فقہاء نے اس مسئلہ سے وقف مسجد کی آمدنی سے مسجد کے اندر روشنی کرنے کے جواز کا قول کیا ہے۔[3] (عالمگیری ج ٦ ص ٩٦)

مسئلہ ۳۱: موصی نے اپنے مال سے جہاد فی سبیل اللہ کرنے کی وصیّت کی تو وصی کو جہاد کرنے والے شخص کو اس کے کھانے پینے آنے جانے اور مورچہ پر رہنے کا خرچہ موصی کے مال سے دینا ہوگا، لیکن مجاہد کے گھر کا خرچ اس میں نہیں، اگر مجاہد پر خرچ کرنے سے کچھ مال بچ گیا تو وہ موصی کے ورثہ کو واپس کردیا جائے گا اور مناسب یہ ہے کہ موصی کی طرف سے جہاد کے لئے موصی کے گھر سے روانہ ہو جیسے کہ حج کی وصیّت میں موصی کے گھر سے روانہ ہونا ہے۔[4] (عالمگیری ج ٦ ص ٩٦)

مسئلہ ۳۲: مسلمان کی وصیّت عیسائی فقراء کے لئے جائز ہے لیکن ان کے لئے گرجا تعمیر کرنے کی وصیّت جائز نہیں کیوں کہ یہ گناہ ہے اور جو شخص اس گناہ میں اعانت کریگا گناہگار ہوگا۔[5] (عالمگیری ج ٦ ص ٩٦)

مسئلہ ۳۳: یہ وصیّت کی کہ میرا ثلث مال مسجد پر خرچ کیا جائے تو یہ جائز ہے اور یہ مال مسجد کی تعمیر اور اس کے چراغ و بتی وغیرہ پر خرچ ہوگا۔[6] (عالمگیری ج ٦ ص ٩٦)

مسئلہ ۳۴: ایک شخص نے اپنی اس زمین کی وصیّت کی جس میں کھیتی[7] کھڑی ہے لیکن کھیتی کی وصیّت نہیں کی تو یہ جائز ہے اور یہ کھیتی کٹنے کے وقت تک اس میں باقی رہے گی اور اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔[8] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ٦ ص ٩٦)

مسئلہ ۳۵: کسی نے وصیّت کی کہ میرا گھوڑا میری طرف سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے میں استعمال کیا جائے تو یہ وصیّت جائز ہے اور اسے غزوہ میں استعمال کیا جائے گا، استعمال کرنے والا امیر ہو یا غریب اور جب غازی غزوہ سے واپس آئے

---

1 ...... "الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب الثانی فی بیان الالفاظ التی تکون وصیة... إلخ، ج٦، ص٩٦.

2 ...... المرجع السابق. 3 ...... المرجع السابق. 4 ...... المرجع السابق.

5 ...... المرجع السابق. 6 ...... المرجع السابق.

7 ...... یعنی فصل۔

8 ...... "الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب الثانی فی بیان الالفاظ التی تکون وصیة... إلخ، ج٦، ص٩٦.

تو گھوڑا ورثہ کو واپس کردے اور ورثہ اس گھوڑے کو ہمیشہ غزوہ کے لئے دیتے رہیں گے۔[1] (محیط از عالمگیری ج۶ ص۹۶)

مسئلہ ۳۶: اگر کسی نے یہ وصیّت کی کہ میرا گھوڑا اور میرے ہتھیار فی سبیل اللہ ہیں تو اس کا مطلب کسی کو مالک بنادینا ہے لہٰذا کوئی غریب وفقیر آدمی ان کا مالک بنادیا جائے گا۔[2] (عالمگیری ج۶ ص۹۶)

مسئلہ ۳۷: کسی شخص نے یہ وصیّت کی کہ اس کی آراضی[3] مساکین کے لئے قبرستان کردی جائے یا یہ وصیّت کی کہ اسے آنے جانے والوں کے لئے سرائے بنادیا جائے تو یہ وصیّت باطل ہے۔[4] (عالمگیری ج۶ ص۹۷)

مسئلہ ۳۸: مصحف[5] کی وصیّت کی کہ وہ مسجد میں وقف کردیا جائے تو یہ وصیّت جائز ہے۔[6] (عالمگیری ج۶ ص۹۷)

مسئلہ ۳۹: یہ وصیّت کی کہ اس کی زمین مسجد بنادی جائے تو یہ بلا اختلاف جائز ہے۔[7] (عالمگیری ج۶ ص۹۷)

مسئلہ ۴۰: وصیّت کرنے والے نے کہا کہ میرا تہائی مال اللہ تعالٰی کے لئے ہے تو یہ وصیّت جائز ہے اور یہ مال نیکی و بھلائی کے راستے میں خرچ ہوگا اور فقراء پر صرف کیا جائے گا۔[8] (عالمگیری ج۶ ص۹۷)

مسئلہ ۴۱: وصیّت کرنے والے نے کہا میرا تہائی مال فی سبیل اللہ (راہ خدا میں) ہے یہاں فی سبیل اللہ کا مطلب غزوہ ہے۔[9] (عالمگیری ج۶ ص۹۷)

مسئلہ ۴۲: اگر یہ کہا کہ میرا تہائی مال نیک کاموں کے لئے ہے تو اسے تعمیر مسجد اور اسکی چراغ و بتی میں خرچ کرنا جائز ہے لیکن مسجد کی آرائش وزیبائش میں خرچ کرنا جائز نہیں۔[10] (عالمگیری ج۶ ص۹۷)

مسئلہ ۴۳: اگر کسی نے اپنے تہائی مال کی وجوہ خیر میں خرچ کرنے کی وصیّت کی تو اُسے پل بنانے، مسجد بنانے اور طالبانِ علم پر خرچ کیا جائے گا۔[11] (تاتارخانیہ از عالمگیری ج۶ ص۹۷)

مسئلہ ۴۴: کسی نے وصیّت کی کہ میرا تہائی مال گاؤں کے مصالح میں خرچ کیا جائے تو یہ وصیّت باطل ہے۔[12] (عالمگیری ج۶ ص۹۷)

---

[1]...... "الفتاوی الهندية"، کتاب الوصايا، الباب الثانی فی بيان الالفاظ التی تکون وصية... إلخ، ج۶، ص۹۶.

[2]...... المرجع السابق.

[3]...... زمین۔

[4]...... "الفتاوی الهندية"، کتاب الوصايا، الباب الثانی فی بيان الالفاظ التی تکون وصية... إلخ، ج۶، ص۹۷.

[5]...... قرآن شریف۔

[6]...... "الفتاوی الهندية"، کتاب الوصايا، الباب الثانی فی بيان الالفاظ التی تکون وصية... إلخ، ج۶، ص۹۷.

[7]...... المرجع السابق. [8]...... المرجع السابق. [9]...... المرجع السابق.

[10]...... المرجع السابق. [11]...... المرجع السابق. [12]...... المرجع السابق.

ثلث مال کی وصیّت کا بیان

''وصیت ثُلث مال کی یا زیادہ یا کم کی، ورثہ نے اس کی اجازت دی یا نہ دی یا بعض نے اجازت دی، بعض نے نہ دی، بیٹی یا بیٹے کے حصہ کے برابر کی وصیّت وغیرہ۔''

مسئلہ ۱: مرنے والے نے کسی آدمی کے حق میں اپنے چوتھائی مال کی وصیّت کی اور ایک دوسرے آدمی کے حق میں اپنے نصف مال کی، اگر ورثہ نے اس وصیّت کو جائز رکھا تو نصف مال اس کو ملے گا جس کے حق میں نصف مال کی وصیّت ہے اور چوتھائی مال اسے دیا جائے گا جس کے لئے چوتھائی مال کی وصیت کی اور باقی مال وارثوں کے درمیان مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا اور اگر وارثوں نے اس کی وصیّت کو جائز نہ رکھا تو اس صورت میں مرنے والے موصی کی وصیّت اس کے ثلث مال میں صحیح ہوگی اور اس کا ثلث مال سات حصوں میں منقسم [1] ہوکر چار حصے نصف مال کی وصیّت والے کو اور تین حصے چوتھائی مال کی وصیّت والے کو ملیں گے۔[2] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج۶،ص۹۷)

مسئلہ ۲: ایک شخص کے حق میں اپنے ثُلث مال (تہائی مال) کی وصیّت کی اور دوسرے کے حق میں اپنے سدس مال کی (چھٹے حصے کی) تو اس صورت میں اس کے ثلث مال کے تین حصے کئے جائیں گے اس میں سے ۲دو حصے ثلث مال کی وصیّت والے کے لئے اور ایک حصہ اسے جس کے حق میں سدس مال کی وصیّت کی۔[3] (ہدایہ از عالمگیری ج۶،ص۹۷)

مسئلہ ۳: ایک شخص نے وصیّت کی کہ میرا کل مال فلاں شخص کو دیدیا جائے اور ایک دوسرے شخص کے لئے وصیت کی کہ اسے میرے مال کا تہائی حصہ دیا جائے تو اگر اس کے وارث نہیں ہیں یا ہیں مگر انھوں نے اس وصیت کو جائز کردیا تو اس کا مال دونوں (موصیٰ لہما) [4] کے درمیان بطریقِ منازعت تقسیم ہوگا اور اس کی صورت یہ ہے کہ ثلث مال نکال کر بقیہ کل اس کو دیدیا جائے گا جس کے حق میں کل مال کی وصیّت ہے رہا ثلث مال تو وہ دونوں کے مابین نصف نصف تقسیم کردیا جائے گا۔[5] (عالمگیری ج۶،ص۹۸)

مسئلہ ۴: موصی نے ایک شخص کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیّت کی اور دوسرے شخص کے لئے بھی اپنے ثلث مال کی

---

1 ......تقسیم۔

2 ......"الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الوصایا، الباب الثالث فی الوصیۃ بثلث المال...إلخ، ج۶، ص۹۷.

3 ......المرجع السابق، ص۹۸.

4 ......یعنی جن دونوں کے لئے وصیت کی گئی۔

5 ......"الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الوصایا، الباب الثالث فی الوصیۃ بثلث المال...إلخ، ج۶، ص۹۸.

وصیّت کردی اور ورثہ اس کے لئے راضی نہ ہوئے تو اس کا ثلث مال دونوں کے مابین تقسیم ہوگا۔[1] (کافی از عالمگیری ج ۶، ص ۹۸)

مسئلہ ۵: کسی نے وصیّت کی کہ میرے مال کا ایک حصہ یا میرا کچھ مال فلاں شخص کو دیدیا جائے تو اسکی تشریح کا حق موصی کو ہے اگر وہ زندہ ہے اور اسکی موت کے بعد اس کی تشریح کا حق ورثہ کو ہے۔[2] (شرح الطحاوی از عالمگیری ج ۶، ص ۹۸)

مسئلہ ۶: کسی نے اپنے مال کے ایک جزو کی وصیت کی تو ورثہ سے کہا جائے گا کہ تم جتنا چاہو موصیٰ لہٗ کو دیدو۔[3] (عالمگیری ج ۶، ص ۹۸)

مسئلہ ۷: اپنے مال کے ایک حصہ کی وصیّت کی پھر اُس کا انتقال ہوگیا اور اس کا کوئی وارث بھی نہیں ہے تو موصیٰ لہٗ کو نصف ملے گا اور نصف بیت المال[4] میں جمع ہوگا۔[5] (محیط السرخسی از عالمگیری ج ۶، ص ۹۹)

مسئلہ ۸: ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے وارثوں میں ایک ماں اور ایک بیٹا چھوڑا اور یہ وصیت کر گیا کہ فلاں کو میرے مال سے بیٹی کا حصہ ہے (اگر بیٹی ہوتی اور اُسے حصہ ملتا) تو وصیّت جائز ہے اور اس کا مال سترہ حصوں میں منقسم ہو کر موصیٰ لہٗ کو پانچ حصے ملیں گے دوؔ حصے ماں کو اور دس حصے بیٹے کو ملیں گے۔[6] (عالمگیری ج ۶، ص ۹۹)

مسئلہ ۹: اگر میت نے اپنے ورثہ میں ایک بیوی اور ایک بیٹا چھوڑا اور ایک دوسرے بیٹے کے برابر حصہ کی وصیّت کسی کے لئے کی (اگر دوسرا بیٹا ہوتا) اور وارثوں نے اس کی وصیّت کو جائز رکھا تو اس کا ترکہ پندرہ حصوں میں منقسم ہوگا، موصیٰ لہٗ (جس کے حق میں وصیّت کی) کو سات حصے، بیوہ بیوی کو ایک حصہ اور بیٹے کو سات حصے دیئے جائیں گے۔[7] (عالمگیری ج ۶، ص ۹۹)

مسئلہ ۱۰: ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے وارثوں میں ایک لڑکی اور ایک بھائی چھوڑا اور کسی شخص کے لئے بقدر حصہ بیٹے کے وصیّت کی (اگر ہوتا) اور وارثوں نے اس وصیّت کو جائز رکھا تو اس صورت میں موصیٰ لہٗ کو اس کے مال کے دوثلث (دو تہائی) حصے ملیں گے اور ایک ثلث بھائی اور بیٹی کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا اور اگر وارثوں نے اس کی وصیّت کو جائز نہ رکھا تو اس صورت میں موصیٰ لہٗ کو ایک ثلث ملے گا اور دوثلث بھائی اور بیٹی میں نصف نصف تقسیم ہوں گے۔[8] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۰۰)

مسئلہ ۱۱: ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے ورثہ میں ایک بھائی اور ایک بہن چھوڑے اور یہ وصیّت کی کہ فلاں کو میرے

---

1 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الثالث فی الوصية بثلث المال... إلخ، ج۶، ص۹۸.

2 ...... المرجع السابق. 3 ...... المرجع السابق.

4 ...... آج کل بیت المال کا وجود نہیں اس لئے یہ مال کسی مسلم مسکین یا مدارس دینیہ میں دے دیا جائے۔ ۱۲ اعطاء المصطفیٰ قادری۔

5 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الثالث فی الوصية بثلث المال... إلخ، ج۶، ص۹۹.

6 ...... المرجع السابق. 7 ...... المرجع السابق. 8 ...... المرجع السابق، ص۱۰۰.

مال سے بقدر بیٹے کے حصے کے دینا (اگر بیٹا ہوتا) اور وارثوں نے اس کی اجازت دیدی تو اس صورت میں کل مال موصی لہ کو ملے گا اور بھائی اور بہن کو اس کے مال سے کچھ حصہ نہ ملے گا اور اگر یہ وصیّت کی کہ فلاں کو بیٹے کے حصے کے مثل دینا تو اس صورت میں موصٰی لہ کو اس کے مال کا نصف ملے گا اور باقی نصف میں بھائی بہن شریک ہوں گے بھائی کو دو۲ حصے اور بہن کا ایک حصہ۔[1] (عالمگیری ج۶،ص۱۰۰)

مسئلہ۱۲: وصیّت کرنے والے نے وصیّت کی کہ میرے مال سے فلاں کو بقدر بیٹی کے حصے کے دیا جائے اور وارثوں میں اس نے ایک بیٹی، ایک بہن چھوڑی تو اس صورت میں موصٰی لہ کو اس کا تہائی مال ملے گا ورثہ اجازت دیں یا نہ دیں۔[2] (عالمگیری ج۶،ص۱۰۰)

مسئلہ۱۳: ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے اپنے وارثوں میں ایک بیٹا اور باپ چھوڑے اور وصیّت کی کہ فلاں شخص کو میرے بیٹے کے حصہ کے مثل حصہ دیا جائے تو اگر وارثوں نے اس کی وصیت کو جائز رکھا تو اس کا مال گیارہ حصوں میں تقسیم ہو کر موصٰی لہ کو پانچ حصے، باپ کو ایک حصہ اور بیٹے کو پانچ حصے ملیں گے اور اگر وارثوں نے اس کی وصیّت کو جائز نہ رکھا تو موصٰی لہ کو اس کے مال کا تہائی حصہ ملے گا اور باقی باپ اور بیٹے کے درمیان حصہ رسدی تقسیم ہوگا باپ کو ایک حصہ، بیٹے کو پانچ، یعنی کل مال کے نو حصے کیے جائیں گے، تین حصے موصٰی لہ کو، ایک حصہ باپ کو اور پانچ حصے بیٹے کو دیئے جائیں گے۔[3] (عالمگیری ج۶،ص۱۰۰)

مذکورہ بالا صورتوں میں میت کے وارثوں میں سے اگر ایک نے میت کی وصیّت کو جائز نہ کیا اور ایک نے جائز کر دیا تو جائز کرنے والے وارث کے حصے میں موصٰی لہ کو حصہ ملے گا اور جائز نہ کرنے والے وارث کے حصے میں سے نہیں ملے گا بلکہ اس کا پورا پورا حصہ ملے گا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر ایک وارث نے وصیّت کو جائز کیا اور دوسرے وارث نے جائز نہ کیا تو دیکھا جائے گا کہ دونوں وارثوں کے اجازت دینے کی صورت میں مسئلہ کا حساب گیارہ حصوں سے ہوا تھا اور اجازت نہ دینے کی صورت میں مسئلہ کا حساب نو۹ سے ہوا تھا، ان دونوں کو باہم ضرب کیا جائے ۹x۱۱=۹۹ ہوئے، اب دونوں کے وصیّت کو جائز نہ کرنے کی صورت میں ننانوے۹۹ میں سے ایک ثلث یعنی ۳۳ حصے موصٰی لہ کو ملیں گے اور بقیہ ۶۶ حصوں میں سے ایک سدس (چھٹا حصہ) یعنی گیارہ باپ کو ملیں گے اور بقیہ پانچ سدس یعنی ۵۵ حصے بیٹے کو ملیں گے کل میزان ۹۹۔ اور وارثوں کے اس وصیّت کو جائز کرنے کی صورت میں موصٰی لہ کو گیارہ میں سے ۵x۹=۴۵، باپ کو گیارہ میں سے ۱x۹=۹، اور بیٹے کو بقیہ ۵x۹=۴۵ حصے ملیں گے (کل میزان ۹۹) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حالتوں کے درمیان موصٰی لہ کو بارہ حصے زیادہ ملے جن میں سے دو حصے باپ کے حق میں

---

[1] ……"الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الوصایا، الباب الثالث فی الوصیۃ بثلث المال...إلخ، ج۶، ص۱۰۰.

[2] ……المرجع السابق. [3] ……المرجع السابق.

سے اور دس حصے بیٹے کے حق میں سے، کیونکہ اجازت نہ دینے کی صورت میں باپ کو گیارہ حصے ملے اور اجازت دینے کی صورت میں نو⁹، فرق دو حصوں کا ہوا اور بیٹے کو اجازت دینے کی صورت میں ۴۵ حصے ملے اور اجازت نہ دینے کی صورت میں ۵۵، فرق دس حصوں کا ہوا۔ اس طرح دس¹⁰ اور دو² بارہ¹² حصے موصیٰ لہ کو زیادہ ملتے ہیں۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ موصیٰ لہ کو باپ کے حق میں سے دو حصے اور بیٹے کے حق میں سے دس حصے ملے لہٰذا اگر باپ نے وصیّت کو جائز رکھا اور بیٹے نے نہیں تو باپ کے حق میں سے دو حصے موصیٰ لہ کو مل جائیں گے اور بیٹے کو اس کا پورا حق ملے گا۔ اس طرح ننانوے میں سے ۳۳+۲=۳۵ حصے موصیٰ لہ کو، نو⁹ حصے باپ کو اور ۵۵ حصے بیٹے کو ملیں گے، کل میزان ۹۹ ہوا۔ اور اگر بیٹے نے وصیّت کو جائز رکھا اور باپ نے نہیں تو بیٹے کے حق میں سے دس حصّے موصیٰ لہ کو مل جائیں گے باپ کو اس کا پورا حق ملے گا یعنی ننانوے میں سے ۳۳+۱۰=۴۳ حصّے موصیٰ لہ کو، گیارہ حصے باپ کو اور ۴۵ حصے بیٹے کو ملیں گے کل میزان ۹۹ ہوا۔[1] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۰۰)

فائدہ: اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ مسئلہ کی تصحیح ایک بار کی جائے۔ اس صورت میں کہ سب وارثوں نے اجازت دیدی اور دوسری بار مسئلہ کی تصحیح کی جائے اس صورت میں کہ کسی وارث نے اجازت نہیں دی پھر دونوں تصحیحوں کو ایک مبلغ سے کر دیا جائے (یعنی دونوں تصحیحوں کو باہم ضرب دیدی جائے) پھر اس صورت میں کہ ایک وارث نے اس وصیّت کو جائز کر دیا اور دوسرے نے جائز نہ کیا یا اس کی اجازت معتبر نہ ہو جیسے بچہ اور پاگل کی اجازت معتبر نہیں، تو جائز کرنے والے وارثوں کے سہام کو مسئلہ اجازت سے لیا جائے اور باقی دوسروں کے سہام کو مسئلہ عدم اجازت سے لیا جائے وہ ہر وارث کا حصہ ہوگا اور جو باقی بچے گا وہ موصیٰ لہ کے لئے ثلث پر زیادہ ہوگا (یعنی موصیٰ لہ کے ثلث میں بڑھا دیا جائے گا)[2] (جد الممتار حاشیہ ردالمحتار از افادات اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں (رحمۃ اللہ علیہ) ص ۴۳۹) اس کی مثال یہ ہے موصی نے باپ اور بیٹے کو چھوڑا اور موصیٰ لہ کے لئے بیٹے کے مثل حصہ کی وصیّت کی۔ ورثہ کے اجازت دینے کی صورت میں مسئلہ گیارہ سے ہوگا۔

موصیٰ لہ	ابن	اب
۳	۵	۱
۳۳	۵۵	۱۱

ورثہ کے اجازت نہ دینے کی صورت میں مسئلہ ۹ سے ہوگا۔

موصیٰ لہ	ابن	اب
۵	۵	۱
۴۵	۴۵	۹

---

1 ..."الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب الثالث فی الوصیة بثلث المال... إلخ، ج۶، ص۱۰۰.

2 ..."جدالممتار" علی "ردالمحتار"، کتاب الوصایا، ج۵، ص۱۳۵، ۱۳۶. (مخطوطه)

ضابطہ کے مطابق دونوں تصحیحوں کا مبلغ واحد کیا ۱۱×۹=۹۹ مبلغ واحد ہوا۔

مجیز [1] اگر باپ ہو تو اجازت کی صورت میں باپ کا حصہ ۹ سہام ہے اور اجازت نہ دینے کی صورت میں باقی دوسروں کا حصہ ۸۸ سہام ہے دونوں کو جمع کیا ۹+۸۸=۹۷، فرق ۹۹-۹۷=۲ سہام لہٰذا موصیٰ لہ کو دو سہام زائد علی الثلث ملیں گے یعنی ۳۳+۲=۳۵ سہام اور مجیز اگر بیٹا ہو تو اجازت کی صورت میں اس کا حصہ ۴۵ سہام ہے اور اجازت نہ دینے کی صورت میں باقی دوسروں کا حصہ ۴۴ سہام ہے، دونوں کو جمع کیا ۴۵+۴۴=۸۹ فرق ۹۹-۸۹=۱۰ لہٰذا موصیٰ لہ کو دس۱۰ سہام زائد علی الثلث ملیں گے، ۳۳+۱۰=۴۳ سہام۔

مسئلہ ۱۴: مرنے والے نے دو بیٹے چھوڑے اور ایک شخص کے لئے اپنے ثلث مال (تہائی مال) کی وصیّت کی اور ایک دوسرے شخص کے لئے مثل ایک بیٹے کے حصے کی وصیّت کی اور دونوں وارث بیٹوں نے مرنے والے باپ کی دونوں وصیّتوں کو جائز رکھا تو اس صورت میں جس کے لئے تہائی مال کی وصیّت کی اسے میت کے مال کا تہائی حصہ ملے گا اور بقیہ دو ثلث دونوں بیٹوں اور اس شخص کے درمیان جس کے لئے بیٹے کے مثل حصہ کی وصیّت کی تہائی تہائی تقسیم ہوگا۔ حساب اس کا اس طرح ہوگا کہ کل مال نو حصوں میں منقسم ہوگا اس میں سے تین حصے اُسے ملیں گے جس کے لئے ثلث مال (تہائی مال) کی وصیّت ہے باقی رہے چھ حصے تو دو۲ دو۲ حصے دونوں بیٹوں کے درمیان اور دو۲ حصے اُس کے جس کے لئے بیٹے کے حصے کے مثل وصیّت کی ہے۔ (عالمگیری ج۶، ص۱۰۰) اور اگر ان دونوں بیٹوں نے باپ کی وصیّت کو جائز نہ کیا تو ایک تہائی مال اُن دونوں موصیٰ لہ کو دیا جائے گا جن کے حق میں وصیّت ہے اور بقیہ دو ثلث (دو تہائی) دونوں بیٹوں کو مل جائے گا۔ (عالمگیری ج۶، ص۱۰۰) اور اگر دونوں بیٹوں نے ثلث مال کی وصیّت کو جائز نہ رکھا اور اس وصیّت کو جائز جو اس نے دوسرے شخص کے لئے مثل ایک بیٹے کے حصے کے کی تھی تو اس صورت میں صاحب ثلث یعنی ثلث مال کی وصیّت والے کو نصف ثلث یعنی سدس (چھٹا حصہ) ملے گا اور صاحبِ مثل یعنی جس شخص کے حق میں مثل حصہ بیٹے کے وصیّت کی اسے بقیہ مال کا ایک ثلث ملے گا۔ اس صورت میں حساب ایسے عدد سے ہوگا جس میں سے اگر سدس (چھٹا حصہ) نکالا جائے تو بقیہ مال ایک ایک تہائی کے حساب سے تقسیم ہو جائے اور ایسا چھوٹے سے چھوٹا عدد اٹھارہ ہے لہٰذا کل مال وصیّت اٹھارہ حصوں میں تقسیم ہوگا، چھٹا حصہ یعنی تین حصے ثلث مال کی وصیّت والے کو، باقی پندرہ حصوں میں ایک ثلث یعنی پانچ حصے اس شخص کو جس کے لئے مثل بیٹے کے حصے کی وصیّت کی بقیہ ایک ثلث یعنی پانچ پانچ حصے دونوں بیٹوں کو۔ [2] (عالمگیری ج۶، ص۱۰۰) اور اگر یہ صورت ہے کہ ایک بیٹے نے صاحب مثل کے حق میں وصیّت کو جائز رکھا اور صاحب ثلث کے حق میں وصیّت کو رد کر دیا اور دوسرے بیٹے نے دونوں وصیّتوں کو رد کر دیا تو مسئلہ اس طرح ہوگا کہ صاحب مثل کو چار حصے اور

---

1 ......یعنی اجازت دینے والا۔

2 ......"الفتاوى الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الثالث فى الوصية بثلث المال...إلخ، ج٦، ص١٠٠.

صاحب ثلث کو تین حصے اور جس بیٹے نے ایک وصیّت کو جائز کیا اس کو پانچ حصے اور جس بیٹے نے دونوں وصیتوں کو رد کر دیا اس کو چھ ۶ حصے، کل میزان اٹھارہ حصے، اس طرح صاحب مثل کے حق میں وصیّت جائز رکھنے والے بیٹے کا ایک حصہ صاحب مثل کو ملا اور اُس کا حصہ بجائے تین کے چار ہو گیا اور اس بیٹے کے چھ کے بجائے پانچ حصے رہ گئے۔[1] (محیط از عالمگیری ج ۶، ص ۱۰۰)

مسئلہ ۱۵: ایک شخص کے پانچ بیٹے ہیں اس نے وصیّت کی........ کہ فلاں شخص کو میرے ثلث مال میں سے میرے ایک بیٹے کے حصے کے مثل دینا اور ثلث مال میں سے یہ حصہ نکال کر بقیہ کا ثلث ایک دوسرے شخص کو دیا جائے، تو اس وصیّت کرنے والے کا کل مال اکیاون ۵۱ حصوں میں تقسیم ہو کر ان میں سے آٹھ حصے اس موصیٰ لہٗ کو ملیں گے جس کے حق میں بیٹے کے حصہ کے مثل کی وصیّت کی اور تین حصے دوسرے موصیٰ لہٗ کو ملیں گے جس کے حق میں ثلث ما بقی من الثلث کی وصیّت کی (یعنی جس کے حق میں باقی ماندہ ثلث مال سے ایک ثلث کی وصیّت کی)۔[2] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۰۰) اور ہر بیٹے کو آٹھ آٹھ حصے ملیں گے۔ (مؤلف)

مسئلہ ۱۶: ایک شخص کے پانچ بیٹے ہیں اس نے وصیت کی کہ فلاں شخص کو میرے ثلث مال سے میرے ایک بیٹے کے حصے کے مثل دیا جائے اور اس ثلث مال سے یہ حصہ نکال کر جو باقی بچے اس کا ثلث (یعنی تہائی) ایک دوسرے شخص کو دیا جائے تو اس صورت میں اس وصیّت کرنے والے کا مال اکیاون ۵۱ حصوں میں تقسیم ہو کر جس کے لئے بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیّت کی ہے اسے آٹھ حصے ملیں گے، اور اسکے ثلث مال میں سے یہ آٹھ نکال کر جو باقی بچے گا اس کا ایک ثلث یعنی تین حصے اس کو ملیں گے، جس کے لئے ثلث ما بقی من الثلث (یعنی اس کے تہائی مال سے آٹھ حصے نکال کر جو باقی بچا اس کا تہائی حصہ) کی وصیّت کی تھی اور پانچ بیٹوں میں سے ہر ایک کو آٹھ آٹھ حصے ملیں گے۔ مسئلہ کی تخریج اس طرح ہو گی کہ پانچ بیٹوں کو بحساب فی کس ایک حصہ = پانچ حصے اور ایک حصہ اس میں صاحب مثل کا بڑھایا (یعنی اس کا جس کے لئے بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیّت کی) اس طرح کل چھ حصے ہوئے چھ کو تین میں ضرب دیا جائے ۶x۳=۱۸ ہوئے، اٹھارہ ۱۸ میں ایک کم کیا جو زیادہ کیا گیا تھا تو سترہ ۱۷ رہ گئے یہ سترہ ۱۷ اس کے کل مال کا ایک ثلث ہے اس کے دو ثلث چونتیس ۳۴ ہوئے، اس طرح کل حصے اکیاون ۵۱ ہوئے، جب یہ معلوم ہو گیا کہ ثلث مال (تہائی مال) سترہ ۱۷ حصے ہیں تو اس میں سے صاحب مثل کا حصہ (یعنی جس کے لئے ایک بیٹے کے حصہ کی مثل کی وصیّت کی) معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اصل حصہ کی طرف دیکھا جائے وہ پانچ بیٹوں کے پانچ اور صاحب مثل کا ایک تھا، اس ایک کو تین سے ضرب کیا تو تین ہوئے پھر تین کو تین سے ضرب کیا تو نو ۹ ہوئے، نو ۹ میں سے ایک جو بڑھایا تھا کم کیا تو آٹھ باقی رہے، یہ حصہ ہوا صاحب مثل کا، پھر اس آٹھ کو سترہ میں سے گھٹایا تو نو ۹ باقی رہے اس کا ایک تہائی یعنی تین حصے دوسرے شخص کے جس کے حق میں

---

[1] ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الثالث فی الوصية بثلث المال... إلخ، ج ٦، ص ١٠٠.

[2] ......المرجع السابق.

ثلث ماقی من الثلث کی (بقیہ تہائی مال کے تہائی کی) وصیت کی تھی، نو میں سے تین نکال کر چھ بچے، ان چھ کو دو تہائی مال یعنی چونتیس حصوں میں جمع کیا تو چالیس ہوگئے اور یہ چالیس پانچ بیٹوں میں برابر برابر بحساب فی کس آٹھ حصے تقسیم ہوں گے یہ کل ملا کر اکیاون ۵۱ ہوئے یعنی موصٰی لہ نمبر ایک کو آٹھ، موصٰی لہ نمبر ۲ کو تین اور پانچ بیٹوں کو چالیس = کل اکیاون ۵۱ ۔[1] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۰۱)

مسئلہ ۱۷: کسی شخص نے وصیت کی کہ ''میرے مال کا چھٹا حصہ فلاں شخص کے لئے ہے'' پھر اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں کہا کہ اسی کے لئے میرے مال کا تہائی حصہ ہے اور وارثوں نے اسے جائز کر دیا تو اسے تہائی مال ملے گا اور چھٹا حصہ اسی میں داخل ہو جائے گا۔[2] (ہدایہ ج ۴، عالمگیری ج ۶ ص ۱۰۱)

مسئلہ ۱۸: کسی نے وصیت کی کہ فلاں شخص کے لئے ایک ہزار روپیہ ہے اور اس کا کچھ مال نقد ہے اور کچھ دوسروں کے ذمہ ادھار ہے، تو اگر یہ ایک ہزار روپیہ اس کے نقد مال سے نکالا جا سکتا ہے تو یہ ایک ہزار روپیہ موصٰی لہ کو ادا کر دیا جائے گا اور اگر یہ روپیہ اس کے نقد مال سے نہیں نکالا جا سکتا تو نقد مال کا ایک تہائی جس قدر رہتا ہے وہ فی الوقت ادا کر دیا جائے گا اور ادھار میں پڑا ہوا روپیہ جیسے جیسے اور جتنا جتنا وصول ہوتا جائے گا وصول شدہ روپیہ کا ایک تہائی موصٰی لہ کو دیا جاتا رہے گا تا آنکہ اس کی ایک ہزار کی رقم پوری ہو جائے جو کہ مرنے والے نے اس کے لئے وصیت کی تھی۔[3] (ہدایہ ج ۴، عالمگیری ج ۶ ص ۱۰۵)

مسئلہ ۱۹: زید نے وصیت کی کہ اس کا ایک تہائی مال عمرو اور بکر کے لئے ہے اور بکر کا انتقال ہو چکا ہے خواہ اس کا علم موصی یعنی وصیت کرنے والے کو ہو یا نہ ہو، یا یہ وصیت کی کہ میرا تہائی مال عمرو اور بکر کے لئے ہے اگر بکر زندہ ہو حالانکہ وہ انتقال کر چکا ہے یا یہ وصیت کی کہ میرا تہائی مال عمرو کے لئے اور اس شخص کے لئے ہے جو اس گھر میں ہو اور اس گھر میں کوئی نہیں ہے یا یہ وصیت کی کہ میرا تہائی مال عمرو کے لئے اور اس کے بعد ہونے والے بیٹے کے لئے، یا یہ کہا کہ میرا تہائی مال عمرو کے لئے اور بکر کے بیٹے کے لئے اور بکر کا بیٹا وصیت کرنے والے سے پہلے مر گیا تو ان تمام صورتوں میں اس کا تہائی مال پورا پورا صرف اکیلے عمرو کو ملے گا۔[4] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۰۵)

مسئلہ ۲۰: کسی نے وصیت کی کہ میرا تہائی مال زید اور بکر کے مابین تقسیم کر دیا جائے اور بکر کا اس وقت انتقال ہو چکا ہو، یا یہ کہا کہ میرا تہائی مال زید اور بکر کے درمیان تقسیم کیا جائے اگر وہ میرے بعد زندہ ہو، یا یہ کہا کہ میرا تہائی مال زید اور فقیر کے مابین تقسیم ہو پھر اس کا انتقال ہو گیا اور فقیر زندہ ہے یا مر چکا یا یہ کہا کہ میرا تہائی مال زید اور بکر کے مابین تقسیم ہو اگر بکر گھر میں ہو اور

---

1 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الثالث فی الوصية بثلث المال... إلخ، ج٦، ص ١٠٠.

2 ...... المرجع السابق، ص ١٠٤.

3 ...... المرجع السابق.

4 ...... المرجع السابق، ص ١٠٥.

وہ گھر میں نہیں ہے، یا یہ کہا کہ میرا تہائی مال زید اور بکر کے لڑکے کے درمیان تقسیم ہو اور بکر کے یہاں لڑکا پیدا ہوا یا لڑکا موجود تھا پھر مرگیا اور دوسرا لڑکا پیدا ہوگیا، یا یہ کہا کہ میرا تہائی مال زید اور فلاں کے لڑکے کے مابین تقسیم ہو اگر وہ لڑکا فقیر ہو اور وہ لڑکا فقیر و محتاج نہ ہوا تھا یہاں تک کہ موصی کا انتقال ہوگیا، یا یہ وصیّت کی کہ میرا تہائی مال زید اور اس کے وارث کے لئے ہے، یا زید اور اس کے دو بیٹوں کے لئے ہے اور اس کے بیٹا صرف ایک ہے تو ان تمام صورتوں میں زید کو نصف ثلث یعنی اس کے مال کا چھٹا حصہ ملے گا۔[1] (عالمگیری ج ٦ ص ١٠٥)

مسئلہ ۲۱: موصی (وصیّت کرنے والا) نے زید اور عمرو کے لئے اپنے ثلث مال (تہائی مال) کی وصیّت کی، یا یہ کہا کہ میرا ثلث مال زید اور عمرو کے مابین تقسیم کیا جائے پھر موصی کا انتقال ہوگیا اس کے بعد زید اور عمرو دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہوگیا تو جو زندہ رہا اس کو ثلث مال (تہائی مال) کا آدھا ملے گا اور آدھا مرنے والے کے وارثوں کو ملے گا یہی حکم اس وقت ہے جب موصی کے انتقال کے بعد موصیٰ لہما یعنی زید اور عمرو میں سے کسی کے وصیّت قبول کرنے سے پہلے ایک کا انتقال ہوجائے اور دوسرا جو زندہ رہا اس نے وصیّت کو قبول کرلیا تو دونوں وصیّت کے مال کے مالک ہوں گے آدھا زندہ کو اور آدھا مرنے والے کے وارثوں کو ملے گا، اور اگر ان دونوں میں سے ایک وصیّت کرنے والے سے پہلے انتقال کرگیا تو اس کا حصہ موصی کو واپس ہوجائے گا۔[2] (محیط السرخسی از عالمگیری ج ٦ ص ١٠٥)

مسئلہ ۲۲: یہ وصیّت کی کہ میرا ثلث مال (تہائی مال) زید کے لئے ہے اور اس کے لئے جو عبد اللہ کے بیٹوں میں سے محتاج و فقیر ہو پھر موصی (وصیّت کرنے والے) کا انتقال ہوگیا اور عبد اللہ کے سب بیٹے اس وقت غنی اور مالدار ہیں تو اس کا ثلث مال سب کا سب زید کو مل جائے گا، اور اگر موصی کی موت سے قبل عبد اللہ کے کچھ بیٹے (یعنی سب نہیں) غریب و فقیر ہوگئے تو اس کا ثلث مال زید اور عبد اللہ کے غریب بیٹوں کے درمیان بحصہ مساوی ان کی تعداد کے مطابق تقسیم ہوگا اور اگر عبد اللہ کے سب ہی بیٹے غریب و فقیر ہیں تو ان کو کچھ حصہ نہ ملے گا وصیّت کا کل مال زید کو مل جائے گا۔[3] (عالمگیری ج٦ ص ١٠٥)

مسئلہ ۲۳: ایک عورت کا انتقال ہوا اس نے اپنے وارثوں میں صرف اپنا شوہر چھوڑا اور اپنے نصف مال کی وصیّت کردی کسی اجنبی شخص کے لئے، تو یہ وصیّت جائز ہے اس صورت میں شوہر کو ثلث ملے گا، اجنبی کو نصف، بچا سدس (چھٹا حصہ) وہ بیت المال میں جمع ہوگا، تقسیم اس طرح ہوگی کہ پہلے متوفیہ کے مال سے بقدر ثلث مال کے نکال لیا جائے گا کیونکہ وصیّت وراثت پر مقدم ہے، تہائی مال نکالنے کے بعد دو تہائی مال باقی بچا اس میں سے نصف شوہر کو وراثت میں دیا جائے گا جو کہ کل مال کے ایک

---

1 ...... "الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب الثالث فی الوصیة بثلث المال... إلخ، ج٦، ص١٠٥.

2 ...... المرجع السابق. 3 ...... المرجع السابق.

ثلث کے برابر ہے اب باقی رہا ایک ثلث اس کا کوئی وارث ہے ہی نہیں لہٰذا متوفیہ کی باقی وصیّت اس میں جاری ہوگی اور موصیٰ لہ جس کو ثلث ملا تھا اس کا نصف پورا کرنے کے لئے اس بقیہ ثلث میں سے ایک حصہ دے کر اس کا نصف پورا کردیا جائے گا، اب باقی بچا ایک سدس (چھٹا حصہ) وہ بیت المال میں جمع ہوگا کیونکہ اس کا کوئی وارث نہیں ہے۔[1] (عالمگیری ج ٦ ص ١٠٥)

مسئلہ ٢٤: شوہر کا انتقال ہوا، وارثوں میں اس نے ایک بیوی چھوڑی اور اپنے کل مال کی کسی اجنبی کے لئے وصیّت کردی لیکن اس کی زوجہ نے اس وصیّت کو جائز نہ کیا تو اس کا کل مال چھ حصوں میں تقسیم ہوکر ایک حصہ زوجہ کو اور پانچ حصے اجنبی کو ملیں گے جس کے حق میں کل مال کی وصیّت کی تھی، مال ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ کل مال کے چھ حصے کرکے پہلے اس میں سے ایک ثلث یعنی دو حصے اجنبی کو ملیں گے کیونکہ وصیّت وراثت پر مقدم ہے بقیہ چار حصوں میں سے ایک ربع یعنی ایک حصہ بیوی کو ملے گا باقی رہے تین حصے، یہ بھی اجنبی کو مل جائیں گے کیونکہ وصیّت بیت المال پر بھی مقدم ہے۔[2] (محیط السرخسی از عالمگیری ج ٦ ص ١٠٥)

مسئلہ ٢٥: یہ وصیّت کی کہ میرا ثلث مال فلاں کے بیٹوں کے لئے ہے اور بوقت وصیّت فلاں کے بیٹے نہیں تھے بعد میں پیدا ہوئے اس کے بعد موصی (وصیّت کرنے والے) کا انتقال ہوا تو اس کا تہائی مال اس فلاں کے بیٹوں میں تقسیم ہوگا اور اگر بوقت وصیّت فلاں کے بیٹے موجود تھے لیکن وصیّت کرنے والے نے نہ اُن بیٹوں کے نام لئے نہ ان کی طرف اشارہ کیا۔ (یعنی اس طرح کہنا کہ ان بیٹوں کے لئے) تو یہ وصیت ان بیٹوں کے حق میں نافذ ہوگی جو موصی کی موت کے وقت موجود ہوں گے خواہ یہ بیٹے وہی ہوں جو بوقت وصیّت موجود تھے یا وہ بیٹے مرگئے ہوں اور دوسرے پیدا ہوئے اور اگر بوقت وصیّت فلاں کے بیٹوں میں سے ہر ایک کا نام لیا تھا یا ان کی طرف اشارہ کردیا تھا تو یہ وصیّت خاص انہی کے حق میں ہوگی، اگر ان کا انتقال موصی کی موت سے پہلے ہوگیا تو وصیّت باطل ٹھہرے گی۔[3] (عالمگیری ج ٦ ص ١٠٥)

مسئلہ ٢٦: یہ وصیّت کی کہ میرا ثلث مال عبد اللہ اور زید اور عمرو کے لئے ہے اور عمرو کو اس میں سے سو روپے دیں اور اس کا تہائی مال کل ١٠٠ ہی روپے ہے تو یہ کل عمرو کو ملے گا اور اگر اس کا تہائی مال ایک سو پچاس ١٥٠ روپے ہے تو اس صورت میں ١٠٠ روپے عمرو کو اور باقی پچاس میں آدھے آدھے عبد اللہ اور زید کو ملیں گے۔[4] (محیط السرخسی از عالمگیری ج ٦ ص ١٠٥)

مسئلہ ٢٧: کسی کے لئے ثلث مال کی وصیّت کردی اور وصیّت کرنے والے کی ملکیت میں بوقت وصیّت کوئی مال ہی نہ تھا بعد میں اس نے کمالیا تو بوقت موت وہ جتنے مال کا مالک ہے اس کا ثلث موصیٰ لہ (جس کے حق میں وصیّت کی) کو ملے گا جب

---

1 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الثالث في الوصية بثلث المال... إلخ، ج٦، ص١٠٥.

2 ...... المرجع السابق. 3 ...... المرجع السابق. 4 ...... المرجع السابق.

کہ موصیٰ بہ شئے معین اور نوع معین نہ ہو۔[1] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۰۶)

مسئلہ ۲۸: اگر کسی نے اپنے مال میں سے کسی خاص قسم کے مال کے ثلث حصہ کی وصیّت کی مثلاً کہا کہ میری بکریوں یا بھیڑوں کا تہائی حصہ فلاں کو دیا جائے اور یہ بکریاں یا بھیڑیں موصی کی موت سے پہلے ہلاک ہو جائیں تو یہ وصیّت باطل ہو جائے گی حتیٰ کہ اس نے ان کے ہلاک ہونے کے بعد دوسری بکریاں یا بھیڑیں خریدیں تو موصیٰ لہ کا ان بکریوں یا بھیڑوں میں کوئی حصہ نہیں۔[2] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۰۶)

مسئلہ ۲۹: وصیّت کرنے والے نے وصیّت کی کہ فلاں کے لئے میرے مال سے ایک بکری ہے اور اس کے مال میں بکری موجود نہیں تو موصیٰ لہ کو بکری کی قیمت دی جائے گی اور اگر یہ کہا تھا کہ فلاں کے لئے ایک بکری ہے یہ نہیں کہا تھا کہ "میرے مال سے" اور اس کی ملکیت میں بکری نہیں ہے تو بقول بعض وصیّت صحیح نہیں اور بقول بعض وصیّت صحیح ہے اور اگر یوں وصیّت کی کہ فلاں کے لئے میری بکریوں میں سے ایک بکری ہے اور اس کی ملکیت میں بکری نہیں ہے تو وصیّت باطل ٹھہرے گی اسی اصول پر گائے، بھینس اور اونٹ کے مسائل کا استخراج کیا جائے گا۔[3] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۰۶)

مسئلہ ۳۰: یہ وصیّت کی کہ میرے مال کا تہائی حصہ صدقہ کر دیا جائے اور کسی شخص نے وصی سے وہ مال غصب کر لیا اور ضائع کر دیا اور وصی یہ چاہتا ہے کہ وصیّت کے اس مال کو اس غاصب پر ہی صدقہ کر دے اور غاصب اس مال کا اقراری ہے تو یہ جائز ہے۔[4] (عالمگیری بحوالہ محیط السرخسی ج ۶ ص ۱۰۶)

مسئلہ ۳۱: وصیّت کرنے والے نے کہا کہ میں نے تیرے لئے اپنے مال سے ایک بکری کی وصیّت کی تو اس وصیّت کا تعلق اس بکری سے نہ ہوگا جو وصیّت کرنے کے دن اس کی ملکیت میں تھی بلکہ اس کا تعلق اس بکری سے ہوگا جو موصی کی موت کے دن اس کی ملکیت میں ہوگی اور جب یہ وصیّت صحیح ہے تو موصی کی موت کے بعد اگر اس کے مال میں بکری ہے تو وارثوں کو اختیار ہے اگر وہ چاہیں تو موصیٰ لہ کو بکری دیدیں یا چاہیں تو بکری کی قیمت دیدیں۔[5] (محیط از عالمگیری ج ۶ ص ۱۰۶)

مسئلہ ۳۲: ایک شخص نے کہا کہ میرا سرخ رنگ کا عجمی النسل گھوڑا فلاں کے لئے وصیّت ہے تو یہ وصیّت اس میں جاری ہوگی جس کا وہ وصیّت کے دن مالک تھا نہ کہ اس میں جو وہ بعد میں حاصل کرلے ہاں اگر اس نے یہ کہا کہ میرے گھوڑے فلاں کے لئے وصیّت ہیں اور ان کی تعیین یا تخصیص نہ کی تو اس صورت میں وصیّت بوقتِ وصیّت موجود گھوڑوں اور بعد میں حاصل کئے جانے والے گھوڑوں دونوں کو شامل ہوگی۔[6] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۰۶)

---

1 ......"الفتاوی الهندية"، کتاب الوصايا، الباب الثالث في الوصية بثلث المال... إلخ، ج۶، ص ۱۰۵.

2 ......المرجع السابق، ص ۱۰۶ 3 ......المرجع السابق. 4 ......المرجع السابق.

5 ......المرجع السابق. 6 ......المرجع السابق.

مسئلہ ۳۳: اگرکسی نے اپنے ثلث مال کی فلاں شخص اور مساکین کے لئے وصیّت کی تو اس ثلث مال کا نصف فلاں کو دیا جائے گا اور نصف مساکین کو۔[1] (ہدایہ جلد۴ از عالمگیری ج۶،ص۱۰۶)

مسئلہ ۳۴: کسی نے اپنے ثلث مال کی وصیّت ایک شخص کے لئے کی، پھر دوسرے شخص سے کہا کہ میں نے تجھے اس وصیّت میں اس کے ساتھ شریک کر دیا تو یہ ثلث ان دونوں کے لئے ہے اور اگر ایک کے لئے سو روپے کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے سو کی پھر تیسرے شخص سے کہا کہ میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ شریک کیا تو اس تیسرے کے لئے ہر سَو میں تہائی حصہ ہے۔[2] (عالمگیری ج۶،ص۱۰۶)

مسئلہ ۳۵: کسی اجنبی شخص اور وارث کے لئے وصیّت کی تو اجنبی کو وصیّت کا نصف حصہ ملے گا اور وارث کے حق میں وصیّت باطل ٹھہرے گی، اس طرح اپنے قاتل اور اجنبی کے حق میں وصیت کی تھی تو وصیّت قاتل کے حق میں باطل اور اجنبی کو نصف حصہ ملے گا۔ (عالمگیری ج۶،ص۱۰۶) اس کے برخلاف اجنبی یا وارث کے لئے عین (نقد) یا دین کا اقرار کیا تو اجنبی کے لئے صحیح نہیں اور وارث کے لئے صحیح ہے۔[3] (تبیین از عالمگیری ج۶،ص۱۰۶)

مسئلہ ۳۶: متعدد کمروں پر مشتمل ایک مکان دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے ان میں سے ایک نے کسی کے لئے ایک معین کمرے کی وصیّت کر دی تو مکان تقسیم کیا جائے گا پس اگر وہ معین کمرہ موصی کے حصہ میں آ گیا تو وہ موصیٰ لہ کو دے دیا جائے گا اور اگر وہ معیّن کمرہ دوسرے شریک کے حصہ میں آیا تو موصیٰ لہ کو بقدر کمرے کے زمین ملے گی۔[4] (عالمگیری ج۶، ص۱۰۷، درمختار، ردالمحتار ج۵،ص۴۷۳)

مسئلہ ۳۷: وارث نے اقرار کیا کہ اس کے باپ نے فلاں کے لئے ثلث مال کی وصیّت کی اور کچھ گواہوں نے گواہی دی کہ اس کے باپ نے کسی دوسرے کے لئے ثلث مال کی وصیّت کی تو فیصلہ گواہوں کی گواہی کے مطابق ہوگا اور وارث نے جس کے لئے اقرار کیا اسے کچھ نہ ملے گا۔[5] (عالمگیری ج۶،ص۱۰۷)

مسئلہ ۳۸: اگرکسی وارث نے اقرار کیا کہ اس کے باپ نے اپنے ثلث مال کی وصیّت فلاں کے لئے کی پھر اس کے بعد کہا کہ بلکہ اس کی وصیّت فلاں کے لئے کی، تو اس صورت میں جس کے لئے پہلے اقرار کیا اس کو ملے گا اور دوسرے کے لئے کچھ نہیں۔ (عالمگیری ج۶،ص۱۰۷) اور اگر اس نے دونوں کے لئے متصلاً بلافصل اقرار کیا تو ثلث مال دونوں کے مابین نصف نصف کر دیا جائے گا۔[6] (عالمگیری ج۶،ص۱۰۷)

---

1 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا،الباب الثالث فی الوصية بثلث المال...إلخ، ج٦،ص١٠٦.

2 ...... المرجع السابق. 3 ...... المرجع السابق. 4 ...... المرجع السابق، ص١٠٧.

5 ...... المرجع السابق. 6 ...... المرجع السابق.

مسئلہ ۳۹: وارث تین ہیں اور مال تین ہزار ہے ہر وارث نے ایک، ایک ہزار پایا پھر اُن میں سے ایک نے اقرار کیا کہ اس کے باپ نے فلاں کے لئے ثلث مال کی وصیّت کی تھی اور باقی دو وارثوں نے انکار کیا تو اقرار کرنے والا اپنے حصے میں سے ایک تہائی اس کو دے گا جس کے لئے اس نے اقرار کیا۔[1] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۰۷)

مسئلہ ۴۰: اگر دو بیٹوں میں سے ایک نے تقسیم ترکہ کے بعد اقرار کیا کہ مرحوم باپ نے ثلث مال کی وصیّت فلاں کے لئے کی تھی تو اس کا اقرار صحیح ہے اور اس اقرار کرنے والے ہی کے حصے کے ثلث میں نافذ ہوگی۔[2] (درمختار) اور یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ اس کے کئی بیٹوں میں سے ایک نے اقرار کیا ہو تو اقرار کرنے والے کے حصہ کے ثلث میں وصیّت نافذ ہوگی۔[3] (مجمع وردالمحتار ج ۵ ص ۴۷۳)

مسئلہ ۴۱: وارث دو ہیں اور مال ایک ہزار نقد ہے اور ایک ہزار ان میں سے ایک پر اُدھار ہے پھر اس وارث نے جس پر اُدھار نہیں ہے اقرار کیا کہ اس کے باپ نے کسی کے حق میں ایک ثلث کی وصیّت کی تھی تو اس ایک ہزار نقد میں سے تہائی حصہ لے کر موصیٰ لہ کو دیا جائے گا اور اقرار کرنے والے کو باقی دو تہائی ملے گا۔[4] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۰۷)

تنبیہ: موصیٰ بہ[5] سے پیدا ہونے والی کوئی بھی زیادتی جیسے بچہ، یا غلہ وغیرہ اگر موصی کی موت کے بعد اور موصیٰ لہ کے قبول وصیّت سے پہلے ہو تو وہ زیادتی اور اضافہ موصیٰ بہ میں شمار ہوگا اور ثلث مال میں شامل ہوگا لیکن اگر یہ اضافہ اور زیادتی موصیٰ لہ کے قبول وصیّت کے بعد مگر مال تقسیم ہونے سے پہلے ہو تب بھی وہ موصیٰ بہ میں شامل ہوگی۔[6] (عالمگیری بحوالہ محیط السرخسی ج ۶ ص ۱۰۷) مثال کے طور پر ایک شخص کے پاس چھ سو درہم اور ایک لونڈی قیمتی تین سو درہم کی ہیں اس نے کسی آدمی کے لئے لونڈی کی وصیّت کی اور مر گیا پھر لونڈی نے ایک بچہ جنا جس کی قیمت تین سو درہم کے برابر ہے پس یہ ولادت اگر تقسیم مال اور قبول وصیّت سے پہلے ہوئی تو موصیٰ لہ کو وصیّت میں وہ لونڈی ملے گی اور اس بچہ کا تہائی حصہ، اور اگر موصیٰ لہ کے وصیّت قبول کرنے کے بعد اور مال تقسیم ہو جانے کے بعد ولادت ہوئی تو بلا اختلاف موصیٰ لہ کی ملکیت ہے اور اگر موصیٰ لہ نے وصیّت قبول کرلی تھی اور مال ابھی تقسیم نہ ہوا تھا کہ لونڈی کے بچہ پیدا ہو گیا تب بھی وہ موصیٰ بہ میں شامل ہوگا جیسا کہ قبول وصیّت سے قبل

---

1 ....."الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الثالث فی الوصية بثلث المال...إلخ، ج٦، ص١٠٧.

2 ....."الدرالمختار"، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، ج١٠، ص٤٠١.

3 ....."ردالمحتار"، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، ج١٠، ص٤٠١.

4 ....."الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الثالث فی الوصية بثلث المال...إلخ، ج٦، ص١٠٧.

5 .....جس چیز کی وصیت کی گئی۔

6 ....."الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الثالث فی الوصية بثلث المال...إلخ، ج٦، ص١٠٧.

کی صورت میں وہ موصٰی بہ میں شامل کیا گیا تھا، اور اگر لونڈی نے موصی کی موت سے پہلے بچہ جنا تو وہ وصیت میں داخل نہ ہوگا۔[1]
(کافی از عالمگیری ج۶، ص۱۰۸)

بیٹے کا اپنے مرض الموت میں اپنے باپ کی وصیّت کوجائز کرنے اور اپنے اوپر یا اپنے باپ کے اوپر دین (ادھار) کا اقرار کرنے کا بیان

مسئلہ۱: ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے تین ہزار روپے اور ایک بیٹا چھوڑا اور دو ہزار روپے کی کسی شخص کے لئے وصیّت کی پھر بیٹے نے اپنے مرض الموت میں اس وصیّت کو جائز کر دیا اور مر گیا اور بیٹے کا بجز اس وراثت کے اور کوئی مال بھی نہیں تو اس صورت میں موصیٰ لہ ایک ہزار روپے تو بیٹے کی اجازت کے بغیر ہی پانے کا مستحق ہے اور بقیہ دو ہزار میں سے ایک ثلث اور پائے گا جو کہ بیٹے کے مال کا تہائی حصہ ہوتا ہے۔[2] (محیط السرخسی از عالمگیری ج۶، ص۱۰۸)

مسئلہ۲: وارث کی طرف سے مرض الموت میں اپنے مورث کی وصیّت کو جائز کرنا بمنزلہ وصیت کرنے کے ہے اسی طرح مرض الموت میں اپنی موت کے بعد غلام کو آزاد کرنا بھی بمنزلہ وصیّت کے ہے اور جب دو وصیّتیں جمع ہوں جن میں سے ایک عتق (آزاد کرنا) ہو تو عتق مقدم و اولیٰ ہے اور دَین (یعنی ادھار) مقدم ہے وصیّت پر۔[3] (محیط السرخسی از عالمگیری ج۶، ص۱۰۸)

مسئلہ۳: وارث نے اگر بحالت صحت وتندرستی اپنے مورث کی وصیّت کو جائز کر دیا تو وہ اولیٰ اور مقدم ہے عتق سے، اور ادھار کے اقرار سے اور وصیّت سے۔[4] (عالمگیری ج۶، ص۱۰۸)

مسئلہ۴: وارث نے اگر بحالت صحت اپنے باپ کی وصیّت کو جائز کر دیا پھر اپنے باپ پر ادھار ہونے کا اقرار کیا تو پہلے باپ کی وصیّت پوری کی جائے گی اس کے بعد اگر کچھ بچے گا تو ادھار والوں کو ادا کیا جائے گا لیکن وارث کمی کی صورت میں ان اُدھار والوں کے ادھار کی کامل ادائیگی کا ذمہ دار نہ ہوگا ہاں اگر وصیّت پوری کرنے کے بعد اتنا مال بچ رہا کہ ادھار کی کامل ادائیگی ہو جائے تو اُدھار کا اقرار کرنے کے بعد وہ اس کی کامل ادائیگی کا ذمہ دار ہے اور اگر وہ بچا ہوا مال قرض کی ادائیگی کے لئے پورا نہ ہو تو اقرار کرنے والا وارث اتنا ادا کرنے کا ضامن ہوگا جتنے کا اُس نے اقرار کیا ہے۔[5] (عالمگیری ج۶، ص۱۰۸)

مسئلہ۵: ایک شخص نے اپنے باپ پر دَین کا دعویٰ کیا اور موصیٰ لہ نے میت کی طرف سے دعویٰ کیا کہ اس نے اپنے

---

1 ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب الثالث فی الوصیة بثلث المال...إلخ، ج۶، ص۱۰۸.

2 ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب الرابع فی اجازة الولد من وصیة...إلخ، ج۶، ص۱۰۸.

3 ......المرجع السابق. 4 ......المرجع السابق. 5 ......المرجع السابق.

باپ کی وصیّت کو جائز کر دیا ہے اور اس شخص نے ان دونوں باتوں کی تصدیق کی تو دَین کی ادائیگی مقدم ہوگی اور وہ صاحب اجازت کے لئے کسی چیز کا ذمہ دار نہ ہوگا خواہ اس نے یہ تصدیق بحالت صحت کی ہو یا بحالت مرض۔ [1] (عالمگیری ج٦ ص١٠٨)

مسئلہ٦: مریض وارث نے اپنے باپ کی وصیّت کو جائز کیا پھر اس نے اپنے باپ پر دَین (اُدھار) کا اقرار کیا اور اپنی ذات پر بھی دَین کا اقرار کیا تو پہلے باپ کا دَین ادا کیا جائے گا پھر اس کا اپنا دَین ادا کیا جائے گا۔ [2] (محیط السرخسی از عالمگیری ج٦ ص١٠٨)

مسئلہ٧: وارث نے اپنے باپ کی وصیّت کی اجازت دے دی پھر اپنی ذات پر دَین کا اقرار کیا تو دین مقدم واولیٰ ہے، پہلے دین ادا ہوگا اس کے بعد دیکھا جائے گا اگر دَین کی ادائیگی کے بعد کچھ بچ رہا تو اگر اس وارث کے ورثہ نے اس وصیّت کو جائز نہیں کیا جس کو وارث نے جائز کر دیا تھا تو بقیہ مال کا ثلث اس وصیّت میں دیا جائے گا۔ [3] (محیط از عالمگیری ج٦ ص١٠٨)

مسئلہ٨: ایک مریض جس کے پاس دو ہزار روپے ہیں اور اس کے پاس ان کے علاوہ اور کوئی مال نہیں، اس کا انتقال ہوا اس نے کسی شخص کے لئے ان میں سے ایک ہزار روپے کی وصیّت کر دی اور ایک دوسرے شخص کے لئے بقیہ ایک ہزار کی وصیّت کر دی اور اس کے وارث بیٹے نے اس کی ان دونوں وصیّتوں کو یکے بعد دیگرے اپنی بیماری کی حالت میں جائز کر دیا اور اس وارث بیٹے کے پاس سوائے ان دو ہزار روپے کے جو وراثت میں ملے اور مال نہیں ہے تو اس صورت میں ان دو ہزار کا تہائی حصہ ان دونوں کو نصف نصف تقسیم کر دیا جائے گا جن کے لئے میت اول نے وصیّت کی تھی۔ [4] (محیط از عالمگیری ج٦ ص١٠٨)

مسئلہ٩: ایک شخص کے پاس ایک ہزار درہم ہیں اس نے ان کی کسی شخص کے لئے وصیّت کر دی اور انتقال کر گیا اس کا وارث جو اس کے مال کا مالک ہوا اس کی ملکیت میں بھی ایک ہزار درہم تھے۔ (یعنی اس کے پاس کل دو ہزار درہم ہوگئے) پھر اس وارث نے کسی شخص کے لئے اپنے ذاتی ایک ہزار درہم کی اور ان ایک ہزار درہم کی جو وراثت میں ملے تھے دونوں کی وصیّت کر دی پھر اس وارث کا انتقال ہو گیا اور اس نے اپنا ایک وارث چھوڑا اس نے اپنے باپ اور اپنے دادا کی وصیّت کو اپنے مرض الموت میں جائز کر دیا اور مر گیا اور اس مرنے والے کا بجز اس ترکہ کے اور کوئی مال نہیں تو اس صورت میں پہلے والے موصیٰ لہ کو یعنی دادا کے موصیٰ لہ کو پہلے ایک ہزار درہم کا ایک ثلث وصیّت جائز کئے بغیر ہی ملے گا پھر باقی دو تہائی کو دوسرے ایک ہزار درہم میں ملا دیا جائے گا اور اس مجموعہ کا ایک ثلث موصیٰ لہ دوم کو یعنی اس میت کے باپ کے موصیٰ لہ کو ملے گا اور یہ بھی وصیّت کو جائز کئے بغیر ہی دے دیا جائے گا۔ یہ ثلث ادا کرنے کے بعد اس تیسری میّت کے بقیہ مال کو دیکھا جائے اور اسے موصیٰ لہ اول اور موصیٰ لہ دوم کے درمیان وصیّت جائز کر دینے کے بعد بقدر اپنے اپنے بقیہ حصے کے تقسیم کر دیا جائے گا۔ [5] (محیط از عالمگیری ج٦ ص١٠٩)

---

[1] ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا،الباب الرابع فی اجازة الولد من وصية... إلخ، ج٦،ص١٠٨.

[2] ......المرجع السابق. [3] ......المرجع السابق. [4] ......المرجع السابق. [5] ......المرجع السابق،ص١٠٩.

کس حالت میں وصیّت معتبر ھے

مسئلہ ۱: مریض نے کسی عورت کے لئے دَین (اُدھار) کا اقرار کیا یا اس کے لئے وصیّت کی یا اُسے کچھ ہبہ کیا اس کے بعد پھر اس سے نکاح کرلیا اس کے بعد اس مریض کا انتقال ہوگیا تو اس کا اقرار جائز ہے اور وصیّت اور ہبہ باطل ہے۔[1] (عالمگیری ج ٦ ص ١٠٩)

مسئلہ ۲: مریض نے اپنے کافر بیٹے یا غلام کے لئے وصیّت کی یا اسے کچھ ہبہ کیا اور اسے سونپ دیا، یا اس کے لئے دَین کا اقرار کیا، بعد میں وہ کافر بیٹا مسلمان ہوگیا یا غلام آزاد ہوگیا اور یہ مریض کی موت سے پہلے پہلے ہوگیا تو یہ وصیّت یا ہبہ یا اقرار باطل ہوجائے گا۔[2] (کافی از عالمگیری ج ٦ ص ١٠٩)

مسئلہ ۳: مریض نے وصیّت کی اس حالت میں کہ وہ ضعف وناطاقتی کی وجہ سے بات کرنے پر قادر نہ تھا، اس نے سر سے اشارہ کیا اور یہ معلوم ہو کہ اگر اس کا اشارہ سمجھ لیا گیا تو وہ جان لے گا کہ اس کا اشارہ سمجھ لیا گیا ہے تو اس کی وصیّت جائز ہے ورنہ نہیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ وہ مریض کلام کرنے پر قدرت حاصل ہونے سے قبل ہی انتقال کر جائے کیوں کہ اس صورت میں یہ ظاہر ہوگا کہ اس کے کلام کرنے سے ناامیدی ہوگئی ہے لہٰذا وہ اخرس یعنی گونگے کی طرح ہے۔[3] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج ٦ ص ١٠٩)

مسئلہ ۴: جس کے ہاتھ مارے گئے ہوں یا جس کے پیر مارے گئے ہوں، فالج زدہ اور تپ دق[4] کا مارا جبکہ ان کے امراض کو لمبی مدت گزر جانے اور ان مرحلوں کی وجہ سے موت کا اندیشہ نہ رہے تو یہ سب صحیح الجسم[5] کے حکم میں ہیں کہ اگر یہ اپنا تمام مال ہبہ کردیں تو یہ ہبہ کرنا صحیح ہے لیکن اگر دوبارہ ان کو مرض ہو تو وہ بمنزلہ نئے مرض کے ہے اگر اس وقت ان کی موت کا اندیشہ ہو تو یہ ان کا مرض الموت ہوگا لہٰذا ایسی صورت میں ان کا ہبہ کرنا صرف تہائی مال میں معتبر ہوگا یعنی وہ اپنا تہائی مال ہبہ کرسکتے ہیں زیادہ نہیں۔ (کافی از عالمگیری ج ٦ ص ١٠٩) اگر اُسے ان امراض میں سے کوئی مرض لاحق ہوا اور وہ صاحبِ فراش ہوا تو یہ اس کا مرض الموت ہوگا اور اُس کا ہبہ ثلث مال میں جاری ہوگا۔[6] (کافی از عالمگیری ج ٦ ص ١٠٩)

مسئلہ ۵: کسی نے وصیّت کی پھر اس پر جنون طاری ہوگیا اگر اس کا جنون مطبق ہے (یعنی ہمہ وقت مستقل ہے) تو معاملہ قاضی کی رائے پر ہے اگر وہ اس کی وصیّت کو جائز قرار دے تو جائز ہے ورنہ باطل، اور اگر جنون سے اچھا ہونے کی

---

1 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا،الباب الرابع فی اجازة الولد... إلخ،فصل فی اعتبارحالة الوصية، ج٦،ص١٠٩.

2 ......المرجع السابق. 3 ......المرجع السابق.

4 ......ٹی بی کا بخار۔ 5 ......یعنی غیر مریض۔

6 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا،الباب الرابع فی اجازة الولد... إلخ،فصل فی اعتبارحالة الوصية، ج٦،ص١٠٩.

میعاد مقرر کرنے کی ضرورت ہو تو فتویٰ اس پر ہے کہ حق تصرفات میں جنون مطبق کی مدت ایک سال مقرر کی جاتی ہے۔ [1] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج ۶، ص ۱۰۹)

مسئلہ ۶: جو شخص قید خانے میں محبوس ہے، قصاص میں قتل کیا جائے یا رجم (سنگسار) کیا جائے وہ مریض کے حکم میں نہیں ہے۔ (عالمگیری) لیکن جب وہ قتل کرنے کے لئے نکالا جائے اس حالت میں وہ مریض کے حکم میں داخل ہے۔ [2] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۰۹)

مسئلہ ۷: جو شخص میدان کارزار میں قتال کرنے والوں کی صف میں ہو وہ صحیح وتندرست کے حکم میں ہے لیکن جب وہ جنگ وقتال شروع کردے تو وہ مریض کے حکم میں ہے۔ [3] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۰۹)

مسئلہ ۸: جو شخص کشتی میں سفر کررہا ہے اس کا حکم صحیح وتندرست آدمی کا ہے لیکن اگر دریا میں زبردست تموّج ہو کہ کشتی ڈوب جانے کا اندیشہ ہو تو اس حالت میں وہ مریض کے حکم میں ہے۔ [4] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۰۹)

مسئلہ ۹: قیدی قتل کے لئے لایا گیا لیکن قتل نہیں کیا گیا قید خانہ واپس بھیج دیا گیا یا جنگ کرنے والا جنگ کے بعد بخیریت اپنی صف میں واپس آ گیا یا دریا کا تموّج ٹھہر گیا اور کشتی سلامت رہی تو ان صورتوں میں اس شخص کا حکم اس مریض جیسا ہے جو اپنے مرض سے شفا پا گیا اچھا ہو گیا اب اس کے تمام تصرفات اس کے تمام مال میں نافذ ہوں گے۔ [5] (شرح الطحاوی از عالمگیری ج ۶، ص ۱۰۹)

مسئلہ ۱۰: مجذوم (کوڑھی) اور باری سے بخار والا خواہ چوتھے دن بخار آتا ہو یا تیسرے دن، یہ لوگ اگر صاحب فراش ہوں تو اس مریض کے حکم میں ہیں جو مرض الموت میں ہے۔ [6] (عینی شرح الہدایہ از عالمگیری ج ۶، ص ۱۰۹)

مسئلہ ۱۱: کسی شخص پر فالج گرا اور اس کی زبان جاتی رہی یعنی بیکار ہوگئی یا کوئی شخص بیمار ہوا اور کلام کرنے پر قدرت نہیں پھر اس نے کچھ اشارے سے کہا یا کچھ لکھ دیا اور اس کا یہ مرض طویل ہوا یعنی ایک سال تک چلتا رہا تو وہ بمنزلہ گونگے کے ہے۔ [7] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج ۶، ص ۱۰۹)

مسئلہ ۱۲: عورت کو دردِ زہ [8] ہوا، اس حالت میں وہ جو کچھ کرے اس کا نفاذ ثلث مال میں ہوگا اور اگر وہ اس دردِ زہ

---

1 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الرابع فی احازة الولد...إلخ، فصل فی اعتبار حالة الوصية، ج ٦، ص ١٠٩.

2 ...... المرجع السابق. 3 ...... المرجع السابق. 4 ...... المرجع السابق.

5 ...... المرجع السابق. 6 ...... المرجع السابق. 7 ...... المرجع السابق.

8 ...... یعنی بچے کی پیدائش کا درد۔

سے جانبر ہوگئی[1] تو جو کچھ اس نے کیا پورا پورا نافذ ہوگا۔[2] (شرح الطحاوی از عالمگیری ج٦ ص١٠٩)

کون سی وصیّت مقدم ہے کون سی مؤخر

مسئلہ ١: جب متعدد وصیّتیں جمع ہوجائیں تو اس میں بہت سی صورتیں ہیں، اگر ثلث مال سے وہ تمام وصیّتیں پوری ہوسکتی ہیں تو وہ پوری کردی جائیں گی اور اگر ثلث مال میں وہ تمام وصیّتیں پوری نہیں ہوسکتیں لیکن ورثہ نے ان کو جائز کردیا تب بھی وہ تمام وصیّتیں ادا کی جائیں گی لیکن اگر ورثہ نے اجازت نہ دی تو دیکھا جائے گا کہ آیا وہ تمام وصیّتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں یا بعض تَقَرُّبْ اِلَی اللہ کے لئے اور بعض بندوں کے لئے یا کل وصیّتیں بندوں کے لئے ہیں، اگر کل وصیّتیں اللہ عزوجل کے لئے ہیں تو دیکھا جائے گا کہ آیا وہ کُل ایک ہی درجہ کے فرائض سے ہیں یا کل وصیّتیں واجبات سے ہیں یا کل کی کُل نوافل سے ہیں، اگر کل وصیّتیں ایک ہی درجہ کے فرائض سے ہیں تو پہلے وہ وصیّت پوری کی جائے گی جس کا ذکر موصی نے پہلے کیا۔[3] (بدائع از عالمگیری ج٦ ص١١٤)

مسئلہ ٢: حج اور زکوٰۃ میں اگر حج فرض ہے تو وہ زکوٰۃ پر مقدم ہے خواہ موصی نے زکوٰۃ کا ذکر پہلے کیا ہو، اور کفارۂ قتل اور کفارۂ یمین[4] میں اس کو مقدم کیا جائے گا جس کو موصی نے مقدم کیا اور ماہِ رمضان کے روزے توڑنے کے کفارہ میں اور قتل خطاء کے کفارہ میں کفارۂ قتل خطاء مقدم ہوگا۔[5] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج٦ ص١١٥)

مسئلہ ٣: حج اور زکوٰۃ مقدم ہیں کفارات پر، اور کفارات مقدم ہیں صدقۃ الفطر پر، اور صدقۃ الفطر مقدم ہے قربانی پر، اور اگر قربانی سے پہلے منذور بہ[6] کو ذکر کیا تو منذور بہ مقدم ہے قربانی پر، اور قربانی مقدم ہے نوافل پر۔ (عالمگیری) اور ان سب پر اعتاق مقدم ہے خواہ اعتاق منجز ہو یا اعتاق معلق بالموت ہو۔[7] (عالمگیری ج٦ ص١١٥)

مسئلہ ٤: حج کی وصیّت کی اور کچھ دیگر تَقَرُّب اِلَی اللہ تعالیٰ چیزوں کی وصیّت کی اور مسجد معیّن کے مصالح کے لئے اور کسی قوم کے کچھ مخصوص ومشخص[8] لوگوں کے لئے وصیّت کی اور ثلث مال میں یہ سب پوری نہیں ہوئی تو ثلث مال کو ان کے مابین

---

1. یعنی زندہ بچ گئی۔
2. "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الرابع فی اجازة الولد...إلخ، فصل فی اعتبار حالة الوصية، ج٦، ص١٠٩.
3. "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الخامس فی العتق والمحاباة...إلخ، ج٦، ص١١٤، ١١٥.
4. قسم کا کفارہ۔
5. "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الخامس فی العتق والمحاباة...إلخ، ج٦، ص١١٥.
6. جس کی منت مانی گئی۔
7. "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الخامس فی العتق والمحاباة...إلخ، ج٦، ص١١٥.
8. معلوم ومعیّن۔

تقسیم کردیا جائے گا، جتنا مال مشخص ومعین لوگوں کو ملے گا اس میں سے وہ اپنا اپنا حصہ لے لیں گے اور جتنا مال تقرّب اِلی اللہ کے حصہ میں آئے گا اگر ان میں سوائے حج کے کوئی دوسرا واجب نہیں ہے تو حج مقدم ہے اگر یہ تمام مال حج ہی کے لئے پورا ہوگیا تو تقرّبِ الی اللہ تعالیٰ کی بقیہ وصیّتیں باطل ٹھہریں گی اور اگر کچھ بچ گیا تو تقرب کی وہ وصیّت مقدم ہے، جس کو موصی نے پہلے ذکر کیا۔[1] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج ٦ ص ١١٥)

مسئلہ ۵: کچھ وصیّتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور کچھ بندوں کے لئے تو اگر موصی نے قوم کے خاص خاص معیّن لوگوں کے لئے وصیّت کی تو وہ ثلث مال میں شریک ہیں، ان کو ثلث مال میں جو حصہ ملے گا وہ بلا تقدیم وتاخیر ان سب کے لئے ہے اور جو حصہ ثلث مال میں سے اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لئے ملے گا اس میں فرائض مقدم ہوں گے پھر واجبات پھر نوافل۔[2] (عالمگیری ج ٦ ص ١١٥)

مسئلہ ٦: اگر یہ وصیّت کی کہ میرا تہائی مال حج، زکوٰۃ، کفارات میں اور زید کے لئے ہے اس صورت میں ثلث مال چار حصوں میں تقسیم ہوگا ایک حصہ موصیٰ لہ زید کے لئے، ایک حصہ حج کے لئے، ایک حصہ زکوٰۃ کے لئے اور ایک حصہ کفارات کے لئے۔[3] (بدائع از عالمگیری ج ٦ ص ١١٥)

مسئلہ ۷: کل وصیّتیں بندوں کے لئے ہیں اس صورت میں اقویٰ غیر اقویٰ پر مقدم ہوگی، اس کا لحاظ نہ کیا جائے گا کہ میت نے کس کا ذکر پہلے کیا تھا اور کس کا بعد میں، اگر وہ سب قوت میں برابر ہوں تو ہر ایک کو ثلث مال میں سے بقدر اس کے حق کے ملے گا اور اول وآخر کا لحاظ نہ ہوگا۔[4] (عالمگیری ج ٦ ص ١١٥)

مسئلہ ۸: اگر تمام وصیّتیں از قسم نوافل ہوں اور ان میں کوئی چیز مخصوص ومعیّن نہ ہو تو ایسی صورت میں میت نے جس کا ذکر پہلے کیا وہ مقدم ہوگی۔ (ظاہر الروایہ از عالمگیری ج ٦ ص ١١٥) جیسے اس نے وصیّت کی کہ میرا نفلی حج کرادینا یا ایک جان میری طرف سے آزاد کردینا یا اُس نے وصیّت کی کہ میری طرف سے غیر معیّن فقراء پر صدقہ کردینا تو ان صورتوں میں جس کا ذکر پہلے کیا وہ پوری کی جائے گی۔[5] (عالمگیری ج ٦ ص ١١٥)

مسئلہ ۹: ایک شخص نے وصیّت کی کہ سَو درہم فقراء کو دیئے جائیں اور سَو درہم اقرباء کو اور اس کی چھوٹی ہوئی نمازوں کے بدلے میں کھانا کھلایا جائے، پھر اس کا انتقال ہوگیا اور اس پر ایک ماہ کی نمازیں باقی تھیں اور اس کا ثلث مال تمام وصیّتوں کے لئے ناکافی ہے تو اس صورت میں ثلث مال کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ سو درہم فقراء پر اور سو درہم اقرباء پر اور اس کی ہر نماز

---

1 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الخامس فی العتق والمحاباة... إلخ، ج٦، ص ١١٥.

2 ......المرجع السابق. 3 ......المرجع السابق.

4 ......المرجع السابق. 5 ......المرجع السابق.

کے بدلے نصف صاع گیہوں کی جو قیمت ہو اس پر، پس جو حصہ اقرباء کو پہنچے گا وہ ان کو دیدیا جائے گا اور جو حصہ فقراء اور کھانے کا ہے اس سے کھانا کھلایا جائے اور جو کمی پڑے گی وہ فقراء کے حصہ میں آئے گی۔[1] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ۶ ص ۱۱۶)

مسئلہ ۱۰: حَجَّۃُ الْاِسْلام یعنی حج فرض کی وصیت کی تو یہ حج مرنے والے کے شہر سے سواری پر کرایا جائے گا لیکن اگر وصیت کے لئے خرچ پورا نہ ہو تو وہاں سے کرایا جائے جہاں سے خرچ پورا ہو جائے اور اگر کوئی شخص حج کرنے کے لئے نکلا اور راستہ میں انتقال ہو گیا اور اس نے اپنی طرف سے حج ادا کرنے کی وصیت کی تو اس کا حج اس کے شہر سے کرایا جائے، یہی حکم اس کے لئے ہے جو حجِ بدل کرنے والا حج کے راستہ میں مر گیا وہ حجِ بدل پھر اُس کے شہر سے کرایا جائے۔[2] (کافی از عالمگیری ج ۶ ص ۱۱۶)

اقارب و ہمسایہ وغیرھم کے لئے وصیّت کا بیان

مسئلہ ۱: اقارب کے لئے وصیّت کی تو وہ اس کے ذی رحم محرم میں سے درجہ بدرجہ زیادہ قریب کے لئے ہے اور اس میں والدین داخل نہیں اور یہ وصیّت ایک سے زیادہ کے لئے ہے۔[3] (ہدایہ ج ۴، عالمگیری ج ۶ ص ۱۱۶) امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اس سلسلہ میں چھ چیزوں کا اعتبار فرمایا ہے۔ پہلی یہ کہ اس لفظ کے مستحق موصی کے ذی رحم محرم ہیں، دوسری یہ کہ ان کے باپ اور ماں کی طرف سے ہونے میں کوئی فرق نہیں، تیسری یہ کہ وہ وارثوں میں سے نہ ہوں، چوتھی یہ کہ زیادہ قریب مقدم ہوگا اور اَبعَد[4] اَقرَب[5] سے محجوب (محروم) ہو جائے گا، پانچویں یہ کہ مستحق دو۲ یا دو۲ سے زیادہ ہوں، اور چھٹی یہ کہ اس میں والد اور ولد[6] داخل نہیں۔[7] (ہدایہ مع الکفایہ ج ۴ و درمختار)

مسئلہ ۲: اقارب کے لئے وصیّت کی تو اس میں دادا اور پوتا داخل نہیں۔[8] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۱۶ و ہدایہ مع الکفایہ ج ۴)

مسئلہ ۳: اقارب کے لئے وصیّت کی تو اگر دو۲ چچا اور دو۲ ماموں ہیں اور وہ وارث نہیں کہ مرنے والے کا بیٹا موجود ہے تو اس صورت میں یہ وصیّت دونوں چچاؤں کے لئے ہے، دونوں ماموؤں کے لئے نہیں۔[9] (بدائع از عالمگیری ج ۶ ص ۱۱۶)

---

1 ...... "الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب الخامس فی العتق والمحاباة...إلخ، ج٦، ص١١٥.

2 ...... المرجع السابق، ص١١٦.

3 ...... "الهدایة"، کتاب الوصایا، باب الوصیة للأقارب وغیرهم، ج٢، ص٥٣٠.

4 ...... دور کا رشتہ دار جس کے بیچ میں کسی رشتے کا فاصلہ ہو مثلاً باپ کے ہوتے ہوئے دادا۔

5 ...... قریب کا رشتہ دار جس کے بیچ میں کسی رشتے کا فاصلہ نہ ہو مثلاً باپ۔

6 ...... بیٹا۔

7 ...... "الکفایة" علی هامش "الفتح القدیر"، کتاب الوصایا، باب الوصیة للأقارب وغیرهم، ج٩، ص٤٠١.

8 ...... "الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب السادس فی الوصیة للأقارب...إلخ، ج٦، ص١١٦.

9 ...... المرجع السابق.

مسئلہ ۴: اقارب کے لئے وصیّت کی اور ایک چچا اور دو ماموں ہیں تو چچا کو ثلث کا نصف ملے گا اور نصفِ آخر دونوں ماموؤں کو۔ (ہدایہ ج ۴، عالمگیری ج ۶ ص ۱۱۶ و بدائع) اور اگر فقط ایک ہی چچا ہے اور ذی رحم محرم میں سے کوئی اور نہیں تو چچا کو نصف ثلث اور باقی نصف ثلث ورثہ پر رد ہوگا۔[1] (بدائع)

مسئلہ ۵: اقارب کے لئے وصیّت کی اور ایک چچا اور ایک پھوپھی، ایک ماموں اور ایک خالہ چھوڑے تو یہ وصیّت چچا اور پھوپھی کے درمیان برابر تقسیم کی جائے گی۔[2] (ہدایہ ج ۴ و عالمگیری ج ۶، ص ۱۱۶)

مسئلہ ۶: اپنے ذی قرابت یا اپنے ذی رحم کے لئے وصیّت کی اور ایک چچا اور ایک ماموں چھوڑے تو اس صورت میں اکیلا چچا کل وصیت کا مالک ہوگا۔[3] (محیط السرخسی وہدایہ ج ۴ از عالمگیری ج ۶، ص ۱۱۶)

مسئلہ ۷: اپنے اہل بیت کے لئے وصیّت کی تو اس میں اس کے مورث اعلیٰ (اقصی الاب فی الاسلام) کی تمام اولاد شامل ہوگی حتی کہ اگر موصی علوی ہے تو اس کی وصیّت میں ہر وہ شخص شامل ہوگا جو اپنے باپ کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے۔[4] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۱۶)

مسئلہ ۸: اپنے نسب یا حسب کے لئے وصیّت کی تو وہ اس کے ہر اس رشتہ دار کے لئے ہے جس کا نسب اس کے مورث اعلیٰ (اقصیٰ الاب) سے ثابت ہے۔[5] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۱۶)

مسئلہ ۹: اپنے ثلث مال کی وصیت کی اپنے اہل کے لئے یا کسی[6] کے اہل کے لئے کی تو یہ خاص طور سے زوجہ کے لئے ہے مگر استحساناً تمام گھر والوں کے لئے ہے جو اس کی عیال داری میں ہیں[7] اور جن کے نفقہ کا وہ کفیل ہے لیکن اس میں اس کے غلام شامل نہیں۔ (عالمگیری ج ۶، ص ۱۱۶) اور اگر اُس کے اہل دو شہروں میں یا دو گھروں میں رہتے ہیں وہ بھی اس وصیّت میں داخل ہیں۔[8] (تاتارخانیہ از عالمگیری ج ۶، ص ۱۱۷)

مسئلہ ۱۰: کسی نے یہ کہا کہ میں نے اپنے ثلث مال کی وصیّت اپنے قرابت داروں اور غیر کے لئے کی تو یہ کل وصیّت قرابت داروں کے لئے ہے۔[9] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۱۷)

1- ......"بدائع الصنائع"، کتاب الوصایا، وصایا اهل الذمة، ج۶، ص۴۵۳.

2- ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب السادس فی الوصیة للأقارب... إلخ، ج۶، ص۱۱۶.

3- ......المرجع السابق. 4- ......المرجع السابق. 5- ......المرجع السابق.

6- ......بہارِ شریعت میں اس مقام پر "دونوں کے اہل کے لئے" لکھا ہوا ہے، جبکہ فتاوی عالمگیری کے مطابق عبارت یوں ہونی چاہئے "یا کسی کے اہل کے لئے"، اسی وجہ سے ہم نے متن میں تصحیح کر دی ہے۔... علمیه

7- ......یعنی پرورش میں ہیں۔

8- ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب السادس فی الوصیة للأقارب... إلخ، ج۶، ص۱۱۷.

9- ......المرجع السابق.

مسئلہ ۱۱: اپنے بھائیوں کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیّت کی تو ان تمام بھائیوں کو ملے گی جو اس کے بھائیوں کی حیثیت سے مشہور ہیں اور اس کی طرف منسوب ہیں۔[1] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج۶ ص ۱۱۷)

مسئلہ ۱۲: ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے زوجہ چھوڑی اور اس زوجہ کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں، اس نے کسی اجنبی کے لئے اپنے تمام مال کی وصیّت کی اور اپنی زوجہ کے لئے جمیع مال کی وصیّت کی تو اس صورت میں اجنبی کو پہلے اس کے تمام مال کا ثلث حصہ مل جائے گا بقیہ دو ثلث کا ربع (چوتھائی) میراث میں بیوی کو ملے گا جو کہ کل کا چھٹا حصہ بنتا ہے باقی رہ گیا نصف مال تو وہ اس بیوی اور اجنبی میں برابر برابر آدھا آدھا تقسیم ہوگا۔[2] (عالمگیری ج۶ ص ۱۱۷) مثال کے طور پر موصی نے بارہ روپے چھوڑے اس میں سے ایک ثلث یعنی چار روپے تو اجنبی کو بلا منازعت پہلے ہی مل جائیں گے باقی رہے دو ثلث یعنی آٹھ روپے اس کا ربع یعنی دو روپے بیوی کو میراث میں مل جائیں گے جو کہ کُل کا چھٹا حصہ ہے، اب باقی رہا نصف مال یعنی چھ روپے تو یہ اجنبی اور بیوی کے مابین آدھے آدھے تقسیم ہوں گے اس طرح بیوی کو اس کے مال سے پانچ حصے اور اجنبی کو سات حصے ملیں گے۔ (مؤلف)

مسئلہ ۱۳: عورت کا انتقال ہوا اس نے اپنے تمام مال کی شوہر کے لئے وصیّت کی اور اس کا کوئی دوسرا وارث نہیں اور کسی اجنبی کے لئے بھی تمام مال کی وصیّت کی یا دونوں کے لئے نصف نصف مال کی وصیّت کی اس صورت میں اجنبی کو پہلے کل مال کا ایک ثلث ملے گا بقیہ دو ثلث میں سے آدھا میراث میں شوہر کو ملے گا باقی رہا ایک ثلث، اس کے تین حصے کئے جائیں گے اُن میں سے ایک حصہ اجنبی کو اور دو حصے شوہر کو ملیں گے۔[3] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج۶ ص ۱۱۷) اس صورت میں اس کا کل مال اٹھارہ حصوں میں تقسیم ہوگا، پہلے اجنبی کو چھ حصے یعنی ایک تہائی ملے گا، باقی رہے دو تہائی یعنی بارہ حصے اس میں سے آدھا یعنی چھ حصے شوہر کو ملیں گے باقی رہے چھ حصے جو کہ کل مال کا ایک ثلث ہیں اس میں سے اجنبی کو ایک ثلث یعنی ۲ دو حصے اور شوہر کو دو ثلث یعنی چار حصے ملیں گے، اس طرح شوہر کو بیوی کے کل مال میں سے دس ۱۰ حصے اور اجنبی کو آٹھ ۸ حصے ملیں گے۔ (مؤلف)

مسئلہ ۱۴: اولادِ فُلاں کے لئے وصیّت کی اور فلاں کے لئے کوئی صلبی اولاد ہی نہیں تو اس وصیّت میں اس کے بیٹوں کی اولاد داخل ہوگی۔[4] (محیط از عالمگیری ج۶ ص ۱۱۸)

مسئلہ ۱۵: فلاں کے ورثہ کے لئے وصیّت کی تو وصیّت اس طرح تقسیم ہوگی کہ مذکر کو دو حصے اور مونث کو ایک حصہ۔[5] (ہدایہ، عالمگیری ج۶ ص ۱۱۸)

---

1 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب السادس في الوصية للأقارب... إلخ، ج٦، ص١١٧.

2 ...... المرجع السابق.
3 ...... المرجع السابق.

4 ...... المرجع السابق، ص١١٧، ١١٨.
5 ...... المرجع السابق.

مسئلہ ۱۶: فلاں کی بیٹیوں (بنات) کے لئے وصیّت کی اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہیں تو وصیّت خاص طور سے بیٹیوں کے لئے ہے اور اگر اس کے بیٹے ہیں اور پوتیاں ہیں تو وصیّت پوتیوں کے لئے ہے۔[1] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۱۸)

مسئلہ ۱۷: فُلاں فُلاں کے آباء کے لئے وصیّت کی اور ان کے آباء واُمّہات[2] دونوں ہیں تو یہ دونوں وصیّت میں داخل ہیں لیکن اگر ان کے آباء اور اُمّہات نہیں بلکہ دادا اور دادیاں ہیں تو یہ وصیّت میں داخل نہیں۔[3] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۱۸)

مسئلہ ۱۸: آلِ فُلاں کے لئے وصیّت کی تو یہ اس کے تمام گھر والوں کے لئے ہے۔[4] (ہدایہ، جلد ۴) مگر اس میں بیٹیوں اور بہنوں کی اولاد داخل نہیں نہ ہی ماں کے قرابت دار داخل ہیں۔[5] (زیلعی از حاشیہ ہدایہ)

مسئلہ ۱۹: اپنے پڑوسیوں کے لئے وصیّت کی تو اس میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک وہ تمام لوگ شامل ہیں جو اس کے گھر سے ملے ہوئے ہوں لیکن صاحبین کے نزدیک وہ تمام لوگ شامل ہیں جو محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔[6] (درمختار ج ۵، ص ۴۷۶)

مسئلہ ۲۰: اپنے پڑوسیوں کے لئے ثلث مال کی وصیّت کی اگر وہ گنتی کے ہیں تو یہ ثلث مال ان کے اغنیاء وفقراء دونوں میں تقسیم کیا جائے گا یہی حکم اس وصیّت کا ہے جو اہل مسجد کے لئے کی جائے۔[7] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۱۹)

مسئلہ ۲۱: بنی فلاں کے یتامٰی (یعنی فلاں خاندانوں کے یتیموں) کے لئے وصیّت کی اور وہ گنتی کے ہیں تو وصیّت صحیح ہے، ان سب پر خرچ کی جائے گی۔ یہی حکم اس وقت ہے جب یہ کہے کہ میں نے اس گلی کے یتامٰی یا اس گھر کے یتامٰی کے لئے وصیّت کی، اگر وہ گنتی کے ہیں تو غنی وفقیر دونوں پر خرچ ہوگی اور اگر وہ ان گنت ہیں تو وصیّت جائز ہے اس صورت میں صرف فقراء پر خرچ ہوگی۔[8] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۱۹) کتنی تعداد کو ان گنت کہیں گے، بعض علماء نے اس کو رائے قاضی پر رکھا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ سَو سے زیادہ تعداد تو لاتحصٰی (ان گنت) ہے اور یہ سہل ہے۔[9] (فتاوٰی قاضی خاں)

---

1. ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا،الباب السادس فی الوصية للأقارب...إلخ، ج٦، ص١١٨.
2. ......یعنی باپ اور مائیں۔
3. ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا،الباب السادس في الوصية للأقارب...إلخ، ج٦، ص١١٨.
4. ......"الهداية"، كتاب الوصايا، باب الوصية للأقارب وغيرهم، ج٢، ص٥٣١.
5. ......"تبيين الحقائق"، كتاب الوصايا، باب الوصية للأقارب وغيرهم، ج٧، ص٤١٢، ٤١٣.
6. ......"الدر المختار"، كتاب الوصايا، باب الوصية للأقارب وغيرهم، ج١٠، ص٤٠٧.
7. ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا،الباب السادس فی الوصية للأقارب...إلخ، ج٦، ص١١٩.
8. ......المرجع السابق.
9. ......"الفتاوی الخانية"، كتاب الوصايا،فصل فی مسائل متفرقة، ج٢، ص٤٢٩.

مسئلہ ۲۲: فلاں خاندان کی بیواؤں کے لئے وصیّت کی وہ خواہ گنتی کی ہوں یا ان گنت ہوں دونوں صورتوں میں وصیّت جائز ہے، اگر گنتی کی ہیں تو وصیّت اُن پر خرچ ہوگی اور اگر ان گنت ہیں تو جو مل جائیں ان پر خرچ ہوگی۔[1] (عالمگیری ج۶ ص۱۱۹)

مسئلہ ۲۳: اپنے پڑوس یا فلاں کے پڑوسی کے لئے وصیّت کی اور وہ پڑوسی ان گنت ہیں تو وصیّت باطل ہے ایسے ہی اگر اس نے اہل مسجد کے لئے وصیّت کی یا اہل جیل خانہ (قیدیوں) کے لئے وصیّت کی وہ اَن گنت ہیں تو وصیت باطل ہے۔[2] (تاتارخانیہ از عالمگیری ج۶ ص۱۱۹)

مسئلہ ۲۴: فلاں خاندان کے اندھوں کے لئے وصیّت کی یا فلاں خاندان کے لُنجوں (یعنی اعضا سے اپاہج) کے لئے وصیّت کی یا قرض دار یا مسافرین یا قیدیوں کے لئے، اگر وہ قابلِ شمار ہیں تو غنی اور فقیر دونوں شامل ہوں گے اور اگر بے شمار ہیں تو صرف فقراء کے لئے مالِ وصیّت خرچ ہوگا۔[3] (عالمگیری ج۶ ص۱۱۹)

مسئلہ ۲۵: اپنے اصہار یعنی سسرال والوں کے لئے وصیّت کی تو یہ وصیّت اس کی بیوی کے ہر ذی رحم محرم کے لئے ہے، اسی طرح اُس میں اس کے باپ کی بیوی کے ذی رحم محرم بھی داخل ہوں گے اور اُس کے ہر ذی رحم محرم کی زوجہ بھی داخل ہے، یہ سب اس وقت داخل ہوں گے جب موصی کی موت کے دن یہ اس کے صہر ہوں۔[4] (عالمگیری ج۶ ص۱۲۰)، یعنی موصی کی زوجہ اس کی زوجیت میں ہو، طلاقِ بائن یا طلاقِ مغلظہ سے عدّت میں نہ ہو، اگر طلاقِ رجعی سے عدّت میں ہے تو وہ زوجیت میں داخل ہے۔[5] (درمختار، ردالمحتار ج۵ ص۴۷۳)

مسئلہ ۲۶: اپنے اَختان یعنی دامادوں کے لئے وصیّت کی تو اس میں اس کے ہر ذی رحم محرم کا شوہر داخل ہے، جیسے بیٹیوں کے شوہر، بہنوں کے شوہر، پھوپھیوں کے شوہر اور خالاؤں کے شوہر۔ (محیط از عالمگیری ج۶ ص۱۲۰) بیوی کی لڑکی جو اس کے شوہر اول سے ہے اس کا شوہر موصی کے دامادوں میں شامل نہیں۔[6] (تاتارخانیہ از عالمگیری ج۶ ص۱۲۰)

مسئلہ ۲۷: اولاد رسول پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے وصیّت کی تو اس وصیّت میں صرف اولاد امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما داخل ہوگی۔[7] (عالمگیری ج۶ ص۱۲۰)

---

1 ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب السادس فی الوصیة للأقارب... إلخ، ج۶، ص۱۱۹.

2 ......المرجع السابق. 3 ......المرجع السابق.

4 ......المرجع السابق، ص۱۲۰.

5 ......"الدرالمختار" و"ردالمحتار"، کتاب الوصایا، باب الوصیة للأقارب وغیرهم، ج۱۰، ص۴۰۸.

6 ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب السادس فی الوصیة للأقارب... إلخ، ج۶، ص۱۲۰.

7 ......المرجع السابق، ص۱۲۱.

مسئلہ ۲۸: علویوں[1] کے لئے وصیّت کی تو یہ وصیّت جائز نہیں کیونکہ وہ بے شمار ہیں اور وصیّت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو فقیر وحاجت مندی کا اشارہ کرے، ہاں اگر فقراء علویوں کے لئے وصیّت کی تو جائز ہے۔[2] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۲۱)

مسئلہ ۲۹: فقہاء کے لئے وصیّت کی تو جائز نہیں اور اگر ان کے فقراء کے لئے وصیّت کی تو جائز ہے اسی طرح اگر طلبائے علم کے لئے وصیّت کی تو ناجائز اور اگر ان کے فقراء کے لئے کی تو جائز ہے۔[3] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۲۱)

مسئلہ ۳۰: کسی شہر کے اہل علم کے لئے وصیّت کی، اس میں اہل فقہ اور اہل حدیث شامل ہیں، لیکن اہل منطق و اہل فلسفہ شامل نہیں، نہ ہی اس میں علم کلام پڑھنے والے داخل ہیں۔ حضرت ابو القاسم فقیہ سے روایت ہے کہ کتبِ کلام کتبِ علم نہیں۔[4] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۲۱)

مسئلہ ۳۱: اپنے ثلث مال کی وصیّت کی کہ میرا ثلث مال فلاں کے لئے ہے اور مسلمانوں میں سے ایک شخص کے لئے، تو نصف ثلث فُلاں کو دیا جائے گا اور اس شخص کے لئے کچھ نہیں۔[5] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۲۱)

مسئلہ ۳۲: قبر کو لیپنے پوتنے کی[6] وصیّت کی اگر یہ حفاظتِ قبر کے لئے ہے تو جائز اور اگر تزئین کے لئے[7] ہے تو ناجائز، اور یہی حکم مزارات پر قبہ[8] بنانے کا ہے خصوصاً اولیاء اللہ کے مزارات پر بہ نیتِ آسائش زائرین[9] وتحصینِ قبر[10]۔[11] (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۱۵۱ بحوالہ درمختار، عالمگیری وبزازیہ)

مسئلہ ۳۳: اپنی قبر پر قرآن شریف پڑھنے کی وصیّت کی یہ وصیّت جائز ہے مگر اجرت پر جائز نہیں۔[12] (درمختار، ردالمحتار ج ۵ ص ۴۸۵)

مسئلہ ۳۴: وصیّت کی کہ مجھے میرے گھر میں دفن کریں تو یہ وصیّت باطل ہے کہ یہ خاص ہے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے، امت کے حق میں مشروع نہیں۔[13] (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۱۵۲ بحوالہ خلاصہ، بزازیہ، تاتارخانیہ وہندیہ)

---

1 ...... علوی کی جمع، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن مبارک سے نہ ہو۔

2 ...... "الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب السادس فی الوصیة للأقارب... إلخ، ج۶، ص ۱۲۱.

3 ...... المرجع السابق

4 ...... المرجع السابق.

5 ...... المرجع السابق.

6 ...... یعنی پلستر وغیرہ کرنے کی۔

7 ...... سجاوٹ وخوبصورتی کے لیے۔

8 ...... گنبد۔

9 ...... یعنی زیارت کرنے والوں کے سکون وآرام کے لیے۔

10 ...... یعنی حفاظت قبر کے لیے۔

11 ...... "الدرالمختار"، کتاب الوصایا، باب الوصیة للأقارب وغیرھم، ج ۱۰، ص ۴۱۹.
و "الفتاوی الرضویة"، کتاب الوصایة، ج ۲۵، ص ۴۲۴.

12 ...... "الدرالمختار" و "ردالمحتار"، کتاب الوصایا، باب الوصیة للأقارب وغیرھم، ج ۱۰، ص ۴۲۰.

13 ...... "الفتاوی الرضویة"، کتاب الوصایة، ج ۲۵، ص ۴۲۵.

مکان میں رہنے اور خدمت کرنے، درختوں کے پھلوں، باغ کی آمدنی اور زمین کی آمدنی اور پیداوار کی وصیّت کا بیان

مسئلہ ۱: گھر کے کرایہ کی آمدنی کی وصیّت کی تو موصیٰ لہ کو اس میں رہنے کا حق نہیں اور اگر زید کے لئے ایک سال تک اپنے دار (گھر) میں سکونت کی وصیّت کی اور دار کے موصی کا اور کچھ مال نہیں ہے تو زید اس میں سے تہائی دار میں رہے گا اور ورثہ دو تہائی دار میں، ورثہ کو اختیار نہیں کہ وہ اپنا مقبوضہ فروخت کر دیں۔[1] (بدائع از عالمگیری ج ۶ ص ۱۲۲)

مسئلہ ۲: یہ کہا یہ بھوسا فُلاں کے جانوروں کے لئے ہے، تو یہ وصیت باطل ہے اور اگر یہ وصیّت کی کہ فلاں کے جانوروں کو کھلایا جائے تو وصیّت جائز ہے۔[2] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ۶ ص ۱۲۲)

مسئلہ ۳: کسی شخص کے لئے اپنے گھر میں رہنے کی وصیّت کی اور مدت اور وقت مقرر نہیں کیا تو یہ وصیّت تاحیاتِ موصیٰ لہ ہے۔[3] (المنتقٰی از عالمگیری ج ۶ ص ۱۲۲)

مسئلہ ۴: کسی شخص کے لئے اپنے گھر میں رہنے کی وصیّت کی تو اسے اس گھر کو کرایہ پر دینے کا حق نہیں۔[4] (محیط السرخسی از عالمگیری ج ۶ ص ۱۲۲)

مسئلہ ۵: کسی نے اپنے باغ کے محاصل وپیداوار کی وصیّت کی تو موصیٰ لہ کے لئے اس کے موجودہ محاصل وپیداوار ہیں اور جو کچھ آئندہ ہوں۔[5] (کافی از عالمگیری ج ۶ ص ۱۲۲) ملحوظ رہے کہ عربی زبان میں بستان اس باغ کو کہتے ہیں جس کی چار دیواری بنی ہو، اس چہار دیواری کے اندر جو درخت یا زراعت ہو وہ سب بستان میں شامل ہے اور باغ سے ان مسائل میں مراد ایسا ہی باغ ہے۔ (مؤلف)

مسئلہ ۶: کسی کے لئے اپنے باغ کے پھلوں کی وصیّت کی تو اس کی دو صورتیں ہیں یا یہ کہا کہ ہمیشہ کے لئے یا ہمیشہ کا لفظ نہیں کہا۔ اگر ہمیشہ کا لفظ نہیں کہا تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں اگر اس کے باغ میں اس کی موت کے دن پھل لگے ہیں تو موصیٰ لہ کے لئے اس کے ثلث مال میں سے صرف ان ہی پھلوں سے دیا جائے گا اور اس کے بعد جو پھل آئیں گے موصیٰ لہ کا ان میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اور اگر موصی کی موت کے دن باغ میں پھل نہیں لگے تھے تو قیاس یہ ہے کہ یہ وصیّت باطل مگر استحسان میں وصیّت باطل نہیں بلکہ موصیٰ لہ کو اس کی تاحیات اس باغ کے پھل ملتے رہیں گے بشرطیکہ وہ بستان اس کے ثلث مال سے زائد نہ ہو، یہ تمام صورتیں اس وقت ہیں جب موصی نے وضاحت نہیں کی اور اگر اس نے وضاحت کر دی اور یوں کہا کہ میں نے تیرے لئے ہمیشہ کے واسطے اپنے

---

1 ...... "الفتاوی الهندية"، کتاب الوصايا، الباب السابع فی الوصية بالسكنٰی... إلخ، ج ٦، ص ١٢٢.

2 ...... المرجع السابق. 3 ...... المرجع السابق. 4 ...... المرجع السابق.

5 ...... "الفتاوی الهندية"، کتاب الوصايا، الباب السابع فی الوصية بالسكنٰی... إلخ، ج ٦، ص ١٢٢.

باغ کے پھلوں کی وصیّت کی تو اسے موجودہ پھل بھی ملیں گے اور جو بعد میں پیدا ہوتے رہیں وہ بھی۔[1] (عالمگیری ج۶ ص۱۲۲)

مسئلہ ۷: اپنے باغ کے پھلوں و پیداوار کی ہمیشہ کے لئے کسی کے لئے وصیّت کی پھر اس کے کھجور کے درختوں کی جڑوں سے اور درخت پیدا ہوگئے تو ان کی پیداوار اور محاصل بھی وصیّت میں داخل ہوں گے۔[2] (المنتقٰی از عالمگیری ج۶ ص۱۲۲)

مسئلہ ۸: اپنے باغ کے پھلوں کے ثلث کی وصیّت کی اور موصی کا اور کوئی مال سوائے اس بستان (باغ) کے نہیں ہے تو یہ وصیّت جائز ہے اور موصٰی لہ اس کا ثلث پانے کا مستحق ہے اگر موصٰی لہ نے باغ کا تہائی حصہ ورثہ سے تقسیم کرلیا پھر اس حصہ سے آمدنی ہوئی جو موصٰی لہ کے پاس آیا اور ورثہ کے حصے میں آمدنی نہیں ہوئی یا ورثہ کے حصہ میں آمدنی ہوئی اور موصٰی لہ کے حصہ میں آمدنی نہیں ہوئی تو دونوں صورتوں میں وہ ورثا اور موصٰی لہ ایک دوسرے کے شریک ہوں گے۔[3] (عالمگیری، ج۶ ص۱۲۲)

مسئلہ ۹: کسی کے لئے ثلث بستان کی وصیّت کی تو ورثہ کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے حصہ کا دوثلث بستان فروخت کردیں، ایسی صورت میں دوثلث کا خریدار موصٰی لہ کے ساتھ شریک ہوجائے گا۔[4] (عالمگیری ج۶ ص۱۲۳)

مسئلہ ۱۰: ایک شخص نے کسی کے لئے اپنی زمین کی پیداوار کی وصیّت کی اور اس زمین میں کھجور کے درخت ہیں اور نہ اور کوئی درخت ہے اور موصی کا اس کے سوا اور مال بھی نہیں ہے تو اس کو کرایہ پر اٹھایا جائے گا اور اس کرایہ کا ایک ثلث موصٰی لہ کو دیا جائے گا اور اگر اس میں کھجور کے درخت ہیں اور اور بھی درخت ہیں تو ان درختوں کی پیداوار کا ثلث موصٰی لہ کو ملے گا۔[5] (عالمگیری ج۶ ص۱۲۳)

مسئلہ ۱۱: وصیّت کرنے والے نے کسی کے لئے اپنی بکریوں کی اُون کی یا اپنی بکریوں کے بچوں کی یا ان کے دودھ کی ہمیشہ کے لئے وصیّت کی تو ان تمام صورتوں میں موصٰی لہ کو ان بکریوں کا وہی اون ملے گا جو وصیّت کرنے والے کی موت کے دن ان کے جسم پر ہے اور وہی بچے ملیں گے جو موصی کی موت کے دن ان کے پیٹوں میں ہیں اور وہی دودھ ملے گا جو موصی کی موت کے دن ان کے تھنوں میں ہے خواہ موصی نے وصیّت میں ہمیشہ کا لفظ کہا یا نہ کہا۔[6] (ہدایہ از عالمگیری ج۶ ص۱۲۳)

مسئلہ ۱۲: کسی شخص نے اپنے بستان (باغ) کی پیداوار کی وصیت کی پھر موصٰی لہ نے میت کے ورثہ سے غلہ کے عوض پورا باغ خرید لیا تو یہ جائز ہے اس صورت میں وصیّت باطل ہوجائے گی اسی طرح اگر ورثہ نے باغ اس کو فروخت نہیں کیا لیکن انھوں نے کچھ مال دے کر موصٰی لہ کو اپنے حصہ کے غلّہ سے بری ہونے پر راضی کرلیا تو یہ بھی جائز ہے۔[7] (عالمگیری ج۶ ص۱۲۳)

---

1 ...... "الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب السابع فی الوصیة بالسکنٰی... إلخ، ج۶، ص۱۲۲، ۱۲۳.

2 ...... المرجع السابق، ص۱۲۳.

3 ...... المرجع السابق.

4 ...... المرجع السابق.

5 ...... المرجع السابق.

6 ...... المرجع السابق.

7 ...... المرجع السابق.

مسئلہ ۱۳: اپنے گھر کے کرایہ کی مساکین میں تقسیم کرنے کی وصیّت کی تو یہ اس کے ثلث مال میں سے جائز ہے اور اگر مساکین کے لئے اپنے گھر میں رہنے یا اپنی سواری پر سوار ہونے کی وصیّت کی تو یہ جائز نہیں مگر یہ کہ موصیٰ لہ معلوم ہو۔[1] (محیط از عالمگیری ج۶،ص۱۲۳)

مسئلہ ۱۴: مساکین کے لئے اپنے انگور کے باغ کی بہار کی تین سال تک کے لئے وصیّت کی اور مرگیا اور تین سال تک اس کے انگور کے باغ میں انگور کی بہار نہ آئی تو بعض کے قول پر یہ باغ موقوف رہے گا جب تک اس کی تین سال کی بہار مساکین پر صدقہ نہ کردی جائے، فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا یہ قول ہمارے اصحاب کے مطابق ہے۔[2] (عالمگیری ج۶ص۱۲۳)

مسئلہ ۱۵: اپنے جسم کے لباس کی وصیّت کی تو یہ جائز ہے اور موصیٰ لہ کو اس کے جُبّے، قمیص، چادریں اور پاجامے ملیں گے، اس کی ٹوپیاں، موزے، جرابیں اس میں شامل نہ ہوں گے۔[3] (فتاوٰی قاضی خاں از عالمگیری ج۶،ص۱۲۳)

مسئلہ ۱۶: یہ وصیّت کی کہ یہ کپڑے صدقہ کردو تو یہ جائز ہے کہ وہ کپڑے فروخت کر کے ان کی قیمت صدقہ کردیں یا چاہیں تو کپڑے فروخت نہ کریں رکھ لیں اور ان کی قیمت دے دیں۔[4] (عالمگیری ج۶،ص۱۲۳)

مسئلہ ۱۷: کسی آدمی کو یہ وصیّت کی کہ میری زمین سے دس جریب (گٹھ) زمین ہر سال کاشت کرے اس صورت میں بیج، خراج (مالگذاری) اور آبپاشی[5] موصیٰ لہ[6] کے ذمہ ہوگی اور اگر وصیّت میں یہ کہا کہ ہر سال میری دس جریب زمین میرے لئے کاشت کرے اس صورت میں بیج، مالگذاری اور آبپاشی متوفّی موصی کے مال سے دیئے جائیں گے۔[7] (عالمگیری ج۶ص۱۲۴)

مسئلہ ۱۸: کسی شخص کے لئے کھجور کے باغ کی کھجوروں کی وصیّت کی جو کہ تیار تھیں یا کاشت کی وصیّت کی جو کاٹے جانے کے قریب تھیں لیکن فصل کاٹی نہیں گئی تھی تو مال گزاری موصیٰ لہ پر ہے لیکن اگر باغ کے پھل توڑ لئے گئے اور کھیتی کاٹ لی گئی تو متوفّی موصیٰ لہ کے مال سے مال گزاری دی جائے گی۔[8] (تاتارخانیہ از عالمگیری ج۶،ص۱۲۴)

مسئلہ ۱۹: موصی نے کسی کے لئے اپنی تلوار کی وصیّت کی تو اس میں تلوار کا پرتلہ[9] اور حمائل[10] داخل ہے۔[11] (عالمگیری ج۶،ص۱۲۴)

---

1. ......"الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب السابع فی الوصیة بالسکنٰی...إلخ، ج۶، ص۱۲۳.
2. ......المرجع السابق.
3. ......المرجع السابق.
4. ......المرجع السابق.
5. ......یعنی زمین کو پانی دینا۔
6. ......جس کے لیے وصیت کی۔
7. ......"الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب السابع فی الوصیة بالسکنٰی...إلخ، ج۶، ص۱۲٤.
8. ......المرجع السابق.
9. ......وہ پٹی یا تسمہ جس میں تلوار لٹکی رہتی ہے۔
10. ......وہ پرتلا جو شانے پر ترچھا پڑتا ہے۔
11. ......"الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب السابع فی الوصیة بالسکنٰی...إلخ، ج۶، ص۱۲٤.

مسئلہ ۲۰: کسی کے لئے مصحف (قرآن پاک) کی وصیّت کی اور مصحف کا غلاف بھی ہے تو اس کو مصحف ملے گا غلاف نہیں۔[1] (قدوری از عالمگیری ج۶ ص۱۲۴)

مسئلہ ۲۱: سرکہ کے مٹکے کی وصیّت کی تو اس میں مٹکا شامل ہے اور اگر جانوروں کے گھر (یعنی وہ گھر جس میں جانور رکھے جاتے ہیں) کی وصیّت کی تو وصیّت دار (گھر) کی ہے اس میں جانور شامل نہیں، ایسے ہی کھانے کی کشتی (ٹرے) کی وصیّت کی تو اس میں کا کھانا دیا جائے گا کشتی (ٹرے) نہیں۔[2] (محیط السرخسی از عالمگیری ج۶ ص۱۲۴)

مسئلہ ۲۲: کسی کے لئے میزان (ترازو) کی وصیّت کی تو اس میں اس کا عمود (ڈنڈی) پلڑے اور اس کی ڈسیں[3] شامل ہیں، باٹ،[4] بٹہ اور مٹھیہ (علاق)[5] شامل نہیں لیکن اگر ترازو معین کر دی تو اس میں باٹ اور علاق بھی شامل ہوں گے۔[6] (عالمگیری ج۶ ص۱۲۴)

مسئلہ ۲۳: اپنی بکریوں میں سے کسی کے لئے ایک بکری کی وصیّت کی اور یہ نہیں کہا کہ میری ان بکریوں میں سے، پھر وارثوں نے اسے وہ بکری دی جس نے موصی کی موت کے بعد بچہ جنا تو یہ بچہ بکری کے ساتھ شامل نہ ہوگا یعنی فقط بکری ملے گی۔[7] (عالمگیری ج۶ ص۱۲۴)

مسئلہ ۲۴: اور اگر یہ کہا کہ میں نے فلاں کے لئے اپنی بکریوں میں سے ایک بکری کی وصیّت کی اور وارثوں نے اس موصٰی لہ کو وہ بکری دی جس نے موصی کی موت کے بعد بچہ دیا تو وہ بچہ اس بکری کا تابع ہوگا یعنی بکری مع بچہ کے موصٰی لہ کو دی جائے گی اور اگر وارثوں نے بکری معیّن کرنے سے پہلے پہلے بچہ کو ضائع کر دیا یعنی ہلاک کر دیا تو ان پر اس کا ضمان نہیں۔[8] (عالمگیری ج۶ ص۱۲۴)

مسئلہ ۲۵: دار (گھر) کی ایک شخص کے لئے وصیّت کی اور اس کی بنیاد کی دوسرے کے لئے، یا یہ کہا کہ یہ انگوٹھی فلاں کے لئے ہے اور اس کا نگینہ دوسرے کے لئے یا یہ کہا کہ یہ کنڈیا (زنبیل)[9] فلاں کے لئے اور اس میں کے پھل فلاں کے لئے، تو ان تمام صورتوں میں اگر اس نے متصلاً بلافصل کہا تو ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی وصیّت اس کے لئے کی اور اگر متصلاً نہیں کہا بلکہ

---

1. ....."الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب السابع فی الوصیة بالسکنٰی...إلخ، ج٦، ص١٢٤.
2. .....المرجع السابق.
3. .....ترازو کی ڈوریاں۔
4. .....اشیاء تولنے کے لیے ترازو پر رکھا جانے والا پتھر وغیرہ۔
5. .....موٹھ جہاں سے ترازو کو پکڑتے ہیں۔
6. ....."الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب السابع فی الوصیة بالسکنٰی...إلخ، ج٦، ص١٢٤.
7. .....المرجع السابق.
8. .....المرجع السابق.
9. .....پھلوں کی ٹوکری۔

فصل کیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک یہی حکم ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ اصل (یعنی دار یا انگوٹھی یا کنڈیا) تنہا پہلے کو ملے گی اور تابع میں دونوں شریک ہوں گے۔[1] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۲۵ بحوالہ کافی) یعنی اس صورت میں گھر تنہا پہلے کو ملے گا بناء مشترک ہوگی، کنڈیا پہلے کو ملے گی پھل مشترک ہوں گے اور انگوٹھی پہلے کو ملے گی اور نگینہ مشترک ہوگا۔

مسئلہ ۲۶: اور اگر یہ وصیّت کی کہ یہ گھر فلاں کے لئے ہے اور اس میں رہائش فلاں کے لئے یا یہ درخت فلاں کے لئے ہے اور اس کا پھل فلاں کے لئے یا یہ بکری فلاں کے لئے اور اس کی اُون فلاں کے لئے تو جس کے لئے جو وصیّت کی اس کو بلا اختلاف وہی ملے گا خواہ اس نے یہ متصلاً کہا ہو یا درمیان میں فصل کیا ہو۔[2] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۲۴)

مسئلہ ۲۷: کسی شخص کے لئے اپنے دار (مکان) کی وصیّت کی اور اس میں بنے ہوئے ایک خاص بیت (کمرہ) کی وصیت کسی دوسرے کے لئے کی تو وہ خاص بیت ان دونوں کے درمیان بقدر ان کے حصہ کے مشترک ہوگا۔[3] (عالمگیری ج۶ ص۱۲۵)

مسئلہ ۲۸: کسی کے لئے معینہ ایک ہزار درہم کی وصیّت کی اور ان میں سے ایک سو درہم کی دوسرے کے لئے وصیّت کی تو ایک ہزار والے کو نو سو درہم ملیں گے اور سو درہم دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوں گے۔[4] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۲۵)

مسئلہ ۲۹: اگر ایک شخص کے لئے مکان کی وصیّت کی اور اس کی بناء[5] کی دوسرے کے لئے تو بناء ان دونوں کے درمیان حصۂ رسدی[6] تقسیم ہوگی۔[7] (بدائع از عالمگیری ج ۶ ص ۱۲۵)

مسئلہ ۳۰: موصی نے اپنے جانور کی ایک شخص کے لئے وصیّت کی اور اس کی سواری اور منفعت کی دوسرے کے لئے وصیّت کی تو ہر موصیٰ لہ کے لئے وہی ہے جس کی اس کے لئے وصیّت کی۔[8] (مبسوط از عالمگیری ج ۶ ص ۱۲۵)

مسئلہ ۳۱: ایک شخص کے لئے اپنے گھر کے کرایہ کی وصیّت کی اور دوسرے کے لئے اس میں رہنے کی وصیّت کی اور تیسرے شخص کے لئے اس کے رقبہ کی وصیّت کی اور یہ ایک ثلث ہے پس کسی شخص نے موصی کی موت کے بعد اس کو منہدم کر دیا تو جتنا اس نے گرایا ہے اس کی قیمت کا تاوان اُس پر ہے پھر اس قیمت سے مکان بنائے جائیں جیسے بنے ہوئے تھے اور کرایہ پر دیا جائے، تو جس کے لئے کرایہ کی وصیّت کی اسے کرایہ اور جس کے لئے سکونت کی وصیّت کی اسے حق سکونت ملے گا، یہی حکم بستان (باغ) کی وصیّت کا ہے کہ اس نے ایک شخص کے لئے بستان کی پیداوار کی وصیّت کی اور دوسرے کے لئے اس کے رقبہ کی، پھر کسی شخص نے اس میں سے درخت کاٹ لئے تو اس پر درختوں کی قیمت کا تاوان ہے اس قیمت سے

---

1. "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب السابع فی الوصية بالسكنٰى... إلخ، ج ٦، ص ١٢٥.
2. المرجع السابق.
3. المرجع السابق.
4. المرجع السابق.
5. بنیاد۔
6. جو حصے میں آتا ہے اس کے مطابق۔
7. "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب السابع فی الوصية بالسكنٰى... إلخ، ج ٦، ص ١٢٥.
8. المرجع السابق، ص ١٢٦.

درخت خرید کر لگائے جائیں گے۔ [1] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۲۷)

مسئلہ ۳۲: موصی نے ایک شخص کے لئے اپنے باغ کی آمدنی کی وصیّت کی اور دوسرے کے لئے باغ کے رقبہ کی وصیّت کی اور یہ اس کا ثلث مال ہے تو باغ کا رقبہ اس کے لئے ہے جس کے واسطے رقبہ کی وصیّت کی اور اس کی آمدنی اس کے لئے جس کے واسطے اس کی آمدنی کی وصیّت کی جب تک موصیٰ لہ زندہ ہے اور اس صورت میں باغ کی آبپاشی، مال گذاری اور اس کی اصلاح ومرمت آمدنی والے پر ہے۔ [2] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۲۷)

مسئلہ ۳۳: موصی نے ہمیشہ کے لئے اپنی بکریوں کی اُون کی یا ان کے دودھ کی یا ان کے گھی کی یا ان کے بچوں کی کسی کے لئے وصیّت کی تو یہ وصیّت صرف اس اون میں جاری ہوگی جو موصی کی موت کے دن ان بکریوں کی پیٹھوں پر ہے یا وہ دودھ جو ان کے تھنوں میں ہے یا وہ گھی جو ان کے تھنوں کے دودھ سے برآمد ہو یا وہ بچے جو ان کے پیٹ میں ہوں جس دن کہ موصی کی موت ہوئی، اس کی موت کے بعد پھر جو کچھ پیدا ہوگا اس میں وصیّت جاری نہ ہوگی۔ [3] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۲۷)

مسئلہ ۳۴: موصی نے کسی کے لئے ہمیشہ کے واسطے اپنے کھجوروں کے باغ کے محاصل (آمدنی) کی وصیّت کی اور دوسرے کے لئے اس باغ کے رقبہ کی وصیّت کی اور اس باغ میں بہار (پھل) نہیں آئی تو اس صورت میں اس کی آبپاشی اور اس کی اصلاح کا خرچہ ومرمت صاحب رقبہ پر ہے پھر جب اس پر پھل آجائیں تو یہ خرچہ آمدنی لینے والے پر ہے اور اگر ایک سال پھل آئے پھر نہ آئے تب بھی اس کی اصلاح وخرچہ کی ذمہ داری آمدنی لینے والے پر ہے، اگر آمدنی لینے والے نے خرچہ نہ کیا اور صاحب رقبہ نے خرچہ کیا یہاں تک کہ باغ میں پھل آگئے تو صاحب رقبہ اس سے اپنا خرچہ وصول کرے گا۔ [4] (مبسوط از عالمگیری ج ۶، ص ۱۲۷)

مسئلہ ۳۵: یہ وصیّت کی کہ ان تِلوں کا تیل فلاں کے لئے اور اس کی کھلی [5] دوسرے کے لئے ہے تو تیل نکالنے کی ذمہ داری اس کی ہے جس کے لئے تیل کی وصیّت کی۔ [6] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ۶، ص ۱۲۷)

مسئلہ ۳۶: انگوٹھی کے حلقہ [7] کی ایک شخص کے لئے وصیّت کی اور اس کے نگینہ کی دوسرے کے لئے تو یہ وصیّت جائز ہے اگر اس کا نگ نکالنے میں انگوٹھی کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو دیکھا جائے گا اگر حلقہ کی قیمت نگ سے زیادہ ہے تو حلقہ والے سے کہا جائے گا کہ وہ نگ والے کو نگ کی قیمت ادا کرے اور اگر نگ کی قیمت زیادہ ہے تو نگ والے سے

---

1 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب السابع فی الوصية بالسكنٰی... إلخ، ج ٦، ص ١٢٧.

2 ...... المرجع السابق. 3 ...... المرجع السابق. 4 ...... المرجع السابق.

5 ...... تیل نکالنے کے بعد تلوں کا بچا ہوا پھوک۔

6 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب السابع فی الوصية بالسكنٰی... إلخ، ج ٦، ص ١٢٧.

7 ...... نگینے کے علاوہ دھات کی بقیہ انگوٹھی۔

کہا جائے گا کہ وہ انگوٹھی کے حلقہ کی قیمت ادا کرے۔[1] (عالمگیری ج ٦ ص ١٢٧)

مسئلہ ٣٧: ایک شخص نے کسی کے لئے اپنے بستان (باغ) کے ان پھلوں کی وصیّت کی جو اُس میں موجود ہیں اوراس نے اس کے لئے اس کے پھلوں کی ہمیشہ کے لئے بھی وصیّت کی، اس کے بعد موصی کا انتقال ہوگیا اور موصی کا اس کے سوا اور مال نہیں ہے اور باغ میں پھل سو روپے کی قیمت کے ہیں اور پورے باغ کی قیمت تین سو روپے کے مساوی ہے، اس صورت میں موصٰی لہ کے لئے باغ میں موجود پھلوں کا تہائی حصہ ہے اور آئندہ جو پھل آئیں گے ان میں سے ہمیشہ اس کو ایک ثلث ملتا رہے گا۔[2] (عالمگیری ج ٦، ص ١٢٧)

مسئلہ ٣٨: یہ وصیّت کی کہ میرے مال سے فلاں شخص پر ہر ماہ پانچ درہم خرچ کیے جائیں تو اس کے مال کا ایک ثلث رکھ لیا جائے گا تاکہ موصٰی لہ پر ہر ماہ پانچ درہم خرچ کیے جاتے رہیں جیسا کہ موصی نے وصیّت کی ہے۔[3] (مبسوط از عالمگیری ج ٦ ص ١٢٨)

مسئلہ ٣٩: ایک شخص نے دو آدمیوں کے لئے وصیّت کی کہ ان میں سے ہر ایک پر میرے مال سے اتنا اتنا خرچ کیا جائے تو اس کا ایک ثلث مال ان دونوں پر خرچ کے لئے رکھ لیا جائے گا پھر اگر وارثوں نے ان میں سے کسی ایک سے کچھ دے کر مصالحت کر لی اور وہ وصیّت سے دستبردار ہوگیا تو اس صورت میں موصی کا کل ثلث مال دوسرے پر خرچ کرنے کے لئے رکھ لیا جائے گا اور وارثوں کے حق میں دستبرداری دینے والے کا حق وارثوں کو نہ ملے گا۔[4] (محیط از عالمگیری ج ٦، ص ١٢٧)

مسئلہ ٤٠: ایک شخص نے وصیّت کی کہ میرے مال میں سے فلاں شخص پر اس کی تاحیات ہر ماہ پانچ درہم خرچ کیے جائیں اور ایک دوسرے شخص کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیّت کی اور ورثہ نے اس کی اجازت دے دی تو اس صورت میں اس کا مال چھ حصوں میں تقسیم ہو کر ایک حصہ موصٰی لہ ثلث[5] کو ملے گا اور باقی پانچ حصے محفوظ رکھے جائیں گے ان میں سے پانچ درہم والے پر ہر ماہ پانچ درہم خرچ کیے جائیں گے اور اگر یہ شخص جس کے لئے پانچ درہم ہر ماہ خرچ کرنے کی وصیّت کی تھی اپنے حصہ کا محفوظ روپیہ خرچ ہونے سے پہلے ہی مر گیا تو جس کے لئے ثلث مال کی وصیّت کی تھی اس کا ثلث پورا کیا جائے گا اور یہ ثلث مال اس دن کے حساب سے لگایا جائے گا جس دن کہ موصی کی[6] موت ہوئی لیکن اگر مال کا دو ثلث حصہ سے زیادہ خرچ ہو چکا تھا اور اب جو باقی بچا اس سے موصٰی لہ ثلث کا ثلث پورا نہیں ہوتا تو اس صورت میں اس مرنے والے کے حصہ میں سے جو نفقہ بچا ہے وہ اسے دے دیا جائے گا اور اس کا ثلث پورا نہیں کیا جائے گا اور اگر مال اتنا بچ گیا تھا کہ موصٰی لہ ثلث کا ثلث پورا ہو کر بچ گیا تو جو باقی بچا وہ موصی کے ورثہ کو ملے گا نہ کہ اس کے ورثہ کو جس کے لئے پانچ درہم ماہانہ خرچ کرنے کی وصیّت کی تھی۔[7] (عالمگیری ج ٦، ص ١٢٨)

---

1 ...... "الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الوصایا، الباب السابع فی الوصیۃ بالسکنٰی... إلخ، ج٦، ص١٢٧.

2 ...... المرجع السابق. 3 ...... المرجع السابق، ص١٢٨. 4 ...... المرجع السابق.

5 ...... یعنی جس کے لیے ثلث مال کی وصیت کی ہے۔ 6 ...... وصیت کرنے والے کی۔

7 ...... "الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الوصایا، الباب السابع فی الوصیۃ بالسکنٰی... إلخ، ج٦، ص١٢٨.

مسئلہ ۴۱: اگر دو آدمیوں کے لئے یہ وصیّت کی کہ ان دونوں پر ان کی تاحیات میرے مال سے ہر ماہ دس درہم خرچ کئے جائیں اور ایک تیسرے کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیّت کی تو اگر ورثہ نے اس کی اجازت دی تو اس کا مال چھ حصوں میں تقسیم ہوگا اور اگر ورثہ نے اجازت نہ دی تو دو برابر حصوں میں تقسیم ہوگا اور اگر ان دونوں آدمیوں سے جن کے لئے تاحیات دس درہم ماہانہ کی وصیّت کی تھی ایک آدمی کا انتقال ہوگیا تو اس کا حصہ اس کو نہیں ملے گا جس کے لئے ثلث مال کی وصیّت کی تھی بلکہ جو کچھ ان دو آدمیوں کے لئے محفوظ رکھا تھا وہ ویسے ہی محفوظ رہے گا اور اسے اس ایک پر خرچ کیا جائے گا جو ان دونوں میں سے زندہ باقی ہے۔[1] (عالمگیری ج۶ ص۱۲۸، کتاب الوصایا)

مسئلہ ۴۲: اگر میت نے یہ وصیّت کی کہ میں نے فلاں کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیّت کی اور فلاں کے لئے اس پر تاحیات ہر ماہ پانچ درہم خرچ کرنے کی وصیّت کی اور ایک دوسرے کے لئے تاحیات اُس کی اُس پر پانچ درہم خرچ کرنے کی وصیّت کی تو اگر ورثہ نے اس کی اجازت دے دی تو اس کا مال نو حصوں میں منقسم ہوگا، جس کے لئے ثلث مال کی وصیّت کی اس کو ایک حصہ اور بقیہ بعد والے دونوں موصیٰ لہما کے لئے چار چار حصے محفوظ رکھے جائیں گے اور ان پر ہر ماہ خرچ ہوں گے۔[2] (عالمگیری ج۶ ص۱۲۸)

مسئلہ ۴۳: اگر میت نے وصیّت کی کہ میرے مال سے فلاں پر اس کی تاحیات پانچ درہم ماہانہ خرچ کیا جائے اور فلاں اور فلاں پر ان کی تاحیات دس درہم ماہانہ خرچ کیے جائیں، ہر ایک کے لئے پانچ درہم، اور ورثہ نے اس کی اجازت دے دی تو مال موصیٰ لہ اور موصیٰ لہما کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا اس طرح کہ جس کے لئے پانچ درہم ماہانہ کی وصیّت کی اسے ایک نصف اور جن دو کے لئے دس درہم ماہانہ کی وصیّت کی انھیں دوسرا نصف، اس طرح نصف مال پہلے ایک کے لئے اور نصف مال دوسرے دو کے لئے محفوظ رکھا جائے گا اور ان پر ماہ بماہ خرچ ہوگا۔[3] (عالمگیری ج۶ ص۱۲۸) اور اگر اس ایک کا انتقال ہوگیا جس ایک کے لئے پانچ درہم ماہانہ کی وصیّت کی تھی تو جو کچھ بچا وہ ان دو پر خرچ ہوگا جن دو کے لئے دس درہم ماہانہ کی وصیّت کی تھی اور اگر ان دونوں میں سے ایک کا انتقال ہوگیا جن کے لئے ایک ساتھ دس درہم ماہانہ کی وصیّت کی تھی اور پانچ درہم والا زندہ رہا تو اس صورت میں مرنے والے کا حصہ اس کے شریکِ وصیّت کے لئے محفوظ رکھا جائے گا اور اس پر خرچ کیا جائے گا، یہ اس صورت میں ہے جب ورثہ نے اجازت دے دی اور اگر ورثہ نے اجازت نہیں دی تو میت کا ثلث مال نصف نصف دو برابر حصوں میں تقسیم ہوگا، نصف ثلث اس کو ملے گا جس ایک کے لئے پانچ درہم ماہانہ کی وصیّت کی اور نصف ثلث ان دونوں کو ملے گا جن دونوں کو ایک ساتھ ملا کر ان کے لئے دس درہم ماہانہ کی وصیّت کی۔[4] (عالمگیری ج۶ ص۱۲۹)

---

1 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب السابع في الوصية بالسكنى...إلخ، ج۶، ص۱۲۸.

2 ...... المرجع السابق. 3 ...... المرجع السابق، ص۱۲۹. 4 ...... المرجع السابق.

مسئلہ ۴۴: ایک شخص نے وصیّت کی کہ میرا ثلث مال فلاں کے لئے رکھا جائے اور اس پر اس میں سے ہر ماہ چار درہم خرچ کئے جائیں جب تک کہ وہ زندہ رہے اور میں نے وصیّت کی کہ میرا ثلث مال فلاں فلاں کے لئے ہے ان دونوں پر ہر ماہ تاحیات ان کی دس درہم خرچ کئے جائیں تو اگر ورثہ نے اس کی اجازت دے دی تو چار درہم والے کو اس میت کے مال کا کامل ثلث (پورا تہائی حصہ) ملے گا وہ جو چاہے کرے اور دس درہم والے دونوں کو اس میت کے مال کا دوسرا ثلث کامل ملے گا اور یہ ثلث ان دونوں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگا اور محفوظ کچھ نہ رکھا جائے گا، اور اگر ان تینوں موصیٰ لہم (جن کے لئے وصیّت کی گئی) میں سے کسی کا انتقال ہوگیا تو اس کے حصہ کا مال اس انتقال کر جانے والے کے وارثوں کو ملے گا اور اگر ورثہ نے میت کی اس وصیّت کو جائز نہیں کیا تو اس صورت میں چار درہم والے کو نصف ثلث (تہائی مال کا آدھا) ملے گا اور ان دونوں کو جن کے لئے دس درہم ماہانہ کی وصیّت کی تھی نصف ثلث ملے گا اور یہ نصف ثلث ان دونوں کے مابین آدھا آدھا بٹے گا۔[1] (بحوالہ جامع الصغیر از عالمگیری ج۶،ص۱۲۹)

مسئلہ ۴۵: میت نے کہا میں نے فلاں کے لئے ایک ثلث مال کی وصیّت کی اس پر اس میں سے ہر ماہ چار درہم خرچ کئے جائیں اور میں نے فلاں فلاں کے لئے وصیّت کی کہ فلاں پر پانچ درہم ماہانہ اور فلاں پر تین درہم، پس اگر ورثہ نے اس کی اجازت دے دی تو چار درہم والے کو ماہانہ اس کے کل مال کا ایک ثلث ملے گا اور بقیہ دو کو دو ثلث ملیں گے اور یہ دو ثلث ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوں گے، یہ لوگ اپنے اپنے حصہ کو جیسے چاہیں استعمال کریں، اور اگر ورثہ نے اس کی اس وصیّت کو جائز نہ کیا تو چار درہم والے کو نصف ثلث ملے گا اور بقیہ دو کو دوسرا نصف ثلث ملے گا اور یہ ان کے مابین آدھا آدھا بٹ جائے گا اور اگر ان میں سے کسی کا انتقال ہوگیا تو اس کا حصہ اس کے وارثوں کو میراث میں ملے گا۔[2] (محیط از عالمگیری ج۶،ص۱۲۹)

مسئلہ ۴۶: میت نے وصیّت کی کہ فلاں پر میرے مال سے ہر ماہ چار درہم خرچ کئے جائیں اور ایک دوسرے پر ہر ماہ پانچ درہم میرے بستانی (چہار دیواری والا باغ) کی آمدنی سے خرچ کئے جائیں اور میت نے بجز بستان کے اور کوئی مال نہیں چھوڑا تو اس صورت میں میت کا ثلث (تہائی) بستان ان دونوں کے لئے نصف نصف ہے پھر بستان (باغ) کی ثلث پیداوار فروخت کی جائے گی اور اس کی قیمت وصی کے قبضہ میں یا اگر وصی نہیں ہے تو کسی ایماندار وثقہ آدمی کے قبضہ میں دے دی جائے گی، وہ وصی اور ثقہ ان دونوں پر حصہ رسدی ماہ بماہ خرچ کرے گا اور اگر ان دونوں کا انتقال ہوگیا تو جو کچھ رہے گا وہ موصی کے ورثہ کو ملے گا۔[3] (عالمگیری ج۶،ص۱۲۹)

مسئلہ ۴۷: یہ وصیّت کی کہ فلاں شخص پر میرے مال سے چار روپے ماہانہ خرچ کئے جائیں اور فلاں اور فلاں پر پانچ

---

1 ...... "الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب السابع فی الوصیة بالسکنی...إلخ، ج۶، ص۱۲۹.

2 ...... المرجع السابق.   3 ...... المرجع السابق.

روپے ماہانہ تو اس صورت میں تنہا ایک کے لئے مال وصیّت کا چھٹا حصہ اور دوسرے دونوں کے لئے، دوسرا چھٹا حصہ خرچ کرنے کے لئے محفوظ رکھا جائے گا۔[1] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۳۰) یعنی میت کا مال بارہ حصوں میں تقسیم ہوگا اس میں سے ایک ثلث یعنی چار حصے وصیّت میں دیئے جائیں گے باقی دو ثلث یعنی آٹھ حصے ورثہ کو ملیں گے پھر ثلث مال کی وصیّت کے ان چار حصوں میں سے دو حصے تنہا پہلے موصٰی لہ کے لئے اور دوسرے دو حصے دوسرے دونوں موصٰی لہما کے لئے، اور ان پر ہر ماہ خرچ ہوگا۔

مسئلہ ۴۸: میت نے اپنی آراضی کی پیداوار کی کسی ایک شخص کے لئے وصیّت کی اور دوسرے شخص کے لئے اس آراضی کے رقبہ کی وصیّت کی اور وہ ثلث مال میں ہے پھر اس کو صاحبِ رقبہ نے (یعنی جس کے لئے رقبہ کی وصیّت کی تھی) فروخت کر دیا اور اس شخص نے اس بیع کو تسلیم کر لیا جس کے لئے پیداوار کی وصیّت کی تھی تو بیع جائز ہوگئی، اور پیداوار کی وصیّت جس کے لئے تھی وہ وصیّت باطل ہوگئی اب اس کا اس پیداوار کی قیمت میں بھی کوئی حصہ نہیں۔[2] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۳۰)

مسئلہ ۴۹: مریض نے اپنے بستان کی پیداوار کی وصیّت کسی کے لئے کی اور موصی کی موت سے قبل کئی سال اس میں پیداوار ہوئی پھر موصی کا انتقال ہوگیا تو موصٰی لہ کا اس پیداوار میں حصہ ہے جو موصی کی موت کے وقت یا اس کے بعد پیدا ہو۔[3] (مبسوط از عالمگیری ج ۶، ص ۱۳۰) جو پیداوار موصی کی موت سے پہلے ہوئی اس میں کوئی حصہ نہیں۔

مسئلہ ۵۰: یہ کہا کہ میں نے ان ایک ہزار کی فلاں کے لئے وصیّت کی اور میں نے فلاں کے لئے اس میں سے ۱۰۰ کی وصیّت کر دی ہے تو یہ رجوع نہیں ہے، اس صورت میں نو سو ۹۰۰ پہلی وصیّت والے کے لئے ہیں اور ۱۰۰ میں دونوں آدھے آدھے کے شریک ہیں۔[4] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۳۰)

مسئلہ ۵۱: مریض نے کہا کہ میرا ثلث مال فلاں اور فلاں کے لئے اور فلاں کے لئے اس میں سے ایک سو ہے اور اس کا ثلث مال کل ستر ۷۰ درہم ہی ہے تو یہ کل ثلث اسی کو ملے گا جس کے لئے ۱۰۰ مقرر کئے۔[5] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۳۰)

مسئلہ ۵۲: یہ وصیّت کی کہ میرا ثلث مال عبداللہ کے لئے زید و عَمْرو کے لئے اور عمرو کے لئے اس میں سے ۱۰۰ روپے، اور اس کا ثلث مال کل ۱۰۰ روپے ہی ہے تو یہ ۱۰۰ روپے عَمْرو کو ملیں گے اور اگر اس کا ثلث مال ڈیڑھ ۱۵۰ سو روپے تھے تو عمرو کو سو روپے ملیں گے اور جو بچا اس میں عبداللہ اور زید نصف نصف کے شریک ہیں۔[6] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۳۰)

---

[1] ......"الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الوصایا، الباب السابع فی الوصیۃ بالسکنی...إلخ، ج ٦، ص ١٢٩.

[2] ......المرجع السابق، ص ١٣٠.

[3] ......"الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الوصایا، الباب السابع فی الوصیۃ بالسکنی...إلخ، ج ٦، ص ١٣٠.

[4] ......المرجع السابق.

[5] ......المرجع السابق. [6] ......المرجع السابق.

مسئلہ ۵۳: یہ وصیّت کی کہ یہ ایک ہزار فلاں اور فلاں کے لئے، فلاں کے لئے اس میں سے سو۱۰۰ روپے، تو وہ اس طرح تقسیم ہوں گے فلاں کو سو۱۰۰ روپے اور دوسرے کو نو سو روپے، اگر اس میں سے کچھ ضائع ہو گئے تو باقی کے دس حصے کر کے ایک حصہ سو۱۰۰ والے کو اور باقی نو حصے دوسرے کو دیئے جائیں گے۔ (عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۰) اور اگر اس نے ایک تیسرے شخص کے لئے دیگر ایک ہزار روپے کی وصیّت کر دی اور اس کا ثلث مال کل ایک ہزار روپے ہے تو اس صورت میں نصف ہزار تیسرے موصیٰ لہ کو ملے گا اور نصف ہزار پہلے دو موصیٰ لہما کو دیا جائے گا اور وہ دس حصوں میں تقسیم ہو کر پہلے کو ایک حصہ اور دوسرے کو ۹نو حصے ملیں گے۔[1] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۰)

مسئلہ ۵۴: اگر کہا کہ یہ ایک ہزار فلاں اور فلاں کے لئے، اس میں سے پہلے فلاں کے لئے سو روپے اور دوسرے کے لئے ماقبی یعنی نو سو روپے، تو پہلے والے کو سو روپے ملیں گے اور اگر تقسیم سے پہلے ہزار میں سے نو سو ہلاک ہو گئے تو پہلے کے لئے سو روپے ہیں اور دوسرے کے لئے کچھ نہیں اور اگر یہ کہا کہ میں نے اپنے ثلث مال سے فلاں کے لئے سو روپے کی وصیّت کی اور فلاں کے لئے بقیہ کی اور میں نے فلاں کے لئے ایک ہزار روپے کی وصیّت کر دی اس صورت میں بقیہ والے کو کچھ نہ ملے گا اور میت کا ثلث مال پہلے والے موصیٰ لہ اور تیسرے والے موصیٰ لہ میں گیارہ حصوں میں تقسیم ہو کر ایک حصہ پہلے والے کو اور دس حصے ایک ہزار والے کو یعنی تیسرے والے کو ملیں گے۔[2] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۰)

مسئلہ ۵۵: یہ کہا کہ میں نے اس ایک ہزار کی فلاں فلاں کے لئے وصیّت کی اور فلاں کے لئے سات سو اور فلاں کے لئے چھ سو تو اس صورت میں یہ ایک ہزار ان دونوں کے درمیان تیرہ حصوں میں تقسیم ہو گا، سات حصے سات سو والے کو اور چھ حصے چھ سو والے کو ملیں گے۔[3] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۱ امحیط السرخسی)

مسئلہ ۵۶: یہ کہا کہ فلاں کے لئے اس ایک ہزار میں سے ہزار اور فلاں کے لئے ہزار، تو اس صورت میں یہ ایک ہزار ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہو گا۔[4] (محیط السرخسی از عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۱)

مسئلہ ۵۷: یہ کہا کہ میں نے اس ایک ہزار کی فلاں اور فلاں کے لئے وصیّت کی فلاں کے لئے اس میں سے ایک ہزار، تو اس صورت میں ایک ہزار سب کے سب دوسرے موصیٰ لہ کو ملیں گے۔[5] (محیط السرخسی از عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۱)

مسئلہ ۵۸: ایک شخص نے کچھ لوگوں کے لئے کچھ وصیّتیں کیں، اُن میں سے کوئی آیا اور اس نے اپنے لئے وصیّت کا ثبوت پیش کیا اور یہ چاہا کہ اس کا حصہ اسے دے دیا جائے تو اس کا حصہ اسے دے دیا جائے اور باقی لوگوں کا حصّہ محفوظ رکھا جائے

---

1 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب السابع فی الوصية بالسكنی...إلخ، ج۶، ص ۱۳۰.

2 ......المرجع السابق. 3 ......المرجع السابق. 4 ......المرجع السابق. 5 ......المرجع السابق.

پس اگران باقی لوگوں کا حصہ صحیح وسالم رہا تو وہ ان کو دے دیا جائے گا اور اگر ضائع ہوگیا تو یہ سب اس کے حصّہ میں شریک ہوں گے جس نے اپنا حصّہ لے لیا تھا اور اس کو حصّہ دے دینا بقیہ لوگوں کے لئے تقسیم کا حکم نہیں رکھتا۔[1] (محیط از عالمگیری ج ٦ ص ١٣١)

مسئلہ ۵۹: کسی نے وصیّت کی کہ فلاں شخص کو ایک ہزار درہم دے دیئے جائیں جن سے وہ قیدیوں کو خرید لے پس اگر وہ شخص روپے لینے سے قبل ہی انتقال کر گیا تو حاکم کو یہ روپیہ دے دیا جائے گا وہ اس کام کے لئے لوگوں میں سے کسی کو ولی بنا دے گا تا کہ وہ اس روپے سے قیدیوں کو خرید لے۔[2] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج ٦ ص ١٣١)

مسئلہ ٦٠: ایک شخص نے یہ وصیّت کی کہ میرا گھر فروخت کیا جائے اور اس کی قیمت سے دس بوجھا گیہوں (مثلاً دس کوئنٹل) اور ایک ہزار من روٹیاں خریدی جائیں۔ (من ۱/۲ ۷ ٦ تولہ کا ایک پیمانہ تھا،[3] فتاویٰ رضویہ ج ۴) اور اس نے کچھ اور وصیّتیں بھی کیں، پس اس کا گھر فروخت کیا گیا اور اس کی قیمت مذکورہ مقدار گیہوں اور روٹیوں کے لئے پوری نہیں ہوئی اور اس گھر کے علاوہ اس کا اور بھی مال ہے تو اگر اس کا ثلث مال اس کی تمام وصیّتوں کے لئے گنجائش رکھتا ہو تو وہ تمام وصیّتیں اس کے ثلث مال سے پوری کردی جائیں گی۔[4] (عالمگیری ج ٦ ص ١٣١)

مسئلہ ٦١: ایک شخص نے کچھ وصیّتیں کیں اس کے ورثہ کو معلوم ہوا کہ ان کے باپ نے کچھ وصیّتیں کی ہیں، لیکن یہ نہیں معلوم کہ کس چیز کی ہیں انھوں نے کہا کہ ہمارے باپ نے جس چیز کی وصیّت کی ہم نے اس کو جائز کیا تو ان کی یہ اجازت صحیح نہیں، صرف اس صورت میں اجازت صحیح ہوگی جب کہ انھیں علم ہوجائے۔[5] (المنتقی از عالمگیری ج ٦ ص ١٣١)

مسئلہ ٦٢: ایک شخص نے کسی آدمی کے لئے کچھ مال کی وصیّت کی اور فقراء کے لئے کچھ مال کی وصیت کی اور موصیٰ لہ محتاج ہے تو اس کو فقراء کا حصہ بھی دیا جاسکتا ہے۔[6] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ٦ ص ١٣١)

مسئلہ ٦٣: ایک شخص نے کچھ وصیّتیں کیں پھر کہا اور باقی فقراء پر صدقہ کیا جائے پھر اپنی کچھ وصیّتوں سے رجوع کرلیا جن کے لئے وصیّتیں کی تھیں (موصیٰ لہم)، یا ان میں سے بعض موصیٰ لہم موصی کی موت سے پہلے ہی مرگئے تو باقی مال فقراء پر صدقہ کیا جائے گا اگر اُس نے فقراء کے لئے وصیّت سے رجوع نہیں کیا ہے۔[7] (محیط از عالمگیری ج ٦ ص ١٣١)

---

1 ......"الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب السابع فی الوصیة بالسکنی...إلخ، ج٦، ص ١٣١.

2 ......المرجع السابق.

3 ......"الفتاوی رضویه"، ج ١٠، ص ٢٩٨.

4 ......"الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب السابع فی الوصیة بالسکنی...إلخ، ج٦، ص ١٣١.

5 ......المرجع السابق. 6 ......المرجع السابق. 7 ......المرجع السابق.

متفرق مسائل

مسئلہ ۱: ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ کوئی وصیت نہیں کرے گا پھر اس نے اپنے مرض الموت میں کوئی چیز ہبہ کی یا اس نے اس حالت میں اپنا غلام بیٹا خریدا جو کہ آزاد ہوگیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹی اور وہ حانث نہیں ہوا۔[1] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۲)

مسئلہ ۲: ایک مریض نے کچھ وصیّتیں کیں لیکن یہ الفاظ نہیں کہے کہ اگر میں اپنے اس مرض سے مرجاؤں یا یہ کہ اگر میں اس مرض سے اچھا نہ ہوں تو میری یہ وصیّتیں ہیں، وصیّتیں کرنے کے بعد وہ اس مرض سے اچھا ہوگیا اور کئی سال زندہ رہا تو مرض سے اچھا ہونے کے بعد اس کی وصیّتیں باطل ہوجائیں گی۔[2] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۳)

مسئلہ ۳: مریض نے کہا اگر میں اسی بیماری سے مرجاؤں تو میرے مال سے فلاں کو اتنا روپیہ اور میری طرف سے حج کرایا جائے پھر اپنی بیماری سے اچھا ہوگیا پھر دوبارہ بیمار ہوگیا اور اس نے ان گواہوں سے جن کو پہلی وصیّت پر گواہ بنایا تھا، کہا یا دوسرے لوگوں سے کہا: ''تم گواہ ہوجاؤ کہ میں اپنی پہلی وصیّت پر قائم ہوں'' تو یہ استحساناً جائز ہے۔[3] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۳)

مسئلہ ۴: کسی نے وصیّتیں کیں اور دستاویز لکھ دی اور اچھا ہوگیا پھر اس کے بعد بیمار ہوا اور کچھ وصیّتیں کیں اور دستاویز لکھ دی، اگر اس نے اس دوسری دستاویز میں یہ واضح نہیں کیا کہ اس نے پہلی وصیّتوں سے رجوع کرلیا ہے تو ایسی صورت میں دونوں وصیّتوں پر عمل کیا جائے گا۔[4] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۳)

مسئلہ ۵: ایک شخص نے وصیّت کی پھر اسے وسوسوں اور وہم نے گھیر لیا اور فاتر العقل ہوگیا اور ایک زمانہ تک اسی حالت پر رہا پھر انتقال ہوگیا تو اس کی وصیّت باطل ہے۔[5] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۳)

مسئلہ ۶: ایک شخص نے کسی کو ایک ہزار روپیہ دیا اور کہا کہ یہ فلاں کے لئے ہے جب میں مرجاؤں تو اُس کو دے دینا، پھر مرگیا تو وہ شخص میت کی وصیّت کے مطابق وہ ایک ہزار روپے فلاں شخص کو دے گا اور اگر مرنے والے نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ روپے فلاں کے لئے ہیں صرف اتنا کہا کہ اس کو دے دینا پھر وہ مرگیا، اس صورت میں یہ روپیہ فلاں شخص کو نہیں دیا جائے گا۔[6] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۳)

مسئلہ ۷: ایک شخص نے کہا کہ یہ روپے یا کپڑے فلاں کو دے دو اور یہ نہیں کہا کہ یہ اس کے لئے ہیں نہ یہ کہا کہ یہ اس کے لئے وصیّت ہے تو یہ باطل ہے، یہ نہ وصیّت ہے نہ اقرار۔[7] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۳)

---

1 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، مسائل شتى، ج ٦، ص ١٣٢.

2 ...... المرجع السابق. 3 ...... المرجع السابق، ص ١٣٣. 4 ...... المرجع السابق.

5 ...... المرجع السابق. 6 ...... المرجع السابق. 7 ...... المرجع السابق.

مسئلہ ۸: ایک شخص نے کچھ وصیّتیں کیں، لوگوں نے اس کی وصیّتیں کھوٹے اور ردی درہموں سے پوری کردیں اس صورت میں اگر وصیّت معین لوگوں کے لئے تھی اور وہ علم واطلاع کے باوجودان کھوٹے درہموں سے راضی ہیں تو جائز ہے اور اگر غیر معین فقیروں کے لئے وصیّت تھی تب بھی جائز ہے۔[1] (عالمگیری ج۶ ص۱۳۳)

مسئلہ ۹: ایک شخص نے کچھ وصیّتیں کیں اور مختلف سکوں کا چلن ہے تو خرید وفروخت میں جن سکوں کا چلن غالب ہے ان سکوں سے وصیّتوں کو پورا کیا جائے گا۔[2] (عالمگیری ج۶ ص۱۳۳)

مسئلہ ۱۰: مریض سے لوگوں نے کہا کہ تو وصیّت کیوں نہیں کردیتا، اس نے کہا کہ میں نے وصیّت کی کہ میرے ثلث مال سے نکالا جائے پھر ایک ہزار روپیہ مسکینوں پر صدقہ کردیا جائے اور ابھی کچھ زیادہ نہ کہہ پایا تھا کہ مرگیا اور اس کا ثلث مال دو ہزار روپے ہے، اس صورت میں صرف ایک ہزار روپیہ صدقہ کیا جائے گا۔[3] (عالمگیری ج۶ ص۱۳۳)

مسئلہ ۱۱: مریض نے اگر یہ کہا کہ میں نے وصیّت کی کہ میرے ثلث مال سے نکالا جائے اور کچھ نہ کہہ پایا تو اس کا کل تہائی مال فقیروں پر صدقہ کیا جائے گا۔[4] (عالمگیری ج۶ ص۱۳۳)

مسئلہ ۱۲: مریض نے کہا کہ میں نے فلاں کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیّت کی جو ایک ہزار ہے لیکن ثلث ایک ہزار سے زیادہ ہے تو امام حسن بن زیاد کے نزدیک موصیٰ لہ کو ثلث مال ملے گا وہ جتنا بھی ہو۔[5] (عالمگیری ج۶ ص۱۳۳)

مسئلہ ۱۳: ایسے ہی اگر یہ کہا کہ میں نے اس گھر سے اپنے حصہ کی وصیّت کی اور وہ تہائی ہے پھر دیکھا تو اس کا حصہ نصف تھا تو موصیٰ لہ کو نصف گھر ملے گا اگر نصف گھر میت کے کل مال کا تہائی حصہ یا اس سے کم ہے۔[6] (عالمگیری ج۶ ص۱۳۳)

مسئلہ ۱۴: اگر اس نے یہ کہا کہ میں نے فلاں کے لئے ایک ہزار روپے کی وصیّت کی اور وہ میرے مال کا دسواں حصہ ہے تو موصیٰ لہ کو صرف ایک ہزار روپیہ ملے گا اس کے مال کا دسواں حصہ کم ہو یا زیادہ۔[7] (عالمگیری ج۶ ص۱۳۳)

مسئلہ ۱۵: یہ کہا کہ اس تھیلی میں جو کچھ ہے میں نے فلاں کے لئے وصیّت کی اور وہ ایک ہزار درہم ہیں اور یہ ایک ہزار درہم آدھا ہے جو اس تھیلی میں ہے پھر دیکھا تو تھیلی میں تین ہزار درہم ہیں تو موصیٰ لہ کو صرف ایک ہزار ملیں گے اور اگر تھیلی میں ایک ہزار ہی ہیں تو وہ کل موصیٰ لہ کو ملیں گے، اور اگر تھیلی میں صرف پانچ سو درہم تھے تو موصیٰ لہ کو یہی ملیں گے اس کے علاوہ نہیں، اور اگر تھیلی میں درہم نہیں ہیں بلکہ جواہرات اور دینار ہیں تو مناسب ہے کہ موصیٰ لہ کو اس سے ایک ہزار روپے دیئے

---

1 ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، مسائل شتی، ج۶، ص۱۳۳.

2 ......المرجع السابق. 3 ......المرجع السابق. 4 ......المرجع السابق.

5 ......المرجع السابق. 6 ......المرجع السابق. 7 ......المرجع السابق.

جائیں۔[1] (فتاوی قاضی خان از عالمگیری ج ٦ ص ١٣٤)

مسئلہ ١٦: مریض نے کہا کہ جو کچھ اس گھر میں ہے میں نے اس تمام کی وصیّت کی اور وہ ایک پیانہ کھانا ہے پھر دیکھا تو اس میں کئی پیانے کھانا ہے اور اس میں گیہوں اور جو بھی ہیں تو یہ سب موصیٰ لہ کے لئے ہیں اگر ثلث مال کے اندر اندر ہیں۔[2] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج ٦ ص ١٣٤)

مسئلہ ١٧: اگر کسی نے مخصوص اور معیّن ایک ہزار درہم صدقہ کرنے کی وصیّت کی اور وصی نے ان کے بدلے متوفی موصی کے مال سے دوسرے ایک ہزار درہم صدقہ کر دیئے تو جائز ہے لیکن اگر وصی کے صدقہ کرنے سے پہلے ہی وہ پہلے والے معین درہم ضائع ہوگئے اور وصی نے موصی کے اور مال سے ایک ہزار درہم صدقہ کر دیئے تو وصی ایک ہزار درہم کا ورثہ کے لئے ضامن ہے اور اگر موصی نے ایک ہزار معین درہم صدقہ کرنے کی وصیّت کی پھر وہ ہلاک ہوگئے تو وصیّت باطل ہوجائے گی۔[3] (عالمگیری ج ٦ ص ١٣٤)

مسئلہ ١٨: ایک آدمی نے وصیّت کی کہ اُس کے مال میں سے کچھ حاجی فقیروں پر صرف کیا جائے تو اگر وہ مال حاجی فقیروں کے سوا دوسرے فقیروں پر صدقہ کر دیا جائے تو جائز ہے۔[4] (عالمگیری ج ٦ ص ١٣٤)

مسئلہ ١٩: ایک آدمی نے اپنے ثلث مال کو صدقہ کرنے کی وصیّت کی پھر وصی سے کسی نے اس مال کو غصب کرلیا چھین لیا اور اس مال کو ہلاک کر دیا اب وصی یہ چاہتا ہے کہ وہ اس مال کو اس غاصب پر ہی صدقہ کر دے اور غاصب یعنی مال چھیننے والا بھی غریب وتنگدست ہے تو یہ جائز ہے۔[5] (عالمگیری ج ٦ ص ١٣٤)

مسئلہ ٢٠: ایک شخص کو حرام مال ملا اس نے وصیّت کی کہ اسے مال کے مالک کی طرف سے صدقہ کر دیا جائے اگر مال کا مالک معلوم ہے تو یہ مال اسے واپس کیا جائے گا اور اگر معلوم نہیں تو اس کی طرف سے صدقہ کر دیا جائے گا اور اگر موصی کے ورثہ نے اس کے اس اقرار کو (یہ حرام مال ہے) جھٹلایا اور نہ مانا تو وصیّت کے مطابق اس میں سے ایک تہائی صدقہ کر دیا جائے گا۔[6] (عالمگیری ج ٦ ص ١٣٤)

مسئلہ ٢١: ایک آدمی نے اپنے ثلث مال کی مسکینوں کے لئے وصیّت کی اور وہ اپنے وطن سے باہر کسی دوسرے شہر میں ہے اگر مال اس کے ساتھ ہے تو جس شہر میں وہ ہے وہ مال اسی شہر کے مسکینوں پر خرچ کیا جائے گا اور اس کا جو مال اس کے وطن میں ہے وہ وطن کے فقیروں ومسکینوں پر خرچ ہوگا۔[7] (عالمگیری ج ٦ ص ١٣٤)

---

1 ......"الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الوصایا، مسائل شتی، ج٦، ص ١٣٤.

2 ......المرجع السابق. 3 ......المرجع السابق. 4 ......المرجع السابق.

5 ......المرجع السابق. 6 ......المرجع السابق. 7 ......المرجع السابق.

مسئلہ ۲۲: اگرکسی نے وصیّت کی کہ اس کا ثلث مال فقرائے بلخ پر صدقہ کیا جائے تو افضل یہ ہے کہ ان پر ہی خرچ کیا جائے اور اگر وہ مال ان کے علاوہ دوسروں پر صدقہ کر دیا تو جائز ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک اسی پر فتویٰ ہے۔[1] (شرنبلالیہ خلاصہ درمختار از عالمگیری ج۶ ص۱۳۴)

مسئلہ ۲۳: یہ وصیّت کی کہ اس کا مال دس دن میں خرچ کر دیا جائے اس نے ایک ہی دن میں خرچ کر دیا تو جائز ہے۔[2] (نوازل از عالمگیری ج۶ ص۱۳۴)

مسئلہ ۲۴: اگر یہ وصیّت کی کہ ہر فقیر کو ایک درہم دیا جائے، وصی نے ہر فقیر کو آدھا درہم دیا پھر آدھا درہم اور دے دیا اور اس وقت تک فقیر نے آدھا خرچ کر لیا تھا تو جائز ہے وصی ضامن نہ ہوگا۔[3] (نوازل وخلاصہ از عالمگیری ج۶ ص۱۳۴)

مسئلہ ۲۵: موصی نے وصیّت کی کہ میری طرف سے کفارہ میں دس مسکین کھلا دیئے جائیں، وصی نے دس مسکینوں کو صبح کا کھانا کھلایا پھر دسوں مرگئے تو وصی دوسرے دس کو صبح وشام کا کھانا کھلائے گا اور اس پر ضمان نہیں، اور اگر اس نے یہ کہا کہ میری طرف سے دس مسکینوں کو صبح وشام کا کھانا کھلا دیا جائے کفارہ کا ذکر نہیں کیا اور وصی نے دس مسکینوں کو صبح کا کھانا کھلایا تھا کہ وہ مرگئے تو اس صورت میں بھی مفتیٰ بہ یہی ہے کہ وصی دوسرے دس مسکینوں کو صبح وشام کا کھانا کھلائے گا اور پہلے دس کے کھلانے کا تاوان نہ دے گا۔[4] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج۶ ص۱۳۵)

مسئلہ ۲۶: ایک آدمی نے وصیّت کی کہ میرے مرنے کے بعد تین سو قفیز گیہوں صدقہ کیا جائے (قفیز گیہوں ناپنے کے ایک پیمانہ کا نام ہے) وصی نے موصی کی زندگی ہی میں دو سو قفیز گیہوں صدقہ میں تقسیم کر دیئے تو وصی اس کا ضامن ہوگا موصی کے مرنے کے بعد حاکم کے حکم سے تقسیم کرے، اگر اس نے موصی کی موت کے بعد بغیر حاکم کے حکم تقسیم کر دیئے تب بھی وہ تاوان دینے سے نہ بچے گا اور اگر موصی کے انتقال کے بعد وصی نے ورثہ کے حکم سے تقسیم کیے تو اگر ورثہ میں نابالغ بھی ہیں تو ان کا حکم کرنا جائز نہیں، اگر سب بالغ ہیں تو حکم صحیح ہے اگر تقسیم کر دے گا تو اس پر تاوان نہیں، اگر ورثہ میں نابالغ بھی ہیں اور بالغ ورثہ نے گیہوں تقسیم کرنے کا حکم دیا تو یہ بالغوں کے حصہ میں صحیح اور نابالغوں کے حصہ میں صحیح نہ ہوگا۔[5] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج۶ ص۱۳۵)

مسئلہ ۲۷: یہ وصیّت کی کہ میرے مال سے گیہوں اور روٹی خریدی جائے اور انھیں مسکینوں پر صدقہ کیا جائے تو اگر موصی نے گیہوں اور روٹی اٹھا کر لانے والے حمالوں (بوجھ برداروں) کی اُجرت دینے کی بھی وصیّت کی تو وہ متوفی موصی کے

---

1 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، مسائل شتى، ج٦، ص١٣٤.

2 ......المرجع السابق. 3 ......المرجع السابق.

4 ......المرجع السابق. 5 ......المرجع السابق، ص١٣٥.

مال سے دی جائے گی اور اگر موصی نے اپنی وصیّت میں اس اُجرت کے دینے کو نہیں کہا تو ایسی صورت میں وصی کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے اٹھوا کر لائے جو بغیر اُجرت کے اٹھالائیں پھر اس گیہوں اور روٹی میں سے بطور صدقہ کچھ دے دے اور اگر موصی نے یہ وصیّت کر دی تھی کہ ان کو مساجد میں لے جایا جائے تو اس کی اُجرت متوفی موصی کے مال سے ادا کی جائے گی۔[1] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۳۵)

مسئلہ ۲۸: موصی نے ایک شخص کو وصیّت کی اور اسے اپنا ثلث مال صدقہ کرنے کا حکم دیا تو اگر اس شخص نے وہ مال خود ہی رکھ لیا تو جائز نہیں لیکن اگر اس نے اپنے بالغ بیٹے کو دیا یا ایسے چھوٹے بیٹے کو دیا جو قبضہ کرنا جانتا ہے تو جائز ہے اور اگر وہ چھوٹا بیٹا قبضہ کرنا نہیں جانتا تو جائز نہیں۔[2] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۳۵)

مسئلہ ۲۹: بادشاہ کے عامل (محاصل وصول کرنے والے) نے وصیّت کی کہ فقیروں کو اس کے مال سے اتنا اتنا دے دیا جائے تو اگر یہ معلوم ہے کہ اس کا مال اس کا نہیں دوسرے کا ہے تو اس کا لینا حلال نہیں اور اگر اس کا مال دوسرے کے مال سے ملا جلا ہے تو اس کا لینا جائز ہے بشرطیکہ متوفی موصی کا بقیہ مال اس قدر ہو کہ اس سے دعویداروں کے مطالبات ادا ہو جائیں۔[3] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۳۵)

مسئلہ ۳۰: ایک شخص نے اپنے ثلث مال کی فقراء کے لئے وصیّت کی اور وصی نے وہ مال لاعلمی میں اغنیاء کو دے دیا تو یہ جائز نہیں وصی فقراء کو اتنا مال دینے کا ضامن ہے۔[4] (تاتارخانیہ از عالمگیری ج ۶، ص ۱۳۵)

مسئلہ ۳۱: ایک شخص کے پاس سَو درہم نقد ہیں اور سَو درہم کسی اجنبی پر ادھار ہیں اس نے ایک آدمی کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیّت کی تو موصیٰ لہ نقد مال کا ثلث لے لے گا۔[5] (ظہیریہ از عالمگیری ج ۶، ص ۱۳۶)

مسئلہ ۳۲: ایک شخص کا کسی آدمی پر ادھار تھا اس نے وصیّت کی کہ اسے ثواب کے کاموں میں صرف کیا جائے تو اس وصیّت کا تعلق صرف ادھار سے ہے اگر موصی نے اپنے ادھار میں سے کچھ حصہ مقروض کو ہبہ کر دیا تو جس قدر ہبہ کر دیا اتنے مال میں وصیّت باطل ہے۔[6] (فتاویٰ الفضلی از عالمگیری ج ۶، ص ۱۳۶)

مسئلہ ۳۳: اپنے جسم کے سامان کی وصیّت کی تو اس میں ٹوپی، موزے، لحاف، بستر، قمیص، فرش اور پردے شامل ہیں۔[7] (سیر از عالمگیری ج ۶، ص ۱۳۶)

---

1. ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، مسائل شتی، ج ٦، ص ١٣٥.
2. ......المرجع السابق.
3. ......المرجع السابق.
4. ......المرجع السابق.
5. ......المرجع السابق، ص ١٣٦.
6. ......المرجع السابق.
7. ......المرجع السابق.

مسئلہ ۳۴: حریر کے جُبّہ کی وصیّت کی اور موصی کا ایک جُبّہ ہے جس کا بالائی کپڑا بھی حریر ہے اور استر بھی حریر ہے تو وہ وصیّت میں شامل ہے اور اگر بالائی حصہ حریر ہے اور استر غیر حریر تب بھی وصیّت میں داخل ہے اور اگر استر حریر ہے اور بالائی کپڑا حریر نہیں تو موصیٰ لہ کو نہیں ملے گا۔[1] (عالمگیری ج۶ ص۱۳۶)

مسئلہ ۳۵: اگر زیورات کی وصیّت کی تو اس میں ہر وہ چیز داخل ہے جس پر زیور کا لفظ بولا جائے خواہ یاقوت[2] وزمرد[3] سے جڑاؤ ہو یا نہ ہو، اور یہ سب موصیٰ لہ کو ملے گا۔[4] (عالمگیری ج۶ ص۱۳۶)

مسئلہ ۳۶: زیور کی وصیّت کی تو اس میں سونے کی انگوٹھی داخل ہے اور اس میں چاندی کی وہ انگوٹھی بھی داخل ہے جو عورتیں پہنتی ہیں لیکن اگر چاندی کی انگوٹھی ایسی ہے جس کو مرد پہنتے ہیں وہ اس میں داخل نہیں اور اگر لُولُو اور زمرد وغیرہ چاندی سونے کے ساتھ مرکب ہیں تو یہ بھی زیور میں داخل ہیں ورنہ نہیں۔[5] (محیط از عالمگیری ج۶ ص۱۳۶)

وصی اور اس کے اختیارات کا بیان

آدمی کو وصیّت قبول کرنا مناسب بات نہیں کیونکہ یہ خطرات سے پُر ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں: پہلی بار وصیّت قبول کرنا غلطی ہے دوسری بار خیانت اور تیسری بار سرقہ ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: وصیّت میں نہیں داخل ہوتا ہے مگر بے وقوف اور چور۔[6] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج۶ ص۱۳۷)

وصی: اس شخص کو کہتے ہیں جس کو وصیّت کرنے والا (موصی) اپنی وصیّت پوری کرنے کے لئے مقرر کرے۔ وصی تین طرح کے ہوتے ہیں۔ (۱) ایک وصی وہ ہے جو امانت دار ہو اور وصیّت پوری کرنے پر قادر ہو، قاضی کے لئے اس کو معزول اور برطرف کرنا جائز نہیں۔ (۲) دوسرا وصی وہ ہے جو امانت دار تو ہو مگر عاجز ہو یعنی وصیّت کو پورا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، قاضی اس کی مدد کے لئے کوئی مددگار مقرر کردے گا۔ (۳) تیسرا وصی وہ ہے جو فاسق و بدعمل ہو یا کافر ہو یا غلام ہو، قاضی کے لئے ضروری ہے کہ اسے برطرف اور معزول کردے اور اس کی جگہ کسی دوسرے امانت دار مسلمان کو مقرر کرے۔[7] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج۶ ص۱۳۷)

مسئلہ ۱: ایک شخص نے کسی کو اس کے سامنے اپنا وصی بنایا یا موصیٰ الیہ یعنی وصی نے کہا کہ میں قبول نہیں کرتا تو اس کا

---

1 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، مسائل شتى، ج٦، ص١٣٦.

2 ......ایک قیمتی پتھر جو سرخ، نیلا، زرد، یا سفید ہوتا ہے۔ 3 ......ایک قیمتی پتھر جو سبز رنگ کا ہوتا ہے۔

4 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، مسائل شتى، ج٦، ص١٣٦.

5 ......المرجع السابق.

6 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع في الوصي وما يملكه، ج٦، ص١٣٦.

7 ......المرجع السابق.

انکار اور رد کرنا صحیح ہے اور وہ وصی نہیں ہوگا پھر اگر موصی نے موصی الیہ سے یہ کہا کہ میرا خیال تمہارے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تم قبول نہ کرو گے اس کے بعد موصی الیہ نے کہا: ''میں نے وصیّت قبول کی'' تو یہ جائز ہے اور اگر وہ موصی کی حیات میں خاموش رہا، نہ قبول کیا نہ انکار پھر موصی کا انتقال ہوگیا تو اسے اختیار ہے چاہے تو اس کی وصیّت قبول کرلے یا رد وانکار کر دے۔[1] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ٦، ص ١٣٧)

مسئلہ ٢: موصی نے کسی کو وصی بنایا، وہ غائب (موجود نہ) تھا اسے موصی کی موت کے بعد یہ خبر پہنچی، اس نے کہا مجھے قبول نہیں پھر کہا قبول کرلیا میں نے، اگر بادشاہ نے ابھی اسے وصی ہونے سے خارج نہیں کیا تھا اور اس نے پہلے ہی قبول کرلیا تو جائز ہے۔[2] (السراج الوہاج از عالمگیری ج ٦، ص ١٣٧)

مسئلہ ٣: موصی نے کسی کو وصیّت کی اس نے موصی کی زندگی میں قبول کرلیا تو اس کے لئے وصی ہونا لازم ہوگیا اب اگر وہ موصِی کی موت کے بعد اس سے نکلنا چاہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں اور اگر اس نے موصی کی زندگی میں اس کے علم میں لاکر قبول کرنے سے انکار کر دیا تو صحیح ہے اور اگر انکار کر دیا مگر موصی کو اس کا علم نہیں ہوا تو صحیح نہیں۔[3] (محیط از عالمگیری ج ٦، ص ١٣٧)

مسئلہ ٤: کسی کو وصیّت کی اور یہ اختیار دیا کہ جب وہ چاہے وصی ہونے سے نکل جائے تو یہ جائز ہے اور وصی کو یہ حق ہے کہ جس وقت چاہے اور جب چاہے وصی ہونے سے نکل جائے۔[4] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج ٦، ص ١٣٧)

مسئلہ ٥: کسی کو وصیّت کی، اس نے کہا میں قبول نہیں کرتا پھر موصی خاموش ہوگیا اور انتقال کر گیا پھر موصی الیہ یعنی اس شخص نے جس کو وصیّت کی تھی کہا کہ میں نے قبول کیا تو صحیح نہیں، اور اگر موصی الیہ نے سکوت اختیار کیا اور موصی کے سامنے یہ نہ کہا کہ میں قبول نہیں کرتا پھر اس کی پس پشت موصی کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد ایک جماعت کی موجودگی میں کہا کہ میں نے قبول کرلیا تو اس کا قبول کرنا جائز ہے اور یہ وصی بن جائے گا خواہ اس کا یہ قبول کرنا قاضی کے سامنے ہو یا اس کی عدم موجودگی میں، اور اگر قاضی نے اسے اس کے یہ کہنے کے بعد کہ میں قبول نہیں کرتا، وصی ہونے سے خارج کر دیا پھر اس نے کہا میں قبول کرتا ہوں تو یہ قبول کرنا صحیح نہیں۔[5] (عالمگیری ج ٦، ص ١٣٧)

مسئلہ ٦: موصی نے کسی کو وصی بنایا اس نے موصی کی عدم موجودگی میں کہا کہ میں قبول نہیں کرتا اور اس انکار کی اطلاع کے لئے اس نے موصی کے پاس قاصد بھیجا یا خط بھیجا اور وہ موصی تک پہنچ گیا پھر اس نے کہا کہ میں قبول کرتا ہوں

---

1 ......''الفتاوی الھندیۃ''، کتاب الوصایا، الباب التاسع فی الوصی وما یملکہ، ج ٦، ص ١٣٧.

2 ......المرجع السابق. 3 ......المرجع السابق. 4 ......المرجع السابق. 5 ......المرجع السابق.

تو یہ قبول کرنا صحیح نہیں۔[1] (عالمگیری ج۶، ص۱۳۷)

مسئلہ۷: موصی الیہ (وصی) نے موصی کے سامنے وصیّت کو قبول کرلیا پھر جب وصی چلا گیا، موصی نے کہا گواہ رہو میں نے اسے وصیّت سے خارج کردیا تو یہ اخراج صحیح ہے اور اگر وصی نے موصی کی عدم موجودگی میں وصی بننے کو رد کردیا قبول نہیں کیا تو اس کا یہ رد کرنا باطل ہے۔[2] (عالمگیری ج۶، ص۱۳۷)

مسئلہ۸: موصی نے کسی شخص کو اپنا وصی بنایا اور اسے اپنا وصی ہونا معلوم نہیں پھر اس وصی نے موصی کی موت کے بعد اس کے ترکہ سے کوئی چیز فروخت کی تو اس کا فروخت کرنا جائز ہے اور اسے وصی ہونا لازم ہوگیا۔[3] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج۶، ص۱۳۷)

مسئلہ۹: موصی نے دو آدمیوں کو وصیّت کی ایک نے قبول کرلیا، دوسرا خاموش رہا پھر موصی کی موت کے بعد قبول کرنے والے نے سکوت کرنے والے سے کہا کہ موصی کی میت کے لئے کفن خرید لے اس نے خرید لیا یا کہا "ہاں اچھا" تو یہ صورت وصیّت قبول کرنے کی ہے۔[4] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج۶، ص۱۳۷)

مسئلہ۱۰: وصی نے وصیّت قبول کرلی پھر اس نے ارادہ کیا کہ وصیّت سے نکل جائے، یہ بغیر حاکم کی اجازت کے جائز نہیں موصی الیہ یعنی وصی کو جب وصیّت لازم ہوگئی پھر وہ حاکم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے اپنے آپ کو وصی ہونے سے خارج کیا تو حاکم معاملہ پر غور کرے گا اگر وہ وصی امانت دار اور وصیّت نافذ کرنے پر قادر ہے تو اسے وصی ہونے سے نہیں نکالے گا اور اگر وہ عاجز ہے اور اس کے مشاغل کثیر ہیں تو نکال دے گا۔[5] (السراج الوہاج از عالمگیری ج۶، ص۱۳۷)

مسئلہ۱۱: کسی فاسق کو وصی بنایا جس سے اس کے مال کو خطرہ ہے تو یہ وصیّت یعنی اس کو وصی بنانا باطل ہے یعنی اُسے قاضی وصی ہونے سے خارج کردے گا۔[6] (عالمگیری ج۶، ص۱۳۷)

مسئلہ۱۲: فاسق کو وصی بنایا تو قاضی کو چاہیے کہ اس کو وصی ہونے سے خارج کردے اور اس کے غیر کو وصی بنادے، اگر یہ قاضی وصی ہونے کے لائق نہیں ہے اور اگر قاضی نے وصیت کو نافذ کیا اور اس فاسق وصی نے اس سے پہلے کہ قاضی اسے وصی ہونے سے خارج کردے، میت کے دَین (اُدھار) کو ادا کردیا اور بیع وشریٰ کی تو اس نے جو کچھ کردیا جائز ہے اور اگر اسے قاضی نے نہیں نکالا تھا کہ اس فاسق نے توبہ کی اور صالح ہوگیا تو قاضی اسے بدستور وصی بنائے رکھے گا۔[7] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج۶، ص۱۳۷)

مسئلہ۱۳: اگر قاضی کو معلوم نہ تھا کہ میت کا کوئی وصی ہے اور پہلے وصی کی موجودگی میں اس نے ایک دوسرے شخص کو

---

1 ....."الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب التاسع فی الوصی وما یملکه، ج۶، ص۱۳۷.

2 .....المرجع السابق. 3 .....المرجع السابق. 4 .....المرجع السابق.

5 .....المرجع السابق. 6 .....المرجع السابق، ص۱۳۸. 7 .....المرجع السابق.

وصی مقرر کردیا پھر پہلے وصی نے وصیّت میں داخل ہونا چاہا یعنی وصیّت کو نافذ کرنا چاہا تو اسے اس کا حق ہے اور قاضی کا یہ فعل اسے وصی ہونے سے خارج نہیں کرتا ہے۔[1] (فتاویٰ خلاصہ از عالمگیری ج٦ ص١٣٨)

مسئلہ ١٤: قاضی کو علم نہ تھا کہ میت کا وصی ہے اور وصی غائب ہے قاضی نے کسی اور شخص کو وصی بنادیا تو قاضی کا بنایا ہوا یہ وصی میت ہی کا وصی ہوگا قاضی کا نہیں۔[2] (محیط السرخسی از عالمگیری ج٦ ص١٣٨)

مسئلہ ١٥: مسلمان نے حربی کافر کو خواہ وہ مستامن ہے یا غیر مستامن اپنا وصی بنایا تو یہ باطل ہے یہی حکم مسلمان کا ذمی کو وصی بنانے کا ہے۔[3] (عالمگیری ج٦ ص١٣٨)

مسئلہ ١٦: حربی کافر امان لے کر دارالاسلام میں داخل ہوا اس نے کسی مسلمان کو اپنا وصی بنایا تو یہ جائز ہے۔[4] (محیط از عالمگیری ج٦ ص١٣٨)

مسئلہ ١٧: مسلم نے حربی کو وصی بنایا پھر حربی اسلام لے آیا تو وہ بدستور وصی رہے گا اور یہی حکم مرتد کا بھی ہے۔[5] (عالمگیری ج٦ ص١٣٨)

مسئلہ ١٨: عاقل کو وصی بنایا پھر اس عاقل کو جنونِ مطبق ہوگیا (جنون مطبق یہ ہے کہ وہ کم از کم ایک ماہ تک مسلسل پاگل رہے) تو قاضی کو چاہیے کہ اس کی جگہ کسی اور کو وصی مقرر کردے اگر قاضی نے ابھی کسی دوسرے کو وصی مقرر نہیں کیا تھا کہ اس کا پاگل پن جاتا رہا اور صحیح ہوگیا تو یہ بدستور وصی بنا رہے گا۔[6] (عالمگیری ج٦ ص١٣٨)

مسئلہ ١٩: اگر کسی نے بچے کو یا معتوہ (پاگل) کو وصی بنایا تو یہ جائز نہیں خواہ بعد میں وہ اچھا ہو جائے یا نہ ہو۔[7] (عالمگیری ج٦ ص١٣٨)

مسئلہ ٢٠: کسی شخص نے عورت کو یا اندھے کو وصی بنایا تو یہ جائز ہے، اسی طرح تہمتِ زنا میں سزا یافتہ کو بھی وصی بنانا جائز ہے۔[8] (عالمگیری ج٦ ص١٣٨)

مسئلہ ٢١: نابالغ بچہ کو وصی بنایا تو قاضی اس کو وصی ہونے سے خارج کردے گا اور اس کی جگہ کوئی دوسرا وصی بنادے گا اگر قاضی کے اس کو وصی ہونے سے خارج کرنے سے قبل اس نے تصرف کردیا تو نافذ نہ ہوگا۔[9] (عالمگیری ج٦ ص١٣٨)

مسئلہ ٢٢: کسی شخص کو وصی بنایا اور کہا کہ اگر تو مرجائے تو تیرے بعد فلاں شخص وصی ہے پھر پہلا وصی جنون مطبق (لمبا پاگل پن) میں مبتلا ہوگیا تو قاضی اس کی جگہ دوسرا وصی مقرر کردے گا اور جب یہ پاگل مرجائے تب وہ فلاں شخص وصی بنے گا

---

1 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع في الوصي وما يملكه، ج٦، ص١٣٨.

2 ...... المرجع السابق. 3 ...... المرجع السابق. 4 ...... المرجع السابق. 5 ...... المرجع السابق.

6 ...... المرجع السابق. 7 ...... المرجع السابق. 8 ...... المرجع السابق. 9 ...... المرجع السابق.

جس کو موصی نے پہلے کے بعد نامزد کیا تھا۔[1] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۸)

مسئلہ ۲۳: کسی شخص نے اپنے نابالغ بیٹے کو وصی بنایا تو قاضی اس کے لئے دوسرے کو وصی مقرر کرے گا، جب یہ نابالغ لڑکا بالغ ہو جائے تو اسے وصی بنا دے گا اور اگر چاہے تو اس کو خارج کردے جسے لڑکے کی نابالغی کی وجہ سے وصی بنا دیا تھا لیکن وہ بغیر قاضی کے نکالے ہوئے نکل نہیں سکتا۔[2] (محیط از عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۸)

مسئلہ ۲۴: وصی امین ہے اور تصرف کرنے پر قادر ہے تو قاضی اسے معزول نہیں کرسکتا اور اگر سب وارثوں نے یا بعض نے قاضی سے وصی کی شکایت کی تو قاضی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اسے معزول کردے جب تک قاضی پر اس کی خیانت ظاہر نہ ہو جائے اگر خیانت ظاہر ہو جائے تو معزول کردے۔[3] (کافی از عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۸)

مسئلہ ۲۵: اگر قاضی کے نزدیک وصی متہم ہو جائے[4] تو قاضی اس کے ساتھ دوسرے کو مقرر کردے گا یہ امام اعظم کے نزدیک ہے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک قاضی اس متہم کو وصیّت سے نکال دے گا۔[5] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۹)

مسئلہ ۲۶: وقف کے لئے وصی تھا یا میت کے ترکہ کے لئے وصی تھا وہ ترکہ میں میت کی وصیّت پوری کرنے میں یا وقف کا انتظام قائم رکھنے میں عاجز رہا تو حاکم ایک اور قیم مقرر کرے گا پھر وصی نے کچھ دنوں کے بعد کہا کہ اب میں ان چیزوں کو قائم کرنے پر قادر ہو گیا ہوں جو موصی نے میرے سپرد کی تھیں تو وہ بدستور وصی ہے، حاکم کو دوبارہ مقرر کرنے کی ضرورت نہیں۔[6] (محیط از عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۹)

مسئلہ ۲۷: موصی نے دو آدمیوں کو اپنا وصی بنایا تو دونوں میں سے ایک تنہا تصرف نہیں کرسکتا اور اس کا تصرف بغیر دوسرے کی اجازت کے نافذ نہیں ہوگا لیکن چند چیزوں میں ہوسکتا ہے جیسے میت کی تجہیز و تکفین، میت کے دَین کی ادائیگی، ودِیعت (امانت) کی واپسی اور غصب کردہ چیز کی واپسی، حقوق میت سے متعلق مقدمات، نابالغ وارث کے لئے ہبہ قبول کرنا اور جس چیز کی ہلاکت کا اندیشہ ہے اسے فروخت کرنا، لیکن وہ تنہا میت کی ودیعت (امانت) پر قبضہ نہیں کرسکتا نہ میت کا دَین وصول کر کے قبضہ کرسکتا ہے۔[7] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۳۹)

مسئلہ ۲۸: موصی نے وصیّت کی اور دو آدمیوں کو وصی بنایا کہ اس کا اتنا اتنا مال اس کی طرف سے صدقہ کردیں اور کسی فقیر کو معین نہیں کیا تو دونوں میں سے کوئی وصی اکیلے صدقہ نہیں کرے گا اور اگر موصی نے فقیر کو معین کردیا تھا تو ایک وصی اکیلے ہی

1- "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع فی الوصی وما يملكه، ج٦، ص١٣٨.
2- المرجع السابق.　3- المرجع السابق، ص١٣٩.
4- یعنی اس پر خیانت کی تہمت لگے۔
5- "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع فی الوصی وما يملكه، ج٦، ص١٣٩.
6- المرجع السابق.　7- المرجع السابق.

صدقہ کرسکتا ہے۔[1] (عالمگیری ج۶، ص۱۳۹)

مسئلہ ۲۹: موصی نے دو آدمیوں کو وصی بنایا اور کہا کہ تم دونوں میں سے ہر ایک پورا پورا وصی ہے تو ہر ایک کے لئے تنہا تصرف کرنا جائز ہے۔[2] (خزانة المفتيين از عالمگیری ج۶، ص۱۳۹)

مسئلہ ۳۰: ایک شخص نے ایک آدمی کو کسی مخصوص و معیّن شے میں وصی بنایا اور دوسرے آدمی کو کسی دوسری قسم کی چیز میں وصی بنایا مثلاً یہ کہا کہ میں نے تجھے اپنے قرضوں کی ادائیگی میں وصی بنایا اور دوسرے سے کہا کہ میں نے تجھے اپنے امورِ مالیہ کے قیام میں وصی بنایا تو ان میں سے ہر وصی تمام کاموں میں وصی ہے۔[3] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج۶، ص۱۳۹)

مسئلہ ۳۱: کسی آدمی کو اپنے بیٹے پر وصی بنایا اور ایک دوسرے آدمی کو اپنے دوسرے بیٹے پر وصی بنایا یا اس نے ایک وصی بنایا اپنے موجودہ مال میں، اور دوسرے کو وصی بنایا اپنے غائب مال میں تو اگر اس نے یہ شرط لگادی تھی کہ ان دونوں میں سے کوئی اس معاملہ میں وصی نہیں ہوگا جس کا وصی دوسرا ہے تو جیسی اس نے شرط لگائی بالاتفاق ایسا ہی ہوگا اور اگر یہ شرط نہیں لگائی تھی تو اس صورت میں ہر وصی پورے پورے معاملات میں وصی ہوگا۔[4] (محیط از عالمگیری ج۶، ص۱۳۹)

مسئلہ ۳۲: ایک شخص نے دو آدمیوں کو وصی بنایا پھر ایک وصی کا انتقال ہوگیا تو زندہ باقی رہنے والا وصی اس کے مال میں تصرف نہیں کرے گا وہ معاملہ قاضی کے سامنے لے جائے گا اگر قاضی مناسب خیال کرے گا تو تنہا اس کو وصی بنادے گا اور تصرف کا اختیار دے دے گا یا اگر مناسب سمجھے گا تو اس کے ساتھی مرنے والے وصی کے بدلہ میں کوئی دوسرا وصی مقرر کرے گا۔[5] (عالمگیری ج۶، ص۱۳۹)

مسئلہ ۳۳: ایک شخص نے دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ان دونوں وصیوں میں سے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے ساتھی سے یتیم کے مال سے کچھ خریدے، اسی طرح دو یتیموں کے لئے دو وصی تھے ان میں سے کسی کو یتیم کا مال خریدنا جائز نہیں۔[6] (عالمگیری ج۶، ص۱۴۰)

مسئلہ ۳۴: ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے دو وصی بنائے تھے پھر ایک شخص آیا اور اس نے میت پر اپنے دَین (قرض) کا دعویٰ کیا دونوں وصیوں نے بغیر دلیل قائم ہوئے اس کا دَین ادا کردیا پھر ان دونوں وصیوں نے قاضی کے پاس جاکر اس دعوائے ادھار پر شہادت دی تو ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور جو کچھ انھوں نے مدعی کو دیا ہے وہ اس کے ضامن ہیں اور اگر انھوں نے اس کا دین (ادھار) ادا کرنے سے پہلے شہادت دی پھر قاضی نے انھیں دَین ادا کرنے کا حکم دیا اور انھوں نے ادا کردیا تو اب ان پر ضمان نہیں۔[7] (عالمگیری ج۶، ص۱۴۰)

---

[1] ......"الفتاوى الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع في الوصى وما يملكه، ج٦، ص١٣٩.

[2] ......المرجع السابق.

[3] ......المرجع السابق.

[4] ......المرجع السابق.

[5] ......المرجع السابق.

[6] ......المرجع السابق، ص ١٤٠.

[7] ......المرجع السابق.

مسئلہ ۳۵: میت کے وصی نے میت کا دَین شاہدوں کی شہادت کے بعد ادا کیا تو جائز ہے اوراس پر ضمان نہیں اور اگر بغیر قاضی کے حکم کے بعض کا دَین ادا کر دیا تو میت کے قرض خواہوں کے لئے ضامن ہوگا اور اگر قاضی کے حکم سے ادا کیا تو ضامن نہیں۔[1] (عالمگیری ج۶،ص۱۴۰)

مسئلہ ۳۶: ایک شخص نے دو آدمیوں کو وصی بنایا ان میں سے ایک کا انتقال ہوا پھر مرتے وقت اس نے اپنے ساتھی کو وصی بنادیا تو یہ جائز ہے اور اب اس کو تنہا تصرف کرنے کا حق ہے۔[2] (فتاوٰی قاضی خاں از عالمگیری ج۶،ص۱۴۰)

مسئلہ ۳۷: وصی جب مرنے کے قریب ہو تو اس کو حق ہے کہ وہ دوسرے کو وصی بنادے چاہے موصی نے اسے وصی بنانے کا اختیار نہ دیا ہو۔[3] (ذخیرہ از عالمگیری ج۶،ص۱۴۰)

مسئلہ ۳۸: ایک شخص نے وصیّت کی اور انتقال کر گیا اور اس کے پاس کسی کی ودیعتیں (امانتیں) رکھی ہیں پھر ایک وصی نے دوسرے وصی کی اجازت کے بغیر میت کے گھر سے امانتیں قبضہ میں کرلیں یا کسی ایک وارث نے دونوں وصیوں کی اجازت کے بغیر یا بقیہ وارثوں کی اجازت کے بغیر ان ودیعتوں پر قبضہ کرلیا اور اس کے قبضہ میں آکر وہ مال امانت ہلاک ہوگیا تو اس پر ضمان نہیں۔[4] (عالمگیری ج۶،ص۱۴۰)

مسئلہ ۳۹: دو وصی ہیں ان میں سے ایک نے قبرستان تک جنازہ اٹھانے کے لئے مزدور کرایہ پر لئے اور دوسرا وصی بھی موجود ہے لیکن خاموش رہا تو یہ جائز ہے، یہ اجرت میت کے مال سے ادا کی جائے گی۔ (عالمگیری ج۶،ص۱۴۰) یا وارثوں میں سے کسی نے دونوں وصیوں کی موجودگی میں جنازہ اٹھانے کے لئے مزدور کرایہ پر لئے اور دونوں وصی خاموش ہیں تو جائز ہے ان کی مزدوری میت کے مال سے دی جائے گی۔[5] (عالمگیری ج۶،ص۱۴۰)

مسئلہ ۴۰: میت نے دو وصیوں کو جنازہ اٹھانے سے قبل فقراء کو گندم صدقہ کرنے کی وصیّت کی ان میں سے ایک وصی نے گندم صدقہ کردیا، اگر یہ گندم میت کے مال متروکہ میں موجود تھا تو جائز ہے اور دوسرے وصی کو منع کرنے کا حق نہیں، اگر خرید کر صدقہ کیا تو خود اس کی طرف سے ہوگا، یہی حکم کپڑے اور کھانے کا ہے۔[6] (عالمگیری ج۶،ص۱۴۱)

مسئلہ ۴۱: ایک شخص نے دو آدمیوں کو وصی بنایا اور ان سے کہا کہ میرا ثلث مال جہاں چاہو دیدو یا جس کو چاہو دیدو پھر ان میں سے ایک وصی کا انتقال ہوگیا تو یہ وصیّت باطل ہوجائے گی اور یہ ثلث مال ورثہ کو مل جائے گا اور اگر یہ وصیّت کی تھی کہ میں

---

1 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع فی الوصی و مايملكه، ج٦، ص١٤٠.

2 ......المرجع السابق. 3 ......المرجع السابق. 4 ......المرجع السابق.

5 ......المرجع السابق. 6 ......المرجع السابق، ص١٤٠، ١٤١.

نے ثلث مال مساکین کے لئے کر دیا پھر ایک وصی کا انتقال ہو گیا تو قاضی اس کی جگہ اگر چاہے تو دوسرا وصی بنا دے اگر چاہے تو زندہ رہنے والے وصی سے کہے، تو تنہا اس کو تقسیم کر دے۔[1] (عالمگیری ج ٦ ص ١٤١)

مسئلہ ۴۲: دونابالغوں کے گھروں کے بیچ میں ایک دیوار ہے اس دیوار پر ان کا اپنا اپنا حمولہ (بوجھ) یعنی وزنی سامان ہے اور دیوار کے گرنے کا اندیشہ ہے اور ہر نابالغ کے لئے ایک وصی ہے ان میں سے ایک کے وصی نے دوسرے کے وصی سے دیوار کی مرمت کا مطالبہ کیا اور دوسرے نے انکار کر دیا تو قاضی امین کو بھیجے گا کہ اگر دیوار کو اسی حالت میں چھوڑ دینے سے نقصان کا خطرہ ہے تو انکار کرنے والے وصی کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ دوسرے وصی کے ساتھ مل کر دیوار کی مرمت کرائے۔[2] (عالمگیری ج ٦ ص ١٤١)

مسئلہ ۴۳: کسی شخص کو یہ وصیّت کی کہ میرا ثلث مال جہاں تو پسند کرے رکھ دے تو اس وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ اس مال کو اپنی ذات کے لئے کرے اور اگر یہ وصیّت کی تھی کہ جس کو چاہے دیدے تو اس صورت میں وہ یہ مال خود کو نہیں دے سکتا۔[3] (محیط السرخسی از عالمگیری ج ٦ ص ١٤١)

مسئلہ ۴۴: ایک شخص نے کسی کو وصی بنایا اس سے کہا کہ تو فلاں کے علم کے ساتھ عمل کر، تو وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ فلاں کے علم کے بغیر ہی عمل کرے، اور اگر یہ کہا تھا کہ کوئی کام نہ کر مگر فلاں کے علم کے ساتھ تو وصی کے لئے جائز نہیں کہ وہ فلاں کے علم کے بغیر عمل کرے۔[4] (عالمگیری ج ٦ ص ١٤١)

مسئلہ ۴۵: اگر میت نے وصی سے یہ کہا کہ فلاں کی رائے سے عمل کر یا کہا عمل نہ کرنا مگر فلاں کی رائے سے تو پہلی صورت میں صرف وصی مخاطب ہے وہ تنہا وصی رہے گا اور دوسری صورت میں وہ دونوں وصی ہیں۔[5] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج ٦ ص ١٤١)

مسئلہ ۴۶: کسی شخص نے اپنے وارث کو وصی بنایا تو یہ جائز ہے اگر یہ وصی اپنے مورث کی موت کے بعد مر گیا اور ایک شخص سے یہ کہا تھا کہ میں نے تجھے اپنے مال میں وصی بنایا اور اس میت کے مال میں وصی بنایا جس میں میں وصی ہوں تو یہ دوسرا وصی دونوں کے مال میں وصی ہوگا۔[6] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ٦ ص ١٤١)

مسئلہ ۴۷: ایک شخص نے کسی کو اپنا وصی بنایا پھر ایک اور شخص نے اس موصی کو اپنا وصی بنا دیا پھر یہ دوسرا موصی انتقال کر گیا تو موصی اول اس کا وصی ہے، پھر اس کے بعد اگر موصی اول بھی مر جائے تو اس کا وصی ان دونوں مرنے والوں کا وصی ہوگا، مثال کے طور پر زید نے خالد کو اپنا وصی بنایا اور کلیم نے زید کو اپنا وصی بنایا پھر دوسرا موصی یعنی کلیم انتقال کر گیا تو زید اس کا وصی ہے

---

1 ......"الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب التاسع فی الوصی ومایملکه، ج٦، ص١٤١.

2 ......المرجع السابق. 3 ......المرجع السابق. 4 ......المرجع السابق.

5 ......المرجع السابق. 6 ......المرجع السابق.

اور موصی اول زید بھی اس کے بعد انتقال کر گیا تو اس کا وصی خالد ان دونوں کا وصی ہوگا۔[1] (شرح الطحاوی از عالمگیری ج٦ ص١٤١)

مسئلہ ۴۸: مریض نے ایک جماعت کو مخاطب کر کے کہا کہ میرے مرنے کے بعد ایسا کرنا، اگر انھوں نے قبول کرلیا تو وہ سب وصی بن گئے، اور اگر خاموش رہے پھر اس کے مرنے کے بعد بعض نے قبول کرلیا تو اگر قبول کرنے والے دو یا زیادہ ہیں تو وہ اس کے وصی بن جائیں گے اور انھیں اس کی وصیت نافذ کرنے کا حق ہے لیکن اگر قبول کرنے والا ایک ہے تو وہ بھی وصی بن جائے گا لیکن اسے تنہا وصیّت نافذ کرنے کا اختیار نہیں تاوقتیکہ وہ حاکم سے رجوع نہ کرے، حاکم اس کے ساتھ ایک اور وصی مقرر کرے گا۔[2] (عالمگیری ج٦ ص١٤١)

مسئلہ ۴۹: دو وصیوں میں اس امر میں اختلاف ہوا کہ مال کس کے پاس رہے گا تو اگر مال قابل تقسیم ہے تو دونوں کے پاس آدھا آدھا رہے گا اور اگر قابل تقسیم نہ ہو تو اگر دونوں چاہیں تو کسی دوسرے کے پاس ودیعت رکھ دیں اور چاہیں تو دونوں میں سے کسی ایک کے پاس رہے، سب صورتیں جائز ہیں۔[3] (عالمگیری ج٦ ص١٤٢)

مسئلہ ۵۰: یتیموں کے لئے دو وصی تھے ان میں سے ایک نے مال تقسیم کرلیا تو جائز نہیں جب تک دونوں ایک ساتھ موجود نہ ہوں یا جو غائب ہے اس کی اجازت حاصل ہو۔ (عالمگیری ج٦ ص١٤٢) یہی حکم نابالغ کے مال کے فروخت کرنے کا ہے کہ دونوں وصی حاضر ہوں تو فروخت کرنا جائز ہے، اگر ایک غائب ہے تو دوسرا اس سے اجازت لئے بغیر فروخت نہیں کرسکتا۔[4] (عالمگیری ج٦ ص١٤٢)

مسئلہ ۵۱: وصی نے میت کی زمین فروخت کی تاکہ اس کا دین ادا کردے اور وصی کے قبضہ میں اتنا مال ہے کہ اس سے میت کا ادھار بیباق کردے[5]، اس صورت میں بھی یہ بیع جائز ہے۔[6] (خزانۃ المفتیین از عالمگیری ج٦ ص١٤٢)

مسئلہ ۵۲: باپ کی طرف سے مقرر کردہ وصی نابالغ کے لئے مال کا مقاسمہ کرسکتا ہے چاہے مال منقولہ جائداد ہو یا جائداد غیر منقولہ، اس میں اگر معمولی گڑبڑ ہو (یعنی معمولی غبن ہو) تب بھی جائز ہے لیکن اگر غبن فاحش ہے (بڑا غبن ہے) تو جائز نہیں، اس قسم کے مسائل میں اصل وقاعدہ یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کو فروخت کرنے کا اختیار رکھتا ہے اسے اس میں مقاسمہ کرنے کا اختیار بھی حاصل ہے۔[7] (محیط از عالمگیری ج٦ ص١٤٢)

---

1 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع فی الوصی ومايملكه، ج٦، ص١٤١.

2 ......المرجع السابق.　3 ......المرجع السابق، ص١٤٢.　4 ......المرجع السابق.

5 ......یعنی ادا کردے۔

6 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع فی الوصی ومايملكه، ج٦، ص١٤٢.

7 ......المرجع السابق.

مسئلہ ۵۳: وصی کے لئے جائز ہے کہ موصٰی لہ کے حصہ کی تقسیم کردے سوائے عقار کے[1] اور نابالغوں کا حصہ روک لے اگرچہ بعض بالغ اور غائب ہوں۔[2] (عالمگیری ج۶ ص۱۴۲)

مسئلہ ۵۴: وصی نے ورثہ کے لئے موصی کا مال تقسیم کیا اور ترکہ میں کسی شخص کے لئے وصیّت بھی ہے اور موصٰی لہ غائب ہے تو وصی کی تقسیم غائب موصٰی لہ پر جائز نہیں موصٰی لہ اپنی وصیّت میں ورثہ کا شریک ہوگا اور اگر تمام ورثہ نابالغ ہیں اور وصی نے موصٰی لہ سے مال تقسیم کیا اور اسے ثلث مال دے کر دوثلث ورثہ کے لئے روک لیا تو یہ جائز ہے اب اگر وصی کے پاس سے وہ مال ہلاک ہوگیا تو ورثہ موصٰی لہ کے حصہ میں شریک نہ ہوں گے۔[3] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج۶ ص۱۴۲)

مسئلہ ۵۵: قاضی نے یتیم کے لئے ہر چیز میں وصی مقرر کرلیا پھر اس نے جائداد غیر منقولہ میں اور سامان میں تقسیم کی تو جائز ہے جبکہ قاضی نے ہر چیز میں وصی مقرر کیا ہو لیکن اگر اسے یتیم کے نفقہ اور کسی خاص شے کی حفاظت کے لئے وصی مقرر کیا تو اسے تقسیم کرنا جائز نہیں۔[4] (عالمگیری ج۶ ص۱۴۲)

مسئلہ ۵۶: کسی نے ایک ہزار درہم کے ثلث کی وصیّت کی، ورثہ نے یہ قاضی کے حوالہ کردیئے قاضی نے اس کو تقسیم کیا اور موصٰی لہ غائب ہے تو قاضی کی تقسیم صحیح ہے یہاں تک کہ اگر موصٰی لہ کے حصہ کے یہ درہم ہلاک ہوگئے بعد میں موصٰی لہ حاضر ہوا تو ورثہ کے حصہ میں وہ شریک نہ ہوگا۔[5] (کافی از عالمگیری ج۶ ص۱۴۳)

مسئلہ ۵۷: دو۲ یتیموں کے لئے ایک وصی ہے اس نے یتیموں کے بالغ ہوجانے کے بعد ان سے کہا کہ میں تم دونوں کو ایک ہزار درہم دے چکا ہوں ان میں سے ایک نے وصی کی تصدیق کی اور دوسرے نے تکذیب کی اور انکار کیا تو اس صورت میں انکار کرنے والا اپنے بھائی سے ڈھائی سو درہم لینے کا حقدار ہے اور اگر دونوں نے وصی کی بات تسلیم کرنے سے انکار کردیا تو وصی پر ان کے لئے کچھ نہیں، اور اگر وصی نے یہ کہا تھا کہ میں نے تم میں سے ہر ایک کو پانچ پانچ سو درہم علیحدہ علیحدہ دیئے تھے اور ان میں سے ایک نے تصدیق کی دوسرے نے انکار کیا تو اس صورت میں انکار کرنے والا وصی سے ڈھائی سو درہم لے لے گا۔[6] (عالمگیری ج۶ ص۱۴۳)

مسئلہ ۵۸: ایک شخص نے دو چھوٹے لڑکے چھوڑے اور ان کے لئے وصی بنادیا، انھوں نے بالغ ہونے کے بعد وصی سے اپنی میراث طلب کی، وصی نے کہا کہ تمہارے باپ کا کل ترکہ ایک ہزار درہم تھا اور میں تم میں سے ہر ایک پر پانچ پانچ سو درہم خرچ کرچکا ہوں۔ ان دونوں بیٹوں میں سے ایک نے وصی کی تصدیق کی اور دوسرے نے انکار کیا تو انکار کرنے والا تصدیق

---

1 ...... یعنی غیر منقولہ جائداد کے علاوہ۔

2 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع في الوصي ومايملكه، ج۶، ص۱۴۲.

3 ...... المرجع السابق. 4 ...... المرجع السابق. 5 ...... المرجع السابق، ص۱۴۳. 6 ...... المرجع السابق.

کرنے والے سے ڈھائی سو درہم لے لے گا وصی سے کچھ نہیں۔[1] (محیط السرخسی از عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۳)

مسئلہ ۵۹: جو وصی بچہ کی ماں نے مقرر کیا وہ اس بچہ کے لئے اس کی وہ منقولہ جائداد تقسیم کرنے کا حقدار ہے جو بچہ کو اس کی ماں کی طرف سے ملی ہے، یہ حق اس وقت ہے جب بچہ کا باپ زندہ نہ ہو اور نہ باپ کا وصی، لیکن ان دونوں میں سے اگر ایک بھی ہے تو ماں کے وصی کو تقسیم کا حق نہیں لیکن ماں کا وصی کسی حال میں بھی بچہ کے لئے اس کی جائداد غیر منقولہ[2] تقسیم نہیں کرسکتا اور نہ اسے اس جائداد کی تقسیم کا اختیار ہے جو بچہ کی ماں کے علاوہ کسی اور سے ملی چاہے وہ جائداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ۔ یہی حکم نابالغ کے بھائی کے وصی اور اس کے چچا کے وصی کا ہے۔[3] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۳)

مسئلہ ۶۰: باپ کے وصی نے باپ کے ترکہ سے کچھ فروخت کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ میت پر دَین نہ ہو اور نہ وصیّت ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ میت پر دین ہو یا اس نے وصیّت کی ہو تو پہلی صورت میں حکم یہ ہے۔ (کتاب الصغیر میں ہے) وصی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ہر چیز فروخت کرسکتا ہے خواہ وہ زمین ہو یا اسباب جبکہ ورثہ نابالغ ہوں، دوسری صورت یہ ہے کہ اگر میت پر دَین ہے اور پورے ترکہ کے برابر ہے تو کل ترکہ فروخت کرنا بالاجماع جائز ہے۔ اگر دَین پورے ترکہ کے برابر نہیں تو بقدرِ دَین ترکہ فروخت کرے گا۔[4] (کافی از عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۵)

مسئلہ ۶۱: اگر وصی نے اپنے مال سے میت کو کفن دیا تو وہ میت کے مال سے لے گا اور یہی حکم وارث کا بھی ہے۔[5] (عقود الدریہ بزازیہ برہامش ہندیہ ج ۶ ص ۴۴۶)

مسئلہ ۶۲: اگر وصی یا وارث نے میت کا دین اپنے مال سے ادا کیا تو وہ میت کے مال سے لینے کا مستحق ہے۔[6] (عقود الدریہ بزازیہ برہامش ہندیہ ج ۶ ص ۴۴۶)

مسئلہ ۶۳: باپ کی طرف سے چھوٹے بچہ کے لئے جو وصی مقرر ہے اسے بچہ کی جائیداد غیر منقولہ صرف اس صورت میں فروخت کرنے کا اختیار و اجازت ہے جب میت پر دَین ہو جو صرف زمین کی قیمت سے ہی ادا کیا جاسکتا ہے یا بچہ کے لئے زمین کی قیمت کی ضرورت ہو یا کوئی خریدار زمین کی دوگنی قیمت ادا کرنے کو تیار ہو۔[7] (کافی از عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۵)

---

1 ...... "الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب التاسع فی الوصی ومایملکه، ج۶، ص۱۴۳.

2 ...... وہ جائداد جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ ہوسکے۔

3 ...... "الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب التاسع فی الوصی ومایملکه، ج۶، ص۱۴۳.

4 ...... المرجع السابق.

5 ...... "البزازیة" علی هامش "الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الفصل السادس فی تصرفات الوصی، ج۶، ص۴۴۶.

6 ...... المرجع السابق.

7 ...... "الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب التاسع فی الوصی ومایملکه، ج۶، ص۱۴۴.

مسئلہ ۶۴: وصی نے یتیم کے لئے کوئی چیز خریدی اگر اس میں غبنِ فاحش ہے یعنی کھلی بے ایمانی ہے تو یہ خریداری جائز نہیں۔[1] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۵)

مسئلہ ۶۵: ورثہ اگر بالغ وحاضر ہیں تو ان کی اجازت کے بغیر وصی کو میت کے ترکہ سے کچھ فروخت کرنا جائز نہیں اگر بالغ ورثہ موجود نہیں ہیں تو ان کی عدم موجودگی میں وصی کو جائیداد غیر منقولہ کو فروخت کرنا جائز نہیں، جائیداد غیر منقولہ کے علاوہ اور چیزوں کی بیع جائز ہے، جائیداد غیر منقولہ کو صرف اس صورت میں وصی کو فروخت کرنا جائز ہے جب کہ اس کے ضائع و ہلاک ہونے کا خطرہ ہو۔ اگر میت نے وصیّت مرسلہ (مطلقہ) کی تو وصی بقدر وصیّت بیع کرنے کا بالاتفاق مالک ہے اور امام اعظم کے نزدیک کل کی بیع کرسکتا ہے۔[2] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۵)

مسئلہ ۶۶: اگر ورثہ میں کوئی نابالغ بچہ ہے اور باقی سب بالغ ہیں اور میت پر کوئی دَین اور اس کی کوئی وصیّت بھی نہیں اور ترکہ سب ہی از قسم مال واسباب ہے (یعنی جائیداد غیر منقولہ نہیں) تو وصی نابالغ بچہ کا حصہ فروخت کرسکتا ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک وہ وصی باقی ماندہ بڑوں کے حصہ کو بھی بیع کرسکتا ہے اور اگر وہ کل کی بیع کرے گا تو اس کی بیع جائز ہوگی۔[3] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۴)

مسئلہ ۶۷: ماں کا انتقال ہوا اس نے نابالغ بچہ چھوڑا اور اس کے لئے وصی بنایا تو اس وصی کو بجز جائیداد غیر منقولہ اس کے ترکہ سے ہر چیز بیع کرنا جائز ہے اور اس وصی کو اس بچہ کے لئے کھانے کپڑے کے علاوہ کوئی اور چیز خریدنا جائز نہیں۔[4] (فتاوٰی قاضی خاں از عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۴)

مسئلہ ۶۸: ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے اپنے نابالغ بچے چھوڑے اور اپنے باپ کو چھوڑا اور کسی کو اپنا وصی نہیں بنایا اس صورت میں میت کا باپ (یعنی بچوں کا دادا) بجائے وصی متصور ہوگا اسے بچوں کی حفاظت اور مال میں ہر قسم کے تصرفات[5] کا اختیار ہے لیکن اگر میت پر دَین کثیر ہو تو اس میت کے باپ کو دین کی ادائیگی کے لئے اس کا ترکہ فروخت کرنے کا اختیار نہیں۔[6] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۵)

مسئلہ ۶۹: میت کے وصی نے دیون کی[7] ادائیگی کے لئے اس کا ترکہ فروخت کیا اور دین ترکہ کو محیط نہیں ہے تو جائز ہے لیکن اگر ترکہ میں دین نہیں ہے اور وارثوں میں چھوٹے بچے بھی ہیں اور قاضی نے کل ترکہ فروخت کردیا تو یہ بیع

---

1 ...... "الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب التاسع فی الوصی ومایملکه، ج۶، ص۱۴۴.

2 ...... المرجع السابق. 3 ...... المرجع السابق. 4 ...... المرجع السابق.

5 ...... معاملات، لین دین۔

6 ...... "الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب التاسع فی الوصی ومایملکه، ج۶، ص۱۴۵.

7 ...... یعنی قرضوں کی۔

نافذ ہو جائے گی۔[1] (عالمگیری ج۶،ص۱۴۶)

مسئلہ ۷۰: میت نے باپ چھوڑا اور وصی بھی چھوڑا تو وصی زیادہ مستحق ہے باپ سے اگر اس نے وصی نہیں بنایا تھا تو باپ مستحق ہے اور باپ بھی نہیں تو دادا پھر دادا کا وصی پھر قاضی کی طرف سے مقرر کیا ہوا وصی۔[2] (عالمگیری ج۶،ص۱۴۶)

مسئلہ ۷۱: بچہ ماں کا وارث ہوا اور اس کا باپ نہایت فضول خرچ ہے اور وہ ممنوع التصرف ہونے کے لائق ہے[3] تو اس صورت میں اس باپ کو اس کے مال میں ولایت نہیں۔[4] (عالمگیری ج۶،ص۱۴۶) یعنی وہ بچہ کے مال میں تصرف کا مالک نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۷۲: قاضی نے یتیم بچہ کے لئے وصی مقرر کیا تو قاضی کا یہ وصی اس کے باپ کے وصی کی جگہ ہوگا اگر قاضی نے اسے تمام معاملات میں وصی عام بنایا ہے اور اگر قاضی نے اسے کسی خاص معاملہ میں وصی بنایا تو وہ اس معاملہ کے ساتھ خاص رہے گا دوسرے معاملات میں اسے کچھ اختیار نہیں بخلاف اس وصی کے جس کو باپ نے مقرر کیا کہ اسے کسی معاملہ کے ساتھ خاص نہیں کیا جاسکتا یعنی اگر اس نے کسی کو ایک معاملہ میں وصی بنایا تو وہ ہر معاملہ میں وصی رہے گا۔[5] (فتاویٰ قاضی خان از عالمگیری ج۶،ص۱۴۶)

مسئلہ ۷۳: وصی نے میت کے ترکہ سے کوئی چیز ادھار فروخت کی اگر اس میں یتیم کے نقصان کا اندیشہ ہو مثلاً یہ کہ خریدار قیمت دینے سے انکار کردے یا میعاد مقررہ پر اس سے قیمت وصول نہ ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں یہ بیع جائز نہیں اور اگر اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے۔[6] (عالمگیری ج۶،ص۱۴۶)

مسئلہ ۷۴: یتیم کا ایک گھر ہے ایک شخص نے اسے آٹھ روپے ماہانہ پر کرایہ پر لینا چاہا اور دوسرا اسے دس روپے ماہانہ کرایہ پر لینا چاہتا ہے لیکن آٹھ روپے ماہانہ دینے والا مالدار و قادر ہو (یعنی کرایہ دیتا رہے گا) تو گھر اس کو دیا جائے گا دس روپے ماہانہ والے کو نہیں جب کہ اس سے کرایہ نہ دینے کا اندیشہ ہو۔[7] (عالمگیری ج۶،ص۱۴۶)

مسئلہ ۷۵: وصی نے یتیم کے مال میں سے کوئی چیز صحیح قیمت پر فروخت کی، دوسرا اس سے زیادہ دے کر لینا چاہتا ہے تو قاضی یہ معاملہ ایماندار ماہرینِ قیمت کے سپرد کردے گا، اگر ان میں سے دو صاحبِ امانت لوگوں نے کہہ دیا کہ وصی نے اسے صحیح قیمت پر فروخت کیا ہے اور اس کی قیمت یہی ہے تو قاضی زیادہ قیمت دینے والے کی طرف توجہ نہ کرے گا یہی حکم مال وقف کو اجارہ پر دینے کا ہے۔[8] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج۶،ص۱۴۶)

مسئلہ ۷۶: ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے ثلث مال کی وصیّت کی اور مختلف قسم کی جائیداد غیر منقولہ چھوڑیں اب وصی ان میں سے کسی ایک جائیداد کو میت کی وصیّت پوری کرنے کے لئے فروخت کرنا چاہتا ہے تو ورثہ کو یہ حق ہے کہ وہ صرف اس

---

1 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا،الباب التاسع فی الوصی ومايملكه،ج٦،ص١٤٦.

2 ......المرجع السابق.

3 ......یعنی معاملات، لین دین وغیرہ کرنے کے قابل نہیں۔

4 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا،الباب التاسع فی الوصی ومايملكه،ج٦،ص١٤٦.

5 ......المرجع السابق. 6 ......المرجع السابق. 7 ......المرجع السابق. 8 ......المرجع السابق.

صورت میں اپنی رضا مندی دیں جب میت کی ہر قسم کی جائیداد غیر منقولہ میں سے ایک ثلث فروخت کیا جائے، اگر اس کی ہر جائیداد میں سے اس کا ثلث فروخت کرنا ممکن ہو۔[1] (فتاویٰ ابی اللیث از عالمگیری ج ٦ ص ١٤٧)

مسئلہ ۷۷: ایک عورت کا انتقال ہوا اس نے وصیّت کی کہ میرا مال و متاع فروخت کیا جائے اور اس کی قیمت کا ثلث (تہائی حصہ) فقراء پر خرچ کیا جائے، اس کے بالغ ورثہ بھی ہیں اب وصی نے چاہا کہ اس کا تمام ساز و سامان فروخت کردے، ورثہ نے انکار کیا اور بقدرِ مقدارِ وصیّت فروخت کرنے کو کہا اگر ثلث مال کی خریداری میں نقص و خرابی ہے اور اس سے ورثہ اور اہل وصیّت (موصیٰ لہم) کو نقصان پہنچتا ہے تو وصی کو کل مال فروخت کردینے کا اختیار ہے ورنہ نہیں، صرف اتنا فروخت کرے گا جس میں وصیّت پوری کی جاسکے۔[2] (ذخیرہ از عالمگیری ج ٦ ص ١٤٧)

مسئلہ ۷۸: وصی کو مال یتیم سے تجارت کرنا جائز ہے۔[3] (مبسوط از عالمگیری ج ٦ ص ١٤٧)

مسئلہ ۷۹: وصی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ یتیم یا میت کے مال سے اپنی ذات کے لئے تجارت کرے اگر اس نے تجارت کی اور منافع ہوا تو وہ یتیم یا میت کے اصل مال کا ضامن ہوگا اور منافع کو صدقہ کرے گا۔[4] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ٦ ص ١٤٧)

مسئلہ ۸۰: وصی مال یتیم سے یتیم کو فائدہ پہنچانے کے لئے تجارت کرسکتا ہے۔[5] (المبسوط از عالمگیری ج ٦ ص ١٤٧)

مسئلہ ۸۱: وصی نے میت کے ترکہ کا کچھ حصہ طویل مدت کے لئے اجارہ پر دیا تاکہ اس سے میت کا دَین (ادھار) ادا کردے تو یہ جائز نہیں۔[6] (عالمگیری ج ٦ ص ١٤٧)

مسئلہ ۸۲: ایک شخص کا انتقال ہوا وہ مدیون ہے (یعنی اس پر اُدھار ہے) اس نے وصی بنایا اور وصی غائب ہے، کسی وارث نے اس کا ترکہ[7] فروخت کیا اور اس کا دین[8] ادا کردیا اور اس کی وصیّتوں کو نافذ کردیا تو یہ بیع فاسد ہوگی لیکن اگر قاضی کے حکم سے بیع کیا تھا تو بیع جائز ہے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ پورا ترکہ دین میں مستغرق ہو[9]، اگر ترکہ دین میں مستغرق نہیں ہے تو وارث کا تصرف صرف اسی کے حصہ میں نافذ ہوگا۔[10] (عالمگیری ج ٦ ص ١٤٧) مگر یہ کہ مبیع[11] اگر بیت معین[12]

---

1. ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب التاسع فی الوصی ومایملکه، ج٦، ص١٤٦.
2. ......المرجع السابق، ص١٤٧.
3. ......المرجع السابق.
4. ......المرجع السابق.
5. ......المرجع السابق.
6. ......المرجع السابق.
7. ......یعنی میت کا چھوڑا ہوا مال۔
8. ......قرض، ادھار۔
9. ......یعنی قرض میں گھرا ہوا ہو۔
10. ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب التاسع فی الوصی ومایملکه، ج٦، ص١٤٧.
11. ......بیچی گئی چیز۔
12. ......یعنی مخصوص گھر۔

ہو تو اس صورت میں وارث کا تصرف اُسی کے حصہ میں ہی نافذ ہوگا۔

مسئلہ ۸۳: بالغ وارث نے میت کے ترکہ سے یا اس کی غیر منقولہ جائیداد سے کچھ فروخت کیا پھر بھی میت پر دین اور وصیتیں باقی رہ گئیں وصی نے چاہا کہ وارث کی بیع کو رد کردے تو اگر وصی کے قبضہ میں اس کے علاوہ بھی میت کا کچھ مال ہے جسے فروخت کر کے وہ میت کا قرضہ اور وصیتیں بے باق کر سکتا ہے تو وہ وارث کی بیع کو رد نہیں کرے گا۔[1] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۷)

مسئلہ ۸۴: وصی اگر یتیم کا مال کسی کو قرض دینا چاہے تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے۔[2] (محیط از عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۷)

اگر قرض دے گا تو ضامن ہوگا۔

مسئلہ ۸۵: میت کے وصی یا باپ نے یتیم کا مال اپنے دَین (ادھار) میں رہن کر دیا تو یہ استحساناً جائز ہے اگر وصی نے یتیم کے مال سے اپنا قرض ادا کیا تو جائز نہیں اگر باپ نے ایسا کیا تو جائز ہے۔[3] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۷)

مسئلہ ۸۶: وصی نے بچہ کو کسی عمل خیر کے لئے اجرت پر رکھا تو یہ جائز ہے۔[4] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۸)

مسئلہ ۸۷: وصی نے یتیم کے لئے کوئی اجیر اس سے زیادہ اجرت پر لیا جو اس کی ہے تو یہ اجارہ جائز ہے لیکن اسے اتنی ہی اجرت دی جائے گی جو اس کی ہوتی ہے اور جو زیادہ ہے وہ اس یتیم بچہ کو واپس کر دی جائے گی۔[5] (عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۸)

مسئلہ ۸۸: وصی نے نابالغ بچہ کا مکان اس سے کم کرایہ پر دیا جتنا کرایہ اس کا لینا چاہیے تھا تو مستاجر کو یعنی مکان کرایہ پر لینے والے کو اس کا پورا کرایہ دینا لازم ہے (یعنی اتنا کرایہ جتنے کرایہ کا اس جیسا مکان ملتا ہے) لیکن اگر کم کرایہ لینے میں یتیم کا فائدہ ہے تو کم کرایہ پر مکان دینا واجب ہے۔[6] (ذخیرہ از عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۸)

مسئلہ ۸۹: وصی اپنی ذات کو نابالغ یتیم کا آجر[7] نہیں بنا سکتا لیکن باپ یعنی یتیم کا دادا اجیر[8] بن سکتا ہے اور اس یتیم کو اپنا اجیر بنا سکتا ہے۔[9] (قدوری از عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۸)

مسئلہ ۹۰: وصی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ یتیم کے مال کو بالمعاوضہ یا بلا معاوضہ ہبہ کرے باپ کے لئے بھی یہی حکم ہے۔[10] (فتاویٰ قاضی خان از عالمگیری ج ۶ ص ۱۴۸)

---

1. ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع فی الوصی ومايملكه، ج٦، ص١٤٧.
2. ......المرجع السابق.
3. ......المرجع السابق.
4. ......المرجع السابق، ص١٤٨.
5. ......المرجع السابق.
6. ......المرجع السابق.
7. ......اجرت پر کام لینے والا۔
8. ......اجرت پر کام کرنے والا، مزدور، ملازم۔
9. ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع فی الوصی ومايملكه، ج٦، ص١٤٧.
10. ......المرجع السابق.

مسئلہ ۹۱: وصی نے نابالغ یتیم کا مال خود اپنے ہاتھ فروخت کیا یا اپنا مال یتیم نابالغ کے ہاتھ فروخت کیا تو اگر ان سودوں (خرید وفروخت) میں یتیم کے لئے کھلا ہوا نفع ہے تو جائز ہے اور اگر منفعتِ ظاہر (کھلا ہوا نفع) نہیں ہے تو جائز نہیں منفعتِ ظاہر کی تشریح بعض مشائخ علماء نے یہ کی ہے کہ یتیم کا سَو ۱۰۰ کا مال سوا سَو ۱۲۵ میں فروخت کرے یا اپنا سَو ۱۰۰ کا مال پچھتر ۷۵ روپے میں یتیم کو دیدے۔[1] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۴۸)

مسئلہ ۹۲: دو یتیموں کے ایک وصی نے ایک یتیم کا مال دوسرے یتیم کو فروخت کیا تو یہ جائز نہیں۔[2] (ذخیرہ از عالمگیری ج ۶، ص ۱۴۸)

مسئلہ ۹۳: میت کے باپ نے یا اس کے وصی نے نابالغ کو تجارت کی اجازت دیدی تو صحیح ہے اور اس نابالغ کے خرید وفروخت کرتے وقت ان کا سکوت بھی اجازت ہے اور اگر نابالغ کے بالغ ہونے سے پہلے میت کے باپ کا یا وصی کا انتقال ہوگیا تو ان کی اجازت باطل ہو جائے گی۔ اگر نابالغ بالغ ہوگیا اور باپ یا وصی زندہ ہے تو اجازت باطل نہیں ہوگی۔[3] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۴۸)

مسئلہ ۹۴: نابالغ کا مال فروخت کرنے کے لئے باپ نے یا وصی نے وکیل بنایا پھر باپ کا انتقال ہوگیا یا نابالغ بالغ ہوگیا تو وکیل معزول ہوجائے گا۔[4] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۴۹)

مسئلہ ۹۵: قاضی نے نابالغ کو یا کم سمجھ کو تجارت کی اجازت دیدی تو صحیح ہے۔[5] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۴۹)

مسئلہ ۹۶: قاضی نے نابالغ کو تجارت کی اجازت دیدی اور باپ یا وصی نے منع کیا تو ان کا منع کرنا باطل ہے اور ایسے ہی اگر اجازت دینے والے قاضی کا انتقال ہوگیا تو یہ اجازت اس وقت تک ممنوع نہ ہوگی جب تک دوسرا قاضی ممنوع نہ قرار دے۔[6] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ۶، ص ۱۴۹)

مسئلہ ۹۷: وصی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ یتیم کے مال سے اس کا صدقۂ فطر ادا کردے یا اس کے مال سے اُس کی طرف سے قربانی کرے جب کہ یتیم مالدار ہو۔[7] (عالمگیری ج ۶، ص ۱۴۹)

مسئلہ ۹۸: وصی کو اختیار نہیں کہ وہ مَیت کے قرضداروں کو بَری کردے[8] یا ان کے ذمہ قرض میں سے کچھ کم کردے یا

---

1 ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا، الباب التاسع فی الوصی ومایملکه، ج ٦، ص ١٤٨.

2 ......المرجع السابق، ص ١٤٨، ١٤٩.
3 ......المرجع السابق، ص ١٤٩.
4 ......المرجع السابق.

5 ......المرجع السابق.
6 ......المرجع السابق.
7 ......المرجع السابق.

8 ......یعنی ان کے قرض ادا کردے۔

قرض کی ادائیگی کے لئے میعاد[1] مقرر کرے جب کہ وہ دَین میت کے خود اپنے کیے ہوئے معاملہ کا ہو اور اگر معاملہ وصی نے کیا تھا اس کا دین ہے تو وصی کو مدیون[2] کو بری کرنے یا دین کو کم کرنے یا اس کی مدّت مقرر کرنے کا اختیار ہے لیکن اس کے نقصان کا ضامن ہوگا۔[3] (عالمگیری ج۶ ص۱۴۹)

مسئلہ۹۹: وصی نے میت کے کسی قرضدار سے میت کے دَین میں مصالحت کرلی، اگر میت کی طرف سے اس دَین کا ثبوت ہے یا قرضدار خود اقراری ہے یا قاضی کو اس کے حق کا علم ہے تو ان تمام صورتوں میں وصی کی یہ مصالحت جائز نہیں، اگر اس حق (دین) پر دلیل وبیّنہ قائم نہیں ہے تو وصی کا مصالحت کرلینا جائز ہے لیکن اگر وصی نے اس دَین میں صلح کی جو میت پر واجب تھا یا یتیم پر تھا تو اگر مدعی کے پاس دلیل وبیّنہ ہے یا قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کردیا تو وصی کا صلح کرلینا جائز ہے اور اگر مدعی کے لئے اس کے حق میں دلیل نہیں ہے اور نہ قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ دیا تو صلح کرنا جائز نہیں۔[4] (عالمگیری ج۶ ص۱۴۹)

مسئلہ۱۰۰: وصی یتیم کا مال لے کر کسی ظالم وجابر کے پاس سے گزرا اور اُسے اندیشہ ہے کہ اگر اس نے اس کے ساتھ حسن سلوک نہ کیا یعنی اسے کچھ نہ دیا تو یہ سب مال اس کے قبضہ سے نکل جائے گا۔ اس نے یتیم کے مال سے اس کو کچھ دیدیا تو استحساناً جائز ہے یہی حکم مضارب کے لئے ہے مال مضاربت میں۔[5] (عالمگیری ج۶ ص۱۵۰)

مسئلہ۱۰۱: وصی نے قاضی کی عدالت میں مقدمات پر خرچ کیا اور بطور اجارہ کچھ دیا تو وصی اس کا ضامن نہیں لیکن بطور رشوت کچھ خرچ کیا ہے تو اس کا ضامن ہے، فقہاء فرماتے ہیں اپنی جان اور مال سے رفع ظلم کے لئے[6] مال خرچ کرنا اس کے حق میں رشوت دینے میں داخل نہیں لیکن اگر دوسرے پر کوئی حق ہے اس حق کو نکلوانے میں مال خرچ کرنا رشوت ہے۔[7] (عالمگیری ج۶ ص۱۵۰)

مسئلہ۱۰۲: ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے اپنی عورت کو وصی بنایا اور نابالغ بچے اور ترکہ چھوڑا[8] پھر اس کے گھر ظالم حکمراں آیا، اس وصی عورت سے کہا گیا اگر تو اس کو کچھ نہیں دے گی تو یہ گھر اور جائیداد غیر منقولہ[9] پر قبضہ اور غلبہ کرے گا اس

---

1 ...... مدت۔ 2 ...... مقروض۔

3 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع فی الوصی ومايملكه، ج٦، ص١٤٩.

4 ...... المرجع السابق. 5 ...... المرجع السابق، ص١٥٠.

6 ...... یعنی اپنی جان ومال کو ظلم سے بچانے کے لئے۔

7 ...... "الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع فی الوصی ومايملكه، ج٦، ص١٥٠.

8 ...... یعنی مال وجائیداد چھوڑا۔ 9 ...... وہ جائیداد جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ ہوسکے۔

وصی عورت نے جائیداد غیر منقولہ سے اسے کچھ دیدیا تو یہ معاملہ صحیح ہے۔[1] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ۶،ص ۱۵۰)

مسئلہ ۱۰۳: وصی نے یتیم کا مال یتیم کی تعلیم قرآن اور ادب میں خرچ کیا، اگر بچہ اس کی (یعنی تعلیم ادب کی) صلاحیت رکھتا تھا تو جائز ہے بلکہ وصی ثواب پائے گا اور اگر بچہ میں علم حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں تو بقدر ضرورتِ نماز قرآن مجید کی تعلیم دلائے۔[2] (عالمگیری ج ۶،ص ۱۵۰،۱۵۱، درمختار ج ۵،ص ۵۰۴ علی ہامش ردالمحتار)

مسئلہ ۱۰۴: وصی کو چاہیے کہ وہ بچہ کے نفقہ میں وسعت کرے[3]، نہ فضول خرچی کرے نہ تنگی، یہ وسعت بچے کے مال اور حال کے لحاظ سے ہوگی، وصی بچہ کے مال اور حال کو دیکھ کر اس کے لائق خرچہ کرے گا۔[4] (عالمگیری ج ۶،ص ۱۵۰)

مسئلہ ۱۰۵: وصی اگر یتیم کے کاموں کے لئے جائے گا اور یتیم کے مال سے سواری کرایہ پر لے گا اور اپنے اوپر خرچ کرے گا تو استحساناً یہ اس کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ خرچہ ضروری و ناگزیر ہو۔[5] (عالمگیری ج ۶،ص ۱۵۰، درمختار علی ردالمحتار ج ۵،ص ۵۰۴)

مسئلہ ۱۰۶: وصی نے میت کے ترکہ سے اگر کوئی چیز اپنے لئے خریدی اور میت کا چھوٹا بڑا کوئی وارث نہیں تو جائز ہے۔[6] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ۶،ص ۱۵۰)

مسئلہ ۱۰۷: ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کے پاس مختلف لوگوں کی ودیعتیں (امانتیں) تھیں اس نے ترکہ میں مال چھوڑا لیکن اس پر دَین ہے جو اس کے پورے مال کو محیط ہے اور وصی نے میت کے گھر سے تمام ودیعتوں پر قبضہ کر لیا تاکہ وہ ودیعت رکھنے والوں کو واپس کردے یا اس نے میت کے تمام مال پر قبضہ کر لیا تاکہ اس سے میت کا دَین ادا کردے پھر وہ مال یا ودیعتیں وصی کے قبضہ میں ہلاک ہوگئیں تو وصی پر کوئی ضمان نہیں، اسی طرح اگر میت پر دین نہ تھا اور وصی نے میت کے تمام مال کو قبضہ میں لیا پھر وہ مال ہلاک ہوگیا تو بھی وصی پر کوئی ضمان نہیں۔[7] (ذخیرہ از عالمگیری ج ۶،ص ۱۵۱)

مسئلہ ۱۰۸: ایک شخص نے اپنا مال کسی کے پاس امانت رکھا اور کہا کہ اگر میں مرجاؤں تو یہ مال میرے بیٹے کو دیدینا اور اس نے وہ مال بیٹے کو دیدیا اور اس کے دوسرے وارث بھی ہیں تو وصی وارث کے حصہ کا ضامن ہوگا اور ان الفاظ سے وہ وصی نہیں بن جائے گا۔[8] (عالمگیری ج ۶،ص ۱۵۱)

---

1. ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع في الوصي ومايملكه، ج٦، ص ١٥٠.
2. ......المرجع السابق.
3. ......یعنی خرچ میں میانہ روی کرے۔
4. ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع في الوصي ومايملكه، ج٦، ص ١٥٠.
5. ......المرجع السابق.
6. ......المرجع السابق.
7. ......المرجع السابق، ص ١٥٠، ١٥١.
8. ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع في الوصي ومايملكه، ج٦، ص ١٥١.

مسئلہ ۱۰۹: مریض کے پاس اس کے عزیز واقارب ہیں جواس کے مال سے کھاپی رہے ہیں اگر مریض ان کی آمدورفت کا اپنے مرض میں محتاج ہے اور وہ اُس کے اور اُس کے عیال کے ساتھ بغیر اسراف کے کھاتے پیتے ہیں تو استحساناً ان پر کوئی ضمان نہیں، اگر مریض ان کا محتاج نہیں ہے تو اگر وہ مریض کے حکم سے کھاتے پیتے ہیں تو جواُن میں سے وارث ہیں اُن پر اُن کے کھانے پینے کے خرچہ کا ضمان ہے اور جو وارث نہیں ان کا خرچہ میت کے ثلث مال میں محسوب ہوگا[1] اگر مریض نے اس کا حکم دیا تھا۔[2] (عالمگیری ج ٦ ص ۱۵۱، ردالمحتار بحوالہ بزازیہ کتاب الوصایا ص ۴۵۷)

مسئلہ ۱۱۰: وصی نے دعویٰ کیا کہ میت کے ذمہ میرا دَین ہے تو قاضی اس کے دَین کی ادائیگی کے لئے ایک وصی مقرر کرے گا جو ثبوت قائم ہونے کے بعد اس کا دَین ادا کردے گا اور قاضی میت کے وصی کو وصی ہونے سے خارج نہیں کرے گا اسی پر فتویٰ ہے۔[3] (عالمگیری ج ٦ ص ۱۵۱)

مسئلہ ۱۱۱: میت نے اپنی بیوی کو وصی بنایا اور مال چھوڑا اور بیوی کا میت پر مُہر ہے تو اگر میت نے اس کے مُہر کے برابر سونا چاندی چھوڑا ہے تو بیوی کے لئے جائز ہے کہ وہ اس سونے چاندی سے اپنا مہر لے لے، اور اگر میت نے سونا چاندی نہیں چھوڑا ہے تو بیوی کے لئے جائز ہے کہ وہ اس چیز کو فروخت کردے جو فروخت کرنے کے لئے زیادہ مناسب ہے اور اس کی قیمت سے اپنا مہر لے لے۔[4] (عالمگیری ج ٦ ص ۱۵۳)

مسئلہ ۱۱۲: میت پر دَین ہے اور جس کا دَین ہے وہ اس کا وارث یا وصی ہے تو اس کو یہ حق ہے کہ وارثوں کے علم میں لائے بغیر اپنا حق لے لے۔[5] (عالمگیری ج ٦ ص ۱۵۳)

مسئلہ ۱۱۳: ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے نابالغ بچے چھوڑے اور کسی کو وصی نہیں بنایا پھر قاضی نے کسی شخص کو وصی مقرر کیا پھر ایک آدمی نے میت پر اپنے دین کا یا ودیعت کا دعویٰ کیا اور بیوی نے اپنے مہر کا دعویٰ کیا اس صورت میں دَین یا ودیعت کی ادائیگی تو ثبوت ہوجانے کے بعد کی جائے گی لیکن نکاح اگر معروف ہے تو مہر کے بارے میں عورت کا قول معتبر ہے اگر وہ مہر مثل کے اندر ہے، وہ مہر عورت کو ادا کیا جائے گا۔[6] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ٦ ص ۱۵۴)

مسئلہ ۱۱۴: وصی نے میت کی وصیّت اپنے مال سے ادا کردی اگر یہ وصی وارث ہے تو میت کے ترکہ سے لے لے گا

---

1 ......یعنی تہائی مال میں شمار ہوگا۔

2 ......"الفتاوی الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع فی الوصی ومايملكه، ج٦، ص ١٥١.

3 ......المرجع السابق، ص١٥٣.

4 ......المرجع السابق.

5 ......المرجع السابق.

6 ......المرجع السابق، ص١٥٣، ١٥٤.

ورنہ نہیں۔ (عالمگیری ج ۶،ص ۱۵۵) اور فتویٰ یہ ہے کہ وصی ہر حال میں میت کے ترکہ سے اپنا مال لے لے گا۔ [1]

مسئلہ ۱۱۵: وصی نے اقرار کیا کہ میں نے میت کا دین جو لوگوں پر تھا قبضہ کر لیا پھر ایک مقروض آیا اور وصی سے کہا کہ میں نے تجھے میت کے دین کا اتنا اتنا روپیہ دیا، وصی نے انکار کیا اور کہا کہ میں نے تجھ سے کچھ بھی نہیں لیا اور نہ مجھے علم ہے کہ تجھ پر میت کا قرضہ تھا تو اس صورت میں وصی کا قول قسم لے کر تسلیم کر لیا جائے گا۔ [2] (محیط از عالمگیری ج ۶،ص ۱۵۴)

مسئلہ ۱۱۶: وصی نے نابالغ بچوں کے لئے کپڑا خریدا یا جو کچھ ان کا خرچ ہے وہ خریدتا رہتا ہے اپنے مال سے تو وہ یہ روپیہ میت کے مال اور ترکہ سے لے لے گا یہ وصی کی طرف سے تطوُّعاً یا احسان کے طور پر نہیں ہے۔ [3] (عالمگیری ج ۶،ص ۱۵۵)

مسئلہ ۱۱۷: کوئی مسافر کسی آدمی کے گھر آیا اور اس کا انتقال ہو گیا اس نے کسی کو وصی بھی نہیں بنایا اور جو کچھ روپے چھوڑے تو معاملہ حاکم کے سامنے پیش ہو گا اور اس کو حاکم کے حکم سے درمیانی درجہ کا کفن دیا جائے گا اور اگر حاکم نہ ملے تو بھی درمیانی درجہ کا کفن دیا جائے گا اور اگر اس میت پر دَین ہے تو یہ شخص اس کے مال کو دین کی ادائیگی کے لئے فروخت نہ کرے گا۔ [4] (فتاویٰ قاضی خاں از عالمگیری ج ۶،ص ۱۵۵)

مسئلہ ۱۱۸: عورت نے اپنے ثلث مال کی وصیّت کی اور کسی کو اپنا وصی بنا دیا، اس وصی نے اس کی کچھ وصیّتوں کو نافذ کر دیا اور کچھ ورثہ کے قبضہ میں باقی رہ گئیں اگر ورثہ دیانتدار ہیں اور وصی کو ان کی دیانت کا علم ہے کہ وہ میت کے ثلث مال سے ان باقی ماندہ وصیّتوں کو پورا کر دیں گے تو اس کو ان کے لئے چھوڑ دینا جائز ہے اور اس کا علم اس کے خلاف ہے تو وصی ان کے لئے نہ چھوڑے گا بشرطیکہ وہ ورثہ سے مال برآمد کر سکتا ہو۔ [5] (عالمگیری ج ۶،ص ۱۵۵)

مسئلہ ۱۱۹: وصی نے یتیم سے کہا کہ میں نے تیرا مال تیرے نفقہ میں خرچ کر دیا، فلاں فلاں چیز میں فُلاں فُلاں سامان میں، اگر اتنی مدت میں اتنا مال نفقہ میں خرچ ہو جاتا ہے تو وصی کی تصدیق کر دی جائے گی زیادہ میں نہیں، نفقہ مثل کا مطلب یہ ہے کہ بین بین ہو نہ اسراف نہ تنگی۔ [6] (محیط از عالمگیری ج ۶،ص ۱۵۵)

مسئلہ ۱۲۰: وصی نے دعویٰ کیا کہ اس نے یتیم کو ہر ماہ سَوْ۱۰۰ روپے دیئے اور یہ مقررہ تھا اور یتیم نے اس کو ضائع کر دیا پھر میں نے اسے اسی ماہ دوسرے سو روپے دیئے، اس صورت میں وصی کی تصدیق کی جائے گی جب تک وصی سراسر اور کھلی ہوئی غلط بات نہ کہے مثلاً یہ کہے کہ میں نے اس یتیم کو ایک ماہ میں بہت بار سَوْ سَوْ۱۰۰ روپے دیئے اور اس نے ضائع کر دیئے تو ایسی بات وصی کی

---

1. ......"الفتاوى الهندية"، كتاب الوصايا، الباب التاسع في الوصي ومايملكه، ج٦، ص١٠٤، ١٥٥.
2. ......المرجع السابق، ص١٥٤.
3. ......المرجع السابق، ص١٥٥.
4. ......المرجع السابق.
5. ......المرجع السابق.
6. ......المرجع السابق.

نہیں مانی جائے گی۔[1] (عالمگیری ج٦،ص١٥٦)

مسئلہ ١٢١: وصی نے یتیم سے یہ کہا کہ تونے اپنے چھٹپن [2] میں اس شخص کا اتنا اتنا مال ہلاک کردیا پھر میں نے اپنی طرف سے ادا کردیا یتیم نے اس کی تکذیب کی اور نہیں مانا تو یتیم کی بات قبول کرلی جائے اور وصی اتنے مال کا ضامن ہوگا۔[3] (نوازل از عالمگیری ج٦،ص١٥٦)

مسئلہ ١٢٢: میت کے وصی نے اقرار کیا کہ میت کا فلاں شخص پر جتنا واجب تھا وہ تمام میں نے پورا وصول پایا اور وہ سو روپے تھے، جس پر دَین تھا اس نے کہا مجھ پر اس کا ایک ہزار روپے کا دَین تھا اور وہ تونے لے لیا تو قرضدار اپنے تمام دَین سے بری ہے اب وصی اس سے کچھ بھی نہیں لے سکتا اور وصی ورثہ کے لئے اتنے ہی کا ذمہ دار ہوگا جتنے کے وصول کرنے کا اس نے اقرار کیا ہے۔[4] (عالمگیری ج٦،ص١٥٧)

مسئلہ ١٢٣: قرضدار نے اولاً ایک ہزار روپے قرض ہونے کا اقرار کیا پھر وصی نے اقرار کیا کہ جو کچھ اس پر قرض تھا وہ میں نے پورا وصول پالیا اور وہ ایک سَو روپے تھے اس صورت میں قرضدار بری ہوگیا اور وصی ورثہ کے لئے باقی نوسو روپے کا ضامن ہوگا۔[5] (عالمگیری ج٦،ص١٥٧)

مسئلہ ١٢٤: وصی نے اقرار کیا کہ اس نے فلاں شخص سے سو روپے پورے وصول کرلئے اور یہ کل قیمت ہے، مشتری یعنی خریدار نے کہا کہ نہیں بلکہ قیمت ڈیڑھ سو روپے ہے تو وصی کو حق ہے کہ وہ بقیہ پچاس روپے اس سے اور طلب کرے۔[6] (عالمگیری ج٦،ص١٥٧)

مسئلہ ١٢٥: وصی نے اقرار کیا کہ اُس نے میت کے گھر میں جو کچھ مال ومتاع اور میراث تھی اس پر قبضہ کرلیا، پھر کہا کہ وہ کل سو روپے اور پانچ کپڑے تھے اور وارثوں نے دعویٰ کیا کہ اس سے زیادہ تھا اور ثبوت دیدیا کہ جس دن میت کا انتقال ہوا اس کی میراث اس دن اس گھر میں ایک ہزار روپے اور سَو کپڑے تھی تو وصی کو اتنا ہی دینا لازم ہے جتنے کا اس نے اقرار کیا ہے۔[7] (محیط از عالمگیری ج٦،ص١٥٨)

مسئلہ ١٢٦: وصی نے میت پر دَین کا اقرار کیا تو اس کا اقرار صحیح نہیں۔[8] (ذخیرہ از عالمگیری ج٦،ص١٥٨)

---

1 ......"الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب التاسع فی الوصی ومایملکه، ج٦، ص١٥٦.

2 ......بچپن۔

3 ......"الفتاوی الھندیة"، کتاب الوصایا، الباب التاسع فی الوصی ومایملکه، ج٦، ص١٥٦.

4 ......المرجع السابق، ص١٥٧. 5 ......المرجع السابق. 6 ......المرجع السابق.

7 ......المرجع السابق، ص١٥٨. 8 ......المرجع السابق.

وصیّت پر شہادت کا بیان

مسئلہ ۱: دووصیّوں نے گواہی دی کہ میت نے ان کے ساتھ فلاں کو وصی بنایا ہے اور خود وہ بھی وصی ہونے کا دعویدار ہے تو یہ شہادت قبول کرلی جائے گی اور اگر وہ فلاں دعویدار نہیں ہے تو ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔[1] (محیط السرخسی از عالمگیری ج۶،ص۱۵۸)

مسئلہ ۲: میت کے دو بیٹوں نے گواہی دی کہ ان کے باپ نے فلاں کو وصی بنایا اور وہ فلاں بھی اس کا مدعی ہے تو یہ شہادت استحساناً قبول کرلی جائے گی لیکن اگر وہ فلاں مدعی نہیں ہے بلکہ انکاری ہے اور باقی ورثہ اس کے وصی ہونے کا دعوٰی نہیں کررہے تو ان (بیٹوں) کی شہادت مقبول نہیں۔[2] (عالمگیری ج۶،ص۱۵۸)

مسئلہ ۳: دوآدمیوں نے جن کا میت پر قرضہ ہے گواہی دی کہ میت نے فلاں کو وصی بنایا ہے اور اس نے وصی ہونا قبول کرلیا ہے اور فلاں بھی اس کا مدعی ہے تو یہ شہادت استحساناً مقبول ہے لیکن اگر وہ مدعی نہیں ہے تو یہ شہادت قبول نہ ہوگی۔[3] (عالمگیری ج۶،ص۱۵۹)

مسئلہ ۴: ایسے دوآدمیوں نے جن پر میت کا قرضہ ہے گواہی دی کہ میت نے فلاں کو وصی بنایا ہے اور وہ فلاں بھی مدعی ہے تو استحساناً ان کی گواہی مقبول ہے اور اگر وہ فلاں مدعی نہیں تو مقبول نہیں۔[4] (عالمگیری ج۶،ص۱۵۹)

مسئلہ ۵: وصی کے دو بیٹوں نے گواہی دی کہ فلاں نے ہمارے باپ کو وصی بنایا ہے اور وصی بھی دعویدار ہے لیکن ورثہ اس کے مدعی نہیں ہیں تو یہ شہادت نامقبول ہے قاضی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کو وصی مقرر کرے۔[5] (عالمگیری ج۶،ص۱۵۹)

مسئلہ ۶: دووصیّوں میں سے ایک وصی کے دو بیٹوں نے گواہی دی کہ میت نے ہمارے باپ کو وصی بنایا اور ساتھ ہی فلاں کو بھی وصی بنایا تو اگر باپ اس کا مدعی ہے تو اُن کی شہادت نہ باپ کے حق میں قابلِ قبول ہے نہ اجنبی کے حق میں قابلِ قبول، ہاں اگر باپ وصی ہونے کا مدعی نہیں بلکہ دعوٰی ورثہ کی طرف سے ہے اس صورت میں اُن کی شہادت قبول کرلی جائے گی۔[6] (عالمگیری ج۶،ص۱۵۹)

مسئلہ ۷: دوگواہوں نے گواہی دی کہ میت نے اس شخص کو وصی بنایا اور اس سے رجوع کرکے اس دوسرے کو وصی بنایا تو یہ شہادت قبول کرلی جائے گی۔[7] (عالمگیری ج۶،ص۱۵۹)

---

1 ...... "الفتاوی الهندية"، کتاب الوصايا، الباب العاشر فی الشهادة علی الوصية، ج۶،ص۱۵۸.

2 ...... المرجع السابق . 3 ...... المرجع السابق. 4 ...... المرجع السابق،ص۱۵۹.

5 ...... المرجع السابق. 6 ...... المرجع السابق. 7 ...... المرجع السابق.

مسئلہ۸: دو گواہوں نے گواہی دی کہ میت نے اس شخص کو وصی بنایا پھر وصی کے دو بیٹوں نے گواہی دی کہ موصی نے ان کے باپ کو معزول کردیا اور فلاں کو وصی بنادیا تو ان دونوں بیٹوں کی گواہی مقبول ہے۔[1] (عالمگیری ج۶،ص۱۵۹)

مسئلہ۹: دو گواہوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ میت نے جمعرات کے دن وصیّت کی اور دوسرے گواہ نے گواہی دی کہ اس نے جمعہ کے دن وصیّت کی تو یہ شہادت مقبول ہے۔[2] (عالمگیری ج۶،ص۱۵۹)

مسئلہ۱۰: دو وصیوں نے نابالغ وارث کے حق میں شہادت دی کہ میت نے اُن کے لئے اپنے کچھ مال کی وصیّت کی ہے یا کسی دوسرے کے کچھ مال کی وصیّت کی ہے تو ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی یہ شہادت باطل ہے، اگر انھوں نے یہ شہادت بالغ وارث کے حق میں دی تو امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک میت کے مال میں نامقبول ہے اور غیر کے مال میں قبول کرلی جائے گی، اور صاحبین[3] کے نزدیک دونوں قسم کے مال میں شہادت جائز ہے۔[4] (ہدایہ از عالمگیری ج۶،ص۱۵۹)

مسئلہ۱۱: موصٰی لہ معلوم ہے لیکن موصٰی بہ معلوم نہیں، گواہوں نے موصٰی لہ کے لئے اس کی وصیّت کی گواہی دی تو یہ گواہی مقبول ہے اور موصٰی بہ کی تفصیل ورثہ سے معلوم کی جائے گی۔[5] (محیط از عالمگیری ج۶،ص۱۵۹)

مسئلہ۱۲: دو شخصوں نے دوسرے دو آدمیوں کے حق میں گواہی دی کہ اُن کا میت پر ایک ہزار روپے دَین ہے اور ان دونوں نے پہلے دو شخصوں کے حق میں گواہی دی کہ ان کا میت پر ایک ہزار روپے دَین ہے تو ان دونوں فریقوں کی شہادت ایک دوسرے کے حق میں قبول کرلی جائے گی لیکن اگر ان دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کے لئے ایک ایک ہزار کی وصیّت کی گواہی دی تو اس صورت میں اُن کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔[6] (عالمگیری ج۶ کتاب الوصایا،ص۱۵۹)

ذمی کی وصیّت کا بیان

مسئلہ۱: یہودی یا نصرانی نے صومعہ[7] یا کنیسہ[8] بحالت صحت بنایا پھر اس کا انتقال ہوگیا تو وہ میراث ہے ورثہ میں تقسیم ہوگا۔[9] (جامع الصغیر از ہدایہ ج۴ و عالمگیری ج۶،ص۱۳۲)

---

1 ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا،الباب العاشر فی الشهادة علی الوصیة،ج٦،ص١٥٩.

2 ......المرجع السابق.

3 ......امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے دو مشہور شاگرد امام محمد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کو صاحبین کہتے ہیں۔

4 ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا،الباب العاشر فی الشهادة علی الوصیة،ج٦،ص١٥٩.

5 ......المرجع السابق.

6 ......المرجع السابق.

7 ......یہودیوں کی عبادت گاہ۔

8 ......نصرانیوں کی عبادت گاہ۔

9 ......"الفتاوی الهندیة"، کتاب الوصایا،الباب الثامن فی وصیة الذمی والحربی،ج٦،ص١٣٢.

مسئلہ ۲: یہودی یا عیسائی نے بوقت موت اپنے گھر کو گرجا بنانے کی متعین ومعدود لوگوں کے لئے وصیّت کردی تو اس کی یہ وصیّت اس کے ثلث حصہ میں جاری ہوگی۔[1] (جامع الصغیر وعالمگیری ج۶ ص۱۳۲)

مسئلہ ۳: اگر اس نے اپنے گھر کو غیر محصور وغیر معدود لوگوں کے لئے کنیسہ بنانے کی وصیّت کی تو یہ وصیّت جائز ہے۔[2] (جامع صغیر از ہدایہ ج۴)

مسئلہ ۴: ذمی کی وصیّت کی چار قسمیں ہیں ① ایک یہ کہ وہ ایسی شے کی وصیّت کرے جو اس کے اعتقاد میں قربت و عبادت ہو اور مسلمانوں کے نزدیک قُربت وعبادت نہ ہو جیسے کہ ذمی وصیّت کرے کہ اس کے خنزیر کاٹے جائیں اور مشرکوں کو کھلائے جائیں تو اگر وصیّت متعین ومعدود لوگوں کے لئے ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں، ② دوسرے یہ کہ ذمی ایسی چیز کی وصیّت کرے جو مسلمانوں کے نزدیک قربت وعبادت ہو اور خود ذمیوں کے نزدیک عبادت نہ ہو جیسے وہ حج کرنے کی وصیّت کرے یا مسجد تعمیر کرانے کی وصیّت کرے یا مسجد میں چراغ روشن کرنے کی وصیّت کرے تو اس کی یہ وصیّت بالاجماع باطل ہے لیکن اگر مخصوص ومتعین لوگوں کے لئے ہو تو جائز ہے، ③ تیسرے یہ کہ ذمی ایسی چیز کی وصیّت کرے جو مسلمانوں کے نزدیک بھی عبادت وقربت ہو اور ان کے نزدیک بھی جیسے بیت المقدس میں چراغ روشن کرنے کی وصیّت کرے تو یہ وصیّت جائز ہے، ④ چوتھے یہ کہ وہ ایسی چیز کی وصیّت کرے جو نہ مسلمانوں کے نزدیک قربت وعبادت ہو اور نہ ذمیوں کے نزدیک جیسے وہ گانے بجانے والی عورتوں یا نوحہ گر عورتوں کے لئے وصیّت کرے تو یہ وصیّت جائز نہیں۔[3] (ہدایہ ج۴، عالمگیری ج۶، کتاب الوصایا ص۱۳۱)

مسئلہ ۵: فاسق فاجر بدعتی جس کا فسق وفجور حدِ کفر تک نہ پہنچا ہو وصیّت کے معاملہ میں بمنزلہ مسلمانوں کے ہے اور اگر اس کا فسق وفجور کفر کی حد تک ہے تو وہ بمنزلہ مرتد کے ہے جو حکم مرتد کی وصیّت کا ہے وہی اس کی وصیّت کا ہے کہ اس کی وصیّت موقوف رہے گی، اگر اس نے اپنے کفر وارتداد سے توبہ کرلی تو وصیت نافذ ہوگی ورنہ نہیں۔[4] (ہدایہ ج۴ وعالمگیری ج۶ ص۱۳۱)

مسئلہ ۶: حربی کافر امان لے کر دار الاسلام میں داخل ہوا اور اس نے اپنے کل مال کی وصیّت کسی مسلمان یا ذمی کے لئے کی تو اس کی وصیّت کل مال میں جائز ہے۔[5] (جامع صغیر از ہدایہ وعالمگیری ج۶ ص۱۳۲)

مسئلہ ۷: حربی کافر امان لے کر دار الاسلام میں داخل ہوا اور اس نے اپنے مال کے ایک حصہ کی وصیّت کسی مسلمان یا ذمی کے لئے کی تو یہ وصیّت جائز ہے اس کا بقیہ مال اس کے ورثہ کو واپس دیا جائے گا۔[6] (ہدایہ ج۴ ومحیط السرخسی از عالمگیری ج۶ ص۱۳۲)

---

1 ......"الفتاوى الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الثامن فى وصية الذمى والحربى، ج ٦، ص ١٣٢.

2 ......"الهداية"، كتاب الوصايا، باب وصية الذمى، ج ٢، ص ٥٣٦.
و"الجامع الصغير"، كتاب الوصايا، باب وصية الذمى ببيعة او كنيسة، ص ٥٢٨.

3 ......"الهداية"، كتاب الوصايا، باب وصية الذمى، ج ٢، ص ٥٣٦.

4 ......"الفتاوى الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الثامن فى وصية الذمى والحربى، ج ٦، ص ١٣٢.

5 ......المرجع السابق. 6 ......المرجع السابق، ص ١٣٢.

مسئلہ۸: حربی مُستامن کے لئے کسی مسلمان یا ذمی نے وصیّت کی تو یہ جائز ہے۔[1] (ہدایہ) مستامن اس شخص کو کہتے ہیں جو امان لے کر دارالاسلام میں داخل ہوا۔

مسئلہ۹: ذمی نے اپنے ثلث مال سے زیادہ میں وصیّت کی یا اپنے بعض وارثوں کے لئے وصیّت کی تو جائز نہیں۔[2] (ہدایہ) اور اگر اپنے غیر مذہب والے کے لئے وصیّت کی تو جائز ہے۔[3] (عالمگیری ج۶ ص۱۳۲)

مسئلہ۱۰: مسلمان یا ذمی نے دارالاسلام میں ایسے کافر حربی کے لئے وصیّت کی جو دارالاسلام میں نہیں ہے تو یہ وصیّت جائز ہے۔[4] (ہدایہ ج۴ و مستصفٰی از عالمگیری ج۶ ص۱۳۲)

مسئلہ۱۱: اگر مسلمان مرتد ہوگیا (معاذ اللہ) پھر وصیّت کی، امامِ اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک یہ موقوف رہے گی، اگر اسلام لے آیا اور وصیّت اسلام میں صحیح ہے تو جائز ہے اور جو اسلام کے نزدیک صحیح نہیں وہ باطل ہوجائے گی۔[5] (عالمگیری ج۶ ص۱۳۲)

☆☆☆☆☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن کہ بہارِشریعت کے انیسویں حصہ کی تالیف مورخہ ۲۹ شوال المکرم ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۸۰ء یوم چہار شنبہ اختتام کو پہنچی مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس میں اپنی کم علمی کی وجہ سے اگر کچھ خامیاں ہوں تو مجھے معاف فرمائے اور اس کتاب کو میرے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

میں اس سلسلہ میں ہدیہ شکر پیش کرتا ہوں حضرت مولانا قاری رضاء المصطفٰے صاحب خطیب نیو میمن مسجد بولٹن مارکیٹ کراچی کو، جن کی محبت اور خلوص نے مجھ سے دین کی یہ خدمت لے لی۔ بلاشبہ اگر اُن کے مخلصانہ اصرار کا زبردست دباؤ نہ ہوتا تو شاید میں دین کی اِس خدمت سے محروم رہتا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس پر ماجور فرمائے اور سعادتِ دارین سے سرفراز فرمائے۔

الفقیر الی اللہ الصّمد ظہیر احمد بن سیّد دائم علی زیدی

ازسادات قصبہ نگینہ ضلع بجنور

وائس پرنسپل مسلم یونیورسٹی سٹی ہائی اسکول علی گڑھ

غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ وَلِوَالِدَیْہِ وَلِمَشَائِخِہٖ وَاَسَاتِذَتِہٖ وَاِخْوَانِہٖ وَاَوْلَادِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

---

1 ......"الهداية"، كتاب الوصايا، باب وصية الذمى، ج٢، ص٥٣٧.

2 ......المرجع السابق.

3 ......"الفتاوى الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الثامن فى وصية الذمى والحربى، ج٦، ص١٣٢.

4 ......"الفتاوى الهندية"، كتاب الوصايا، الباب الثامن فى وصية الذمى والحربى، ج٦، ص١٣٢.

5 ......المرجع السابق.

حصہ نہم (19) (ضمیمہ)

(.......تسہیل وتخریج شدہ.......)

حسبِ وصیت

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی

مصنّف

حضرت علامہ مولانا سید ظہیر احمد زیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

پیشکش

مجلس المدینۃ العلمیۃ (دعوت اسلامی)

شعبہ تخریج

ناشر

مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

ارتسام

اسلافِ کرام اور سابق عُلماء مصنفین اصحاب نفوس قدسیہ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنی تصنیفات میں حمد وثناء وصلوۃ وسلام کے بعد خطبۃ الکتاب میں اپنا تعارف کراتے ہیں اس لئے کہ قارئین صرف کتاب ہی نہیں پڑھتے بلکہ کتاب لکھنے والے سے بھی واقف ہونا چاہتے ہیں اور یوں بھی کلام کی عظمت اور اس کی تاثیر متکلم ومصنف کی عظمت اور اس کے صالح کردار کے تابع ہے۔ اگر مصنف ومتکلم صاحبِ فکر ونظر، صاحبِ عقل وتدبیر، صاحبِ علم وفضل اور صاحبِ عمل صالح ہے تو اس کی تصنیف کی قوتِ تاثیر اتنی ہی زیادہ ہوگی اور پڑھنے والوں پر اس بات کے گہرے اثرات ہوں گے۔

یہ کم علم وبے بضاعت اگرچہ ان بزرگوں کے شمار وقطار میں تو کجا ان کی گردِ پا بھی نہیں ہے مگر ان کا عقیدت مند ہے اور ان سے روحانی تعلق رکھتا ہے اور ان کے فیوض وبرکات سے مستفید ہے۔ ان کے اس طریقہ کی اتباع میں مناسب خیال کیا کہ اپنے نام ونسبت سے قارئین کو روشناس کرے اِس اُمید کے ساتھ کہ اِس کتاب کو پڑھنے والے اِس گنہگار کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ اہلِ علم سے عاجزانہ گزارش ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ بہ نظرِ غائر فرمائیں اور مخلصانہ اصلاح وعفو ودرگزر سے نوازیں۔

اس ناچیز کا نام ظہیر احمد زیدی ابن سید دائم علی زیدی ابن سید عالم علی زیدی رحمہم اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقیر کا نام ظہیر الدین احمد فرماتے تھے۔ آبائی وطن قصبہ نگینہ ضلع بجنور (یوپی) حال متوطن شہر علی گڑھ محلّہ دودھ پور بیت السادات۔ دار العلوم حافظیہ سعیدیہ ریاست دادوں ضلع علی گڑھ سے درسِ نظامیہ سے فراغت حاصل کی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی شعبہ دینیات میں تدریس کی خدمت انجام دی اور پھر اسی کو وطن بنالیا۔

فقیر کے دامن میں اگر کچھ فضل وکمال، علمی جاہ وجمال یا کچھ مکارم ومحاسن ہوں تو ان کا اظہار حقیقت پسندی وصداقت شعاری سے کیا جائے مگر یہاں تو تہی دامانی اپنا طرۂ امتیاز بن گیا ہے۔ دار العلوم ریاست دادوں میں سرتاج علماء، منبع الاساتذہ، صدر الشریعۃ، ابُو الْمَجْدِ وَالْعُلٰی حضرت مولانا امجد علی علیہ الرحمہ صاحبِ بہارِ شریعت سے علم وفضل کا جو خزانہ ملا تھا مسلم یونیورسٹی کی مخصوص تدریسی بے قرار فضاؤں میں اس کا بہت سا حصہ تحلیل ہوگیا۔ اب کیا رہا کہ پیش کیا جائے اور بے اصل وغیر واقعی اور خلافِ حقیقت ستائش سخت مذموم بلکہ ممنوع، رب فرماتا ہے۔

﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ(۱۸۸)﴾

ہر گز نہ سمجھنا انہیں جو خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور چاہتے ہیں کہ بے کئے ان کی تعریف ہو، ایسوں کو ہر گز عذاب سے دور نہ جاننا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (پ۴، آل عمران آیت ۱۸۸)

اسی لئے میں ڈاکٹر مولوی یحییٰ انجم ریڈر فیکلٹی اسلامک اسٹڈیز ہمدرد یونیورسٹی نئی دھلی نے جب اپنی محبت و حسن خلوص میں میرے بارے میں کچھ لکھنا چاہا تو میں نے سختی کے ساتھ ہدایت کی کہ وہ ہرگز کسی مبالغہ یا غیر واقعی ستائش سے کام نہ لیں۔ اور لفظ ''علامہ'' بھی استعمال نہ کریں۔ ان کا وہ مقالہ کتاب بہارِ شریعت حصہ انیسویں میں شائع ہوگیا ہے۔ اس ناچیز کو اگر کچھ حاصل ہے تو چند عظیم و اعظم نسبتیں ہیں جن پر مجھے فخر ہے ان شاءاللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں سربلند رکھیں گی۔

(۱) پہلی نسبت تو مجھے باعث تخلیق کائنات، افضل الخلق، رحمۃ للعالمین، سید الانبیاء والمرسلین، محبوب رب العالمین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صَلَوٰتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ کی ذات اقدس و اطہر سے ہے اور یہ نسبت نسبی ہے۔ بلاشبہ میں اپنے اسلاف و مشائخ کے واسطے سے حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سایہ رحمت و عاطفت میں ہوں اور اس جناب کی بارگاہِ منبعِ علم و قاسمِ نعمت سے مجھے اپنے رب کی نعمتیں و برکتیں بے شمار حاصل ہیں جو بیان نہیں کی جاسکتی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا

(۲) دوسری نسبت اس ناچیز کو سید الفقہاء والعلماء، صاحب الاخلاص والاحسان والعمل، استاذی و استاذ علماء برصغیر، صدر الشریعۃ حضرت مولانا الحاج ابو العلیٰ امجد علی اعظمی رضوی طَابَ اللّٰہُ ثَرَاہُ وَجَعَلَ الْجَنَّۃَ مَثْوَاہُ سے ہے جن کے نورِ علم سے ہندو پاک کی سرزمین منور و روشن ہے اور جن کی تصنیف بہارِ شریعت نے دِین سے شغف رکھنے والوں کے لئے چمنستانِ علم و فقہ کے دریچے کھول دیئے ہیں اس ذاتِ گرامی سے مجھے شرفِ تلمذ حاصل ہے اور یہ تصنیف انہیں کا کرم انہیں کا فیضان اور انہیں کی عطا ہے۔

(۳) تیسری نسبت مجھے سید الاصفیاء، صاحب الصدق والصفا، مظہر حسن مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سیدی و سندی شیخ العلماء و حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ حامد رضا علیہ الرحمہ سے ہے جن کو آقائے نعمت، سید الکونین، نُوْرٌ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰہِ، سلطان الکائنات، قدسی صفات، صاحبِ اَعْظَمِ الْمُعْجِزَات، مِنَّۃُ اللّٰہِ عَلَی الْمُؤْمِنِیْن، شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْن، رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ حسن و جمال سے وہ حصہ ملا تھا کہ دل ان کی طرف کھنچتے تھے اور نگاہیں ان سے آسودہ ہوتی تھیں اور نفوس ان سے روحانی راحت و سکون حاصل کرتے تھے۔ حسن و جمال و شیریں مقال، صاحبِ فضل و کمال، مرشد ملکوتی خصال، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، راحۃُ الطَّالِبِیْن، ھَادِی الْمُرِیْدِیْن، یہ تمام خصائص و کمالات آپ کو بارگاہِ قاسمِ نعمت محبوبِ ربّ العالمین علیہ التحیۃ والسلام سے حاصل تھے۔ اس فقیر کو ایسے شیخ کامل سے بیعت و ارادت کی سعادت حاصل ہے۔

(۴) چوتھی نسبت مجھے قطب الارشاد، سید الاتقیاء والزھاد، مختار العباد، افضل الامجاد، شانِ جمال مصطفائی، عکس کمال مرتضائی، سیدی و مولائی، صدر نشین منصب افتاء، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا الحاج مصطفیٰ رضا علیہ الرحمہ سے ہے جن کے ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے ہندو پاک کے تشنگانِ مئے طریقت و شریعت سیراب ہو رہے ہیں اور ہزاروں ہزار نفوس داخلِ سلسلہ ہو کر آپ سے فیضیاب ہیں اس خادم کو ایسی پاکیزہ و مقرب بارگاہ سے اجازت و خلافت حاصل ہے۔

(۵) پانچویں نسبت راقم السطور کوشہ ضیا، حاضر دربار مصطفےٰ، حضرت مولانا الحاج ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ سے حاصل ہے جو مدینۃُ الرسول وجوار روضہ رحمۃ للعالمین صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلّم میں بعمر ۱۸ سال حاضر ہوئے اور تقریباً بہتّر حج ادا کیئے۔ سوائے زمانہ حج ادا کرنے کے مدینہ منورہ کی پاک زمین سے باہر قدم نہ رکھا۔ قریب قریب بہتّر ۷۲ سال بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر رہے اور آپ کے فیوض و برکات اور رحمتوں سے حصہ پاتے رہے نہایت درجہ صالح العمل اور صاحبِ تقویٰ وطہارت اور پاکیزہ صورت وسیرت تھے سعودی حکومت انہیں مرعوب نہ کرسکی۔ ان کی نگاہِ کرم نے مجھے بھی اجازت وخلافت کے لئے انتخاب فرمایا۔

اب میرے پاس ان عظیم مقدس اور مُطَہَّر نسبتوں کے سوا کچھ نہیں جو کچھ ہے وہ ان کے فیوض وبرکات سے ہے۔ یہ انہیں کا فیضانِ کرم ہے کہ اہلِ سنت کے علمی حلقوں میں اس ذرہ بے مقدار کو معرفت حاصل ہے اور اہلِ علم ودانش نگاہِ احترام سے دیکھتے ہیں۔ جملہ اصحاب علم ومعرفت سے دعائے مغفرت کا طالب ہوں۔ یہی نسبتیں میری دنیا وآخرت کی فلاح ونجات کا مستحکم سہارا ہیں۔

ایک واقعہ کا اظہار اپنے لئے باعثِ رحمت و سعادت تصور کرتا ہوں۔ آج مورخہ ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ یوم جمعۃ المبارک ہے، گزشتہ شب یعنی ۲۰ و ۲۱ جمادی الاولی کی درمیانی رات یعنی شبِ جمعۃ المبارک میں ۴ بجے شب کے بعد میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں ایک ایسے مقام پر ہوں جہاں اعمال کا حساب ہو رہا ہے، بہت سے لوگ ہیں اور میں بھی اپنے نمبر کا منتظر ہوں کہ مجھے میرے اعمال کا حساب لینے کے لئے طلب کیا گیا، میں حاضر ہوا لیکن حساب لینے والی ذات نظر نہیں آرہی تھی۔ تھوڑی دیر میں حساب لے کر مجھے حکم ہوا کہ ''جاؤ تم جنت میں'' میں وہاں سے رخصت ہوا تو میں نے دیکھا کہ جنت میں جانے والے کچھ اور لوگ بھی اس جگہ بیٹھے ہیں جو جنت میں جانے والوں کے لئے ہے، میں بھی ان ہی کے پاس چلا گیا، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اس خواب سے مجھے کافی روحانی سرور حاصل ہوا اور میں نے دعا کی کہ ''اے رب العالمین اگر یہ خواب شیطان کی طرف سے ہے تو مجھے اس کے مکروفریب سے اپنی حفاظت میں رکھ اور میرے ایمان ویقین کو سلامت رکھ اور ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ رکھ اور اگر یہ خواب تیری جانب سے ایک بشارت ہے تو مجھے توفیق توبہ وانابت عطا فرما اور زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما۔ آمین ثم آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِ نَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

خادمُ العلماو الفقراء

الفقیر ظہیر احمد زیدی ابن سید دائم علی زیدی غفر لھما

۲۱ جمادی الاول ۱۴۱۲ھ یوم جمعۃ المبارک ۲۹ نومبر ۱۹۹۱ء

بیت السادات دودھ پور علی گڑھ۔ انڈیا

مقدمہ

بِاسْمِهٖ تَبَارَکَ وَتَعَالٰى جَلَّ وَعَلَا فَلَهُ الْحَمْدُ وَالثَّنَاءُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّهٖ صَاحِبِ الشَّفَاعَةِ وَالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الصِّدْقِ وَالصَّفَا.

سید الفقہاء، استاذ العلماء، افضل الاصفیاء، صدر الشریعۃ ابو العلٰی حضرت مولانا امجد علی صاحب رحمہ اللہ تعالٰی مصنفِ ''بہارِ شریعت'' نے بہ توفیقِ الٰہی عزم فرمایا کہ جملہ ابوابِ فقہ کو بہ شمول عقائد اسلام علمِ دین سے شغف رکھنے والوں کے لئے ان کی مادری زبان میں منتقل فرما کر مرتب فرمادیں۔ ابھی آپ نے ابوابِ فقہ میں سے کل سترہ ابواب کے مسائل ضروریہ عامۃ الورود کو مکمل فرمایا تھا کہ سفرِ آخرت کا دعوت نامہ مل گیا اور آپ اپنے رب سے واصل ہو گئے۔ باقی ابوابِ فقہ تشنہ تکمیل رہ گئے جن کے بارے میں آپ نے اپنے تلامذہ سے توقع فرمائی کہ ان میں سے کوئی سعادت مند ان کی تکمیل کرے۔ اللہ تبارک وتعالٰی جس کو چاہتا ہے اپنے فضل وکرم سے نوازتا ہے یہ اس بندۂ ناچیز کی خوش نصیبی ہے کہ ''بہارِ شریعت'' کے انیسویں حصہ ''باب الوصیۃ'' کی تالیف وترتیب کی سعادت میرے حصہ میں آئی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ (رب تعالٰی قبول فرمائے)

''بہارِ شریعت'' وہ منفرد اور عجوبہ روزگار کتاب ہے جس میں جملہ ابواب فقہ کے مسائل ضروریہ کو اردو داں مسلمانوں کے لئے ان کی مادری زبان میں منتقل کردیا گیا ہے۔ ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں پر حضرت ممدوح علیہ الرحمہ کا یہ وہ احسان ہے جس کا شکر وہ تا صبح قیامت ادا نہیں کرسکتے۔ رب کریم مصنف علیہ الرحمہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ (آمین)

وجہ تالیف:

۱۹۸۰ء میں جب میں نے ''بہارِ شریعت'' کے انیسویں حصہ کا کام شروع کیا اس وقت ذہن میں یہ بات اِلقاء ہوئی کہ ''بہارِ شریعت'' کو اب یہ مقام حاصل ہوگیا ہے کہ ملت کے نوجوان علماء جو مدارس عربیہ سے تحصیل علم کی فراغت کرکے نکلتے ہیں وہ روزمرہ پیش آنے والے مسائل سے متعلق فتویٰ ''بہارِ شریعت'' کے مطالعے سے لکھتے ہیں۔ صرف تحقیقی اور دشوار طلب مسائل میں اکابرین سابق اور مستند علماء فقہ کی تصانیف کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی لئے مناسب ہے کہ نوخیز علماء کو فتویٰ نویسی کے آداب وقواعد سے متعارف کرایا جائے اور ''بہارِ شریعت'' کی طرح وہ بھی مادری زبان اردو میں ہو۔ چنانچہ انیسویں حصہ کی تالیف سے فراغت کے بعد فتویٰ نویسی سے متعلق قواعد وضوابط اور اس سے متعلق مفتی کے لئے ضروری اور اہم اُمور کی معلومات کی تالیف کا کام شروع کردیا اور قواعد فقہیہ واُصول کلیہ میں سے بھی کچھ اُصول وضوابط بیان کئے جو دورِ جدید کے مفتیانِ کرام کی

معلومات میں اضافہ کریں اور انہیں ان قواعد واُصول کی روشنی میں فتویٰ لکھنے میں سہولت ہو۔ بارگاہِ حق تعالیٰ میں دست بدُعا ہوں کہ وہ میری اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس کو علماء وطلباء وعوام کے لئے نافع بنائے۔ آمین

بلاشک اس سے دینی رجحان رکھنے والے عامۃ المسلمین بھی اپنے علم میں اضافہ کرسکتے ہیں۔ اور اپنے دینی جذبے اور علم کی تشنگی کو تسکین دے سکتے لیکن مسائل کے احکام بیان کرنے اور فتویٰ دینے کا حق صرف ان ہی علماء کو حاصل ہے جنہوں نے علوم دینیہ عربیہ مستند صحیح العقیدہ علماء سے معیاری مدارس عربیہ میں حاصل کیے ہوں۔ قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنے اور یاد کرلینے سے یا احادیث کا ترجمہ اردو زبان میں پڑھ لینے سے عام مسلمان احکام کی روح اور مسائل کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ خلفائے راشدین کے زمانہ مسعود ومبارک میں بھی مخصوص افراد صحابہ وتابعین میں سے ایسے تھے جن سے مسائل کے احکام معلوم کرنے میں رجوع کیا جاتا تھا۔ ہر صحابی یا ہر تابعی کو یہ مقام حاصل نہ تھا۔ اس لئے احکامِ شرعیہ کو حاصل کرنے میں اور دوسروں کو بتلانے میں فقہی کتابوں کے مطالعے کے ساتھ صاحبِ فہم وادراک صحیح العقیدہ دینی عالم سے رجوع کرنا بہرحال ضروری ہے غیر عالم عامۃ المسلمین کے لئے قرآن کریم کا یہی حکم ہے۔ فرمایا: ﴿فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[1]

دنیائے علم کے عجائبات میں سب سے بڑا اعجوبہ فقہ الاسلام ہے:

تعلیمات اسلام کی روشنی میں علماء اسلام نے دنیا کو جن علوم سے آشنا کیا ان میں سے علم حدیث، علم اسماء الرجال اور علم فقہ وہ علوم ہیں جن کی کوئی مثال ونظیر نہیں۔ ان علوم کی تدوین میں محققین اسلام نے جو محنتیں، کاوشیں کیں، دور دراز سفر کی جو مشقتیں برداشت کیں اور جس طرح خدمتِ دین کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور خالصاً لوجہ اللہ دن رات اسی میں لگے رہے یہ بھی اپنی نظیر آپ ہے۔

احکامِ فقہیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہیں۔ افعال واعمال انسانی کا کوئی فعل ایسا نہیں ہے جس کے لئے فقہ اسلام میں جواز یا عدم جواز کا حکم نہ بیان کیا گیا ہو۔ اگر کسی مسئلہ اجنبی سے متعلق صراحۃً حکم نہ ملے تو ایسے اصول وقواعد ضرور ملیں گے جن کے ذریعہ حکم معلوم کیا جاسکتا ہے۔ فقہ اسلام نے اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ عالمی تمدن ومعاشرت پر بھی گہرے نقوش قائم کیے ہیں اور ایک بہتر صالح اور فلاحی معاشرہ قائم کیا ہے اور دنیا کی اس کی طرف راہ نمائی کی ہے۔ بہت سے غیر مسلم محققین بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں اور انہوں نے اس کی جامعیت اور ہمہ گیری کا اعتراف بھی کیا ہے۔ جن غیر مسلم اہل علم اور قانون داں محققین نے فقہ اسلامی کی عظمت، جامعیت اور ہمہ گیری کا اعتراف کیا ہے ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔

(۱) فرانسیسی پروفیسر لامیبر (۲) پروفیسر لیوی اوکان یہ پیرس کے کالج میں استاد تھے (۳) ڈاکٹر انتریکو انسایا (۴)

---

[1] ترجمۂ کنزالایمان: تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ (پ ۱۴، النحل: ۴۳)

پروفیسر بیوارکا زیللی (۵) عظیم عیسائی رہنما فارس الخوری (۶) مشہور مستشرق سانتیلانا (۷) لبنان کے عیسائی عالم سلیم باز (۸) جرمن کے مشہور قانون داں جوزف کوسلر (۹) وائنا یونیورسٹی کے لاء کالج کے پرنسپل شپرل (۱۰) پروفیسر ومبری (۱۱) امریکن ہارورڈ یونیورسٹی میں فلسفہ کے پروفیسر ہوکنگ اپنی کتاب میں ایک مقام پر لکھتے ہیں: ''میں اپنے آپ کو حق وصداقت پر محسوس کرتا ہوں جب یہ اندازہ لگاتا ہوں کہ اسلامی شریعت میں وہ تمام اصول ومبادیات موجود ہیں جو ترقی کے لئے ضروری ہیں۔'' یہ کتاب عربی میں ترجمہ ہوکر ''روح السیاسۃ العالیہ'' کے نام سے شائع ہوئی۔ (فقہ الاسلام مصنفہ حسن احمد الخطیب باب ہفتم فصل ہفتم)

کیا اسلامی فقہ رومی قوانین سے متاثر یا ماخوذ ہے

بعض مستشرقین نے اسلام دشمنی کے اندھے تعصب کا شکار ہوکر یہ الزام تراشا کہ ''اسلامی فقہ رومی قانون سے ماخوذ ہے۔'' اس قسم کے خیالات کا اظہار گولڈزیہر، سانتیلانا، شیرمان اور ایموس کی تحریروں میں کیا گیا بعد میں دیگر غیر مسلم عیسائی مصنفوں نے بھی اس کو ہوا دی۔ اور اس دعویٰ کو دور از کار، بے سروپا دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی انہوں نے اس سے یہ تو فائدہ حاصل کیا کہ عیسائی رائے عامہ کو گمراہ کیا لیکن کاغذ کی ناؤ دیر تک باقی نہیں رہ سکتی اور دیر تک چل نہیں سکتی۔ بہت جلد اس دعویٰ کی قلعی کھل گئی اور حقیقت صادقہ صاف صاف سامنے آ گئی۔

(۱) رومی قوانین بقول پروفیسر گبن اپنے دورِ اول میں صرف بارہ تختیوں کی تدوین پر مشتمل تھے۔ پھر یہ وقتاً فوقتاً شہنشاہوں کی خواہشات کے مطابق مختلف ادوار میں تبدیل ہوتے رہے ارتقاء رومی قانون کے مورخین نہایت صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ رومی شہنشاہِ جستنیان کے دور میں اس پر زوال آیا اور اس شہنشاہ کی وفات ۵۶۵ء کے بعد تو یہ بدترین اضمحلال کا شکار ہوا اور پھر اس کا چراغ ہی بجھ گیا۔ اس کے بعد یہ رومی قانون کلیساؤں میں محدود ہوکر رہ گیا خود اہل یورپ بھی اس سے آشنا نہ رہے تقریباً ساڑھے چار سو سال کے بعد پھر اس کی نشاۃِ ثانیہ ہوئی۔ (کتاب مبادی قانون روما) یعنی قانون روما چھٹی صدی عیسوی کے نصف آخر سے لے کر گیارھویں صدی کے ربع اول تک گوشۂ گمنامی میں رہا جب کہ فقہ اسلامی کی ابتداء ساتویں صدی عیسوی کی دوسری دہائی سے ہوئی اور دسویں صدی عیسوی تک اپنے عروج کو پہنچ کر مکمل ہوگئی اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ جو زمانہ رومی قانون کے اضمحلال اور گوشہ گمنامی میں رہنے کا ہے۔ عین وہی زمانہ فقہ اسلامی کی ابتداء، نشوونما اور عروج وکمال تک پہنچنے کا ہے۔ لہٰذا فقہائے اسلام کا رومی قانون سے واقف ہونے اور اِستفادہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس ایسے تاریخی شواہد موجود ہیں کہ رومی قانون کے علماء نے اس کی نشاۃ ثانیہ کے دور میں فقہ اسلامی سے استفادہ کیا اور اس کی چھاپ رومی قانون میں صاف دکھائی دیتی ہے۔ جرمن مورخ موسیہم اپنی کتاب ''تاریخ کلیساء'' میں لکھتا ہے کہ ''پاپائے روم ہربرٹ فرانسیسی اپنی تعلیم میں اُندلس کے عربوں کی کتابوں اور ان کے مدارس کا مرہونِ منت ہے۔ وہ ۱۰۳۵ء میں علم حاصل کرنے کے لئے ہسپانیہ گیا

اور وہاں قرطبہ اور اشبیلیہ میں عرب علماء کا شاگرد رہا۔'' تفصیلات بیان کرتے ہوئے وہ آگے لکھتا ہے:''لہٰذا انہوں نے یعنی پوپ ہربرٹ اور اس کے ساتھ اندلس میں عرب علماء سے علم حاصل کرنے والے عیسائیوں نے اس وقت جو دیوانی یا فوجداری قوانین فقہ اسلامی سے اَخذ کئے یہ وہی قوانین تھے جنہیں انہوں نے جدید رومی قانون سے موسوم کیا تھا۔'' (فقہ اسلام بحوالہ تاریخ کلیساء)

(۲) ''ہدایہ'' کی شرح ''النہایہ'' کے حواشی میں ابوالولید عبد اللہ نے جو بیان کیا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور یہی ثابت ہوتا ہے کہ رومی قوانین فقہ اسلامی سے مستفاد ہیں۔ ابوالولید اس حاشیہ میں بیان کرتے ہیں کہ یورپ کے طلباء جو اندلس کے شہر غرناطہ میں تحصیل علم کے لئے آتے تھے فقہ اسلامی کو اپنی زبان میں منتقل کرنے کے لئے بہت سرگرمی کا اظہار کرتے تھے کیونکہ چوتھی و پانچویں صدی ہجری میں ان کے ملکی قوانین بہت خراب تھے اس لئے وہ چاہتے تھے کہ اسلامی قوانین ان کے ممالک میں رائج ہوں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے فقہ اسلامی کو اپنے طور پر مرتب کرلیا تھا اور اپنے ملک کے حالات کے مطابق اس میں تبدیلی کرلی تھی۔ (فقہ الاسلام ۵۲۸)

(۳) مِلَل و اَدیان کا تقابلی مطالعہ کرنے والے عُلماء مذاہب عالم، مورخین اور اہل دانش خوب جانتے ہیں کہ قانون روما کوئی مکمل قانون نہیں ہے۔ دورِ اوّل میں وہ صرف بارہ تختیوں پر تحریر تھا۔ گیارہویں صدی کی چوتھی دہائی کے بعد اس کی نشاۃ ثانیہ میں اسلامی اثرات سے اس میں توسیع کی گئی رفتہ رفتہ اس کی ضخامت میں اضافہ ہوا پھر بھی وہ جملہ حقوق انسانی اور اس کی قانونی ضرورتوں کا کفیل نہ ہوسکا نہ آج تک اس میں اتنی وسعت پیدا ہوسکی کہ وہ انسانی معاشرہ کی جملہ انواع و اقسام اور عدل و انصاف کے جملہ تقاضوں کو پورا کرسکے اور انفرادی و اجتماعی حقوق انسانی کا تحفظ کرسکے۔ وہ ایک محدود دائرے میں محدود ہے جس میں انسانی زندگی کی وسیع تر ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں۔ اس کے مقابلے میں فقہ اسلامی ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے جس میں انسانی زندگی کے جملہ امور و معاملات خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی و جماعتی حیات سے متعلق ہوں یا موت سے، صحت و تندرستی سے متعلق ہوں یا امراض و اسقام اور ادویات و معالجات سے، حکومت و مملکت سے متعلق ہوں یا رعایا اور محکوموں سے، جنگوں سے متعلق ہوں یا صلح و امن سے، مفاد عامہ سے ان کا تعلق ہو یا شخصی و ذاتی مفاد سے یا طہارت جسم، طہارت نفس اور طہارتِ فکر و خیال سے، غرض ہر شے کے فقہ اسلامی میں احکام بیان کئے گئے ہیں اور کسی بھی چیز کو چھوڑا نہیں گیا ہے۔ یہ خصوصیت و امتیاز قوانین روما کو کہاں حاصل ہے۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن و حدیث کی اپنی ایک زبان ہے۔ اپنا مخصوص اندازِ بیان ہے۔ اپنی اصطلاح ہے جو کسی دوسرے سے نہ مستعار ہے نہ مستفاد۔ رومی قوم قانون اور قوانین کا لفظ استعمال کرتی ہے جب کہ قرآن و حدیث اس لفظ کو

استعمال نہیں کرتے قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں کہیں یہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا بلکہ اس کی بجائے وہ اپنی اصطلاح استعمال کرتا ہے اور وہ ہے احکام، امرونہی، حرام وحلال، اثم ومعصیت اور حدود وشعائر وشرائع وغیرھا، فقہ اسلامی نے بھی قرآن و احادیث کی ان ہی اصطلاح کو استعمال کیا ہے۔ یہ سب کچھ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ فقہ اسلامی قوانینِ روما سے قطعاً مستفاد نہیں۔ یہ مستشرقین کا خودساختہ خیال ہے اوراس خیال کے پردے میں وہ اپنی چوری اور کمزوری کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں۔

کتاب لکھنے کا مقصد:

(۱) میں نے اس کتاب میں کوشش کی ہے کہ میں علماء فقہ کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کروں کہ انہیں مسائل بیان کرتے وقت اور کسی استفتاء کا جواب لکھنے میں کن کن اُمور کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے اور یہ کہ مسائل شرعیہ بیان کرنے اور فتویٰ نویسی کے لئے معیار علم کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ انہیں اُن اکابر فقہاء ومجتہدین کی عظیم شخصیتوں کی معرفت بھی حاصل ہونی چاہئے جن کے اقوال وتصنیفات مستند اور مُفتیٰ بہا ہیں اور جن پر اعتماد کیا جاتا ہے اس سلسلے میں مَیں نے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی عظمت وفضائل کو خاص طور سے بیان کیا ہے اور ان کے مُعتمَد تلامذہ اور ان کی مستند تصنیفات سے بھی روشناس کرادیا ہے۔

(۲) قرآنِ کریم کا دعویٰ ہے کہ وہ ﴿ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ﴾[1] ہے یعنی اس میں ہر شے کا بیان ہے اور یہ کہ دین ودنیا کی تمام خشک وتر چیزوں کا بیان قرآنِ مبین میں ہے۔ ﴿ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۵۹ ﴾[2]

اس سلسلہ میں، میں نے کوشش کی ہے کہ اس امر کی وضاحت کروں کہ ہمارے اکابر فقہائے کرام خصوصاً مجتہدین فقہ نے فقہ اسلام مدون ومرتب فرما کر قرآن مجید کے اس دعویٰ کو بقدرِ استطاعت ثابت کردیا ہے۔ انہوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں طاقت بشری کے مطابق شمار واندازہ سے زیادہ اتنے مسائل واحکام بیان کردیئے ہیں کہ کوئی چیز بیان کرنے سے رہ نہیں گئی ہے۔ انہوں نے مسائل شرعیہ وفقہیہ میں اتنی کثیر تعداد میں اور اتنی ضخیم اور جامع کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن کی صحیح تعداد بھی شمار میں نہیں پھر ان میں اتنے کثیر مسائل بیان فرمادیئے ہیں جن کا نہ کوئی شمار نہ حدونہایت، اُمتِ مسلم ان کے احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ فَجَزٰھُمُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَا صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے مستقبل میں پیش آنے والے ممکنہ اور جدید مسائل کا حکمِ شرعی معلوم کرنے کے لئے قرآن کریم اور احادیث شریفہ کی روشنی میں کچھ ایسے اصول کلیہ مرتب فرمادیئے جن سے علمائے دین جدید مسائل کا علم حاصل کرسکیں۔ ان کی تعداد بھی سینکڑوں میں ہے میں نے علمائے فقہ کے لئے اُن میں سے

---

1 ...... ترجمۂ کنزالایمان: (اس قرآن پاک میں) ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (پ۱۴، النحل: ۸۹)

2 ...... ترجمۂ کنزالایمان: اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔ (پ۷، الانعام: ۵۹)

کچھ بیان کئے ہیں تا کہ ہمارے علماء کو سہولت ہو اور یہ سب کچھ فیضان ہے میرے اساتذہ خصوصاً حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اور میرے اکابر کا جن کے فیوض و برکات سے میں اس قابل ہو سکا کہ یہ تصنیف پیش کر سکوں ورنہ ''من آنم کہ من دانم''۔ (3)

اصحابِ علم و علمائے کرام سے گزارش ہے کہ اس تصنیف میں میری کم مائیگی اور بے بضاعتی کی وجہ سے جو کوتاہیاں اور خامیاں ہوں از راہ کرم ان پر مجھے مطعون نہ کریں اور ہدف ملامت نہ بنائیں بلکہ اخلاص کے ساتھ اصلاح فرمادیں اور میرے لئے دعائے خیر و استغفار فرمائیں ربّ کریم انہیں اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ اِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَاِلَيْهِ مَآبُ

وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

وَعَلٰى جَمِيْعِ عُلَمَاءِ اُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ آمِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ط

اَلْفَقِيْرُ الْعَبْدُ اِلَى اللّٰهِ الصَّمَد

العبد الضعیف ظہیر احمد زیدی القادری

ابن السید دائم علی زیدی غفرلہ ولوالدیہ

متوطن قصبہ نگینہ ضلع بجنور محلّہ سیدواڑہ ساکن حال

بیت السادات دودھ پور علی گڑھ

مورخہ ۷ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۹۱ء یوم چہارشنبہ

---

1 ......فارسی محاورہ ہے جس کا مطلب ہے کہ ''میں اپنے بارے میں جانتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔''

جنتی اعرابی

حضرتِ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک اَعرابی نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''یارسول اللہ (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم)! ایسے عمل کی طرف میری راہنمائی فرمائیے کہ جب میں وہ عمل کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں؟'' تو رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور فرض نماز ادا کرو اور زکوٰۃ ادا کیا کرو اور رمضان کے روزے رکھا کرو۔'' یہ سن کر اعرابی نے کہا ''اس ذات پاک کی قسم! جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے میں اس پر زیادتی نہ کروں گا۔'' پھر جب وہ اَعرابی لوٹا تو نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم نے فرمایا: ''جو کسی جنتی کو دیکھنا چاہے وہ اسے دیکھ لے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، الحدیث: ۱۳۹۷، ج ۱، ص ۴۷۲)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ یَسِّرۡ وَلَا تُعَسِّرۡ وَتَمِّمۡ بِالۡخَیۡرِ ط

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ سَیِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍوَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ اَمَّابَعۡدُ:

اسلام اور علم کی اہمیت

دنیا کے تمام مِلَل واَدیان میں صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس کو یہ فخر وشرف حاصل ہے کہ اس نے اپنے ہر ماننے والے کے لئے علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے۔ سب سے پہلی وحی جو رسول کل وسید الکائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم پر غار حرا میں نازل ہوئی اس کا پہلا لفظ یہی ہے۔ اقرأ (پڑھو) یعنی علم حاصل کرو۔ پہلی وحی یہ ہے۔

﴿ اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾ ﴾ (1)

ترجمہ: پڑھو اپنے ربّ کے نام سے جس نے پیدا فرمایا، آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا پڑھنا سکھایا۔ آدمی کو سکھا دیا جو نہ جانتا تھا۔

آیتِ کریمہ کا ایک ایک لفظ ظاہر کررہا ہے کہ اسلام میں علم کی اہمیت کس درجہ ہے کہ ایک ہی مقام پر دوبار علم حاصل کرنے کا حکم دیا پھر اس احسان کا اظہار فرمایا کہ یہ اس کا کرم ہے اس نے انسان کو علم بھی عطا فرمایا اور لکھنا بھی سکھایا۔ علم حاصل کرنے کا حکم دینے کے بعد قرآن نے دیگر جگہ علم حاصل کرنے والوں اور اہلِ علم کی عظمت وفضیلت بیان فرمائی اور جہالت کی سخت مذمت بیان فرمائی صاف صاف الفاظ میں فرمادیا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے۔ فرمایا:

﴿ هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؕ ﴾ (2)

کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں۔

مطلب یہ کہ ہرگز ہرگز عالم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے۔ جاہل تو کندۂ ناتراش ہے اور علماء کو کتاب الٰہی اور انبیاء کرام علیہم السلام کا وارث بنایا گیا ہے۔

1...... "صحیح البخاری"، کتاب التفسیر، سورۃ (اقرأ باسم ربّك الذی خلق)، باب ۱، الحدیث: ۴۹۵۳، ج۳، ص ۳۸۴.
پ ۳۰، العلق: ۱۔۵.

2...... پ ۲۳، الزمر: ۹.

قرآن فرماتا ہے:

﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ ﴾[1]

ترجمہ: پھر ہم نے اپنے منتخب اور چنیدہ بندوں کو قرآن کا وارث بنایا۔

یعنی کہ اولاً کتاب ہم نے اپنے پیارے رسول اور حبیب علیہ الصلوۃ والسلام پر نازل فرمائی اور انہیں ما کان وما یکون کا علم[2] عطا فرمایا۔ پھر آپ کے بعد ہم نے اپنی کتاب کا وارث ان کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ اس لئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: "اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ" بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء کی وراثت درہم و دینار نہیں ہوتی ان کی وراثت تو علم الٰہی اور علمِ دین ہے تو جو اسے پالے گا وہ علم کا بڑا حصہ پالے گا۔[3]

ایک اور مقام پر قرآن پاک میں فرمایا۔

﴿ یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ ﴾[4]

اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان لانے والوں کو اور ان ایمان والوں کو جو تم میں سے علم دیئے گئے درجوں بلند فرماتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایمان لانے کا دارومدار بھی علم و معرفت ہی پر ہے اور پھر ایمان لانے کے بعد مزید علم حاصل کرنا درجوں بلند ہونے کا سبب ہے یہ رفعت و بلندی، یہ عظمت و فضیلت ہرگز کسی جاہل، بے علم و بے شعور کا نصیب نہیں ہو سکتی۔

ان آیاتِ کریمہ کی تشریح میں علم کی اہمیت کے اِظہار کے لئے نیز ایک مسلمان کو سچا اور پختہ مسلمان ہونے کے لئے رسول پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ[5] علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرضِ عین ہے۔

دوسری جگہ فرمایا: اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَی اللَّحْدِ[6] علم حاصل کرو پیدائش سے لے کر قبر میں جانے تک۔

اور فرمایا: اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّیْنِ[7]

---

1. ...... پ ۲۲، فاطر: ۳۲.
2. ......یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا اس کا علم۔
3. ......"جامع الترمذی"، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه ... إلخ، الحدیث: ۲۶۹۱،ج ٤، ص ۳۱۲.
4. ...... پ ۲۸، المجادلة: ۱۱.
5. ......"سنن ابن ماجه"، کتاب السنة، باب فضل العلماء إلخ،الحدیث:۲۲٤،ج۱،ص۱٤٦.
6. ......"روح البیان"،الجزء الخامس عشر،سورة الکهف،تحت الآیة:٦٦،ج٥، ص۲۷٤.
7. ...... "الجامع الصغیر"، الحدیث: ۱۱۱۰،۱۱۱۱، ص ۷۲.

علم حاصل کرو چاہے تمہیں اس کے لئے چین تک جانا پڑے۔

ان تمام آیات اور احادیث سے بلا شک وشبہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے علم حاصل کرنے کو ہر چیز پر ترجیح دی ہے اور اسلام قطعاً یہ اجازت نہیں دیتا کہ کوئی بھی مسلمان خود کو علم سے محروم رکھے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سا علم ہے جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض قرار دیا گیا ہے اور جس کو حاصل کرنے کا پیدائش سے لے کر موت تک حکم دیا گیا ہے اور اگر اس کے حصول میں چین جیسے دور دراز ملک میں جانے کی مشقت اور تکلیف بھی اٹھانا پڑے تو ضرور اٹھائے مگر علم حاصل کرے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ تمام علوم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔ کیونکہ اول تو علوم کی تعداد ہی شمار سے باہر ہے پھر ہر علم کی وسعت اس قدر ہے کہ اس کا احاطہ ناممکن، تو اگر تمام علوم کا حاصل کرنا فرض قرار دیا جائے تو یہ تکلیف مالایطاق ہوگی، یعنی یہ ایسا حکم ہوگا جس کا پورا کرنا انسان کی طاقت وقدرت سے باہر ہوگا اور شریعت ہرگز ہرگز کوئی ایسا حکم نہیں دیتی جو انسان کی قوت واستطاعت سے باہر ہو۔ نہ ہی اس حکم کا یہ مطلب ہے کہ علم حاصل کرو خواہ وہ کوئی سا بھی علم ہو کیونکہ بہت سے علم ایسے ہیں جن کا حاصل کرنا شریعت حرام یا ناجائز قرار دیتی ہے۔ بلکہ بعض علم ایسے ہیں جن کا حاصل کرنا کفر ہے۔ یعنی جو علوم انسان کو گمراہی کی طرف لے جائیں فسق وفجور اور معصیت الٰہی میں مبتلا کریں، ان کا حاصل کرنا سخت حرام ہے اور جو علوم انکار خدا اور کفر و اِلحاد وغیرہ میں مبتلا کردیں، ان کا حاصل کرنا کفر ہے۔ تو حدیث پاک میں جس علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض قرار دیا ہے اس سے مراد نہ کلی علوم ہیں اور نہ یہ کہ کوئی سا بھی علم حاصل کرو تو لازمی طور سے اس علم سے وہی علم مراد ہوسکتا ہے جو انسان کو حق وصداقت کی طرف لے جائے۔ شرک وکفر اور ہر قسم کی گمراہی سے بچائے اور اللہ کا فرمانبردار اور اطاعت شعار بندہ بنائے کیونکہ اسلامی تعلیمات اور بعثت و رسالت کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے، اس کی وحدانیت کا اقرار کرے، کفر وشرک اور ہر قسم کی گمراہی ومعصیت سے بچے، اپنے رب کے احکام سے واقفیت حاصل کرے تاکہ ان پر عمل کرکے اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرے اور انسانی معاشرت کو پاک وصاف بنائے اور ایسا علم سوائے علم شریعت وعلم دین کے کوئی دوسرا علم نہیں ہوسکتا۔ اس تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو علم حاصل کرنا فرض قرار دیا گیا ہے وہ صرف علمِ دین ہے باقی علوم فرض کا درجہ نہیں رکھتے۔ اگر وہ گمراہی کی طرف نہیں جاتے تو ان کا حاصل کرنا جائز ہے، جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائے گا۔ علمِ دین حاصل کرنے والوں کی فضیلت میں بہت سی احادیث ہیں۔ ''مشتے نمونہ از خروارے'' یہ چند احادیث بیان کی جاتی ہیں۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم نے فرمایا:

---

1 ......یعنی علم کی فضیلت میں احادیث بہت کثرت سے وارد ہوئی ہیں لیکن یہاں بطورِ نمونہ چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَّلْتَمِسُ فِیْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِیْقًا إِلَی الْجَنَّةِ

جس نے تلاش علم کی راہ اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہ آسان فرمادے گا۔ رواہ مشکوٰۃ[1]

حضرت ابودرداء کی روایت میں اس حدیث میں مزید تفصیل ہے اس میں مذکورہ بالا حدیث کے ساتھ یہ بھی روایت ہے کہ "ملائکہ علم حاصل کرنے والے کی رضا اور خوشی کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں اور عالم کے لئے زمین وآسمان کی ہر چیز دعائے مغفرت کرتی ہے حتی کہ سمندر کی تہہ کی مچھلیاں بھی اس کے لئے دعائے استغفار کرتی ہیں اور عالم کی عظمت اور علومرتبت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے ماہِ تمام کو باقی تمام ستاروں پر۔[2]

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا: فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی أَدْنَاکُمْ

عالم کو عابد پر اتنی ہی فضیلت ہے جتنی مجھے تمہارے کمتر درجے کے آدمی پر۔ رواہ مشکوٰۃ[3]

ابوداوٗد اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عَمْرو[4] رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ آیَةٌ مُّحْکَمَةٌ أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ أَوْ فَرِیْضَةٌ عَادِلَةٌ وَّمَاسِوٰی ذٰلِکَ فَهُوَ فَضْلٌ[5]

یعنی یہ کہ علم دین تین چیزیں ہیں: (۱) قرآن پاک کی آیات محکمہ جو منسوخ نہیں ہیں (۲) صحیح وثابت شدہ احادیث (۳) وہ احکام جو قیاس واجتہاد سے مستنبط ہوں اور جو ان کے علاوہ علوم ہیں وہ مدزائد ہیں۔ یعنی علم دین اور علم شریعت تو یہی تین علوم ہیں۔ رہے دیگر علوم تو ان کا حاصل کرنا اگر جائز بھی ہو وہ علمِ شریعت میں داخل نہیں مدزائد میں شامل ہیں کہ اگر کسب معاش کے لئے کوئی علم حاصل کیا جائے اور اس کا حاصل کرنا شرعاً ممنوع نہ ہو اور وہ حاصل کیا جاتا ہے، وہ ایک مدزائد ہے۔ ان تفصیلات سے ان حضرات کی یہ غلط فہمی دور ہونی چاہیے کہ حدیث: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ[6] میں طلب العلم سے مراد کوئی سا بھی علم حاصل کرنا ہے اگر ایسا ہو تو پھر قرآنِ پاک کا نزول اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم

---

1 ...... سنن ابن ماجه، كتاب السنة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، الحديث ٢٢٣، ج١، ص١٤٥.

2 ...... "جامع الترمذي"، كتاب العلم، باب ماجاء في فضل الفقه على العباد، الحديث: ٢٦٩١، ج٤، ص٣١٢.

3 ...... المرجع السابق، الحديث: ٢٦٩٤، ج٤، ص٣١٣.

4 ...... بہارِشریعت میں اس مقام پر "عبداللہ بن عمر" رضی اللہ تعالیٰ عنہما لکھا ہوا تھا، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ "ابوداوٗد اور ابن ماجہ" میں "عبداللہ بن عَمْرو" رضی اللہ تعالیٰ عنہما مذکور ہے، اسی وجہ سے ہم نے متن میں تصحیح کردی ہے۔... علمیه

5 ...... "سنن ابن ماجه"، كتاب السنة، باب إجتناب الرأي والقياس، الحديث: ٥٤، ج ١، ص ٤١.

و "سنن ابی داود"، كتاب الفرائض، باب (ماجاء) في تعليم الفرائض، الحديث: ٢٨٨٥، ج٣، ص١٦٤.

6 ...... "المعجم الكبير"، الحديث: ١٠٤٣٩، ج١٠، ص١٩٥.

و "روح البيان"، الجزء الحادي عشر، سورة التوبة، تحت الآية ١٢٢، ج٣، ص ٥٣٦.

کے ارشادات یعنی ذخیرۂ حدیث بے مقصد ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ نزول قرآن کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اس کے بندوں تک پہنچیں ارشادات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم ان کی تشریح و عملی تفسیر بیان کریں تا کہ امت ان کا علم حاصل کرے اور ان پر رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے عمل پیرا ہو۔

فقہ کیا ہے؟

لغت میں فقہ کے معنی ہیں کسی شے کا جاننا پھر یہ لفظ علم الشریعہ کے ساتھ خاص ہو گیا۔ علماء اُصول کی اصطلاح میں علم فقہ کی تعریف یہ ہے کہ فقہ وہ علم ہے جس میں احکامِ شرعیہ فرعیہ کا علم ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ حاصل کیا جائے اور فقہاء کے یہاں علم فقہ کی جو تعریف بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ علم فقہ نام ہے احکامِ شرعیہ اور مسائل شرعیہ کا علم حاصل کر کے ان کو حفظ کر لینا اور اہل حقیقت و معرفت نے علم فقہ کی تعریف ان لفظوں میں بیان فرمائی ہے کہ علم فقہ کا مطلب ہے علم احکام شریعت کو عمل میں لانا۔ بقول سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ کے فقیہ تو وہی ہے جو دنیا سے اعراض کرے اور آخرت کی طرف راغب ہو اور اپنے عیوب پر نظر رکھے۔[1] (درمختار و ردالمحتار)

فقہ کی ضرورت:

فقہ کی تعریف سے یہ امر واضح ہو گیا کہ فقہ کا مطلب احکام و مسائل شریعت سے واقفیت حاصل کرنا اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت فقہ ہر مسلمان کی بنیادی ضرورت ہے۔ سید الکل، ختم الرسل حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے مقاصد بعثت ہی میں اللہ عزوجل نے اس طرف اشارہ فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۚ﴾[2]

یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنین پر یہ احسان عظیم فرمایا کہ ان میں انہیں کے نفوس میں سے ایک عظمت والا رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے (یعنی احکامِ الٰہیہ بیان کرتا ہے) اور ان کا تزکیۂ نفس فرماتا ہے اور ان کو کتاب (یعنی قرآنِ پاک) اور حکمت و دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔

مطلب یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم خاص سے مومنین پر یہ انعام و احسان فرمایا کہ اپنے احکام و مرضیات اور اپنی کتاب و حکمت کی تعلیم کے لئے اپنا ایک عظمت والا رسول بھیجا تا کہ وہ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کے احکام بیان فرمائے اور

---

1 ...... "الدر المختار" و "ردالمحتار"، المقدمة، ج۱، ص۹۷، ۱۰۰.

2 ...... پ۴، آل عمران: ۱۶۴.

ان پر عمل کرا کے تمہارے نفوس کو پاکیزہ تر بنائے۔ اور احکامِ الٰہیہ کے جاننے کا نام ہی فقہ ہے اس آیتِ کریمہ میں اللہ عزوجل نے مقصدِ رسالت کی وضاحت کے ساتھ آپ کی مقدس ذات کی عظمت و رفعت کو بھی بیان فرمایا جس کا اظہار لفظ "مَنَّ" سے ہوتا ہے۔

دوسری آیت میں تمام امت کو یہ حکم دیا کہ ﴿وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْاۚ﴾[1]

جو کچھ تمہیں عظمت والے رسول دیں وہ لے لو (یعنی اس پر عمل کرو) اور جس چیز سے یہ تمہیں روکیں منع فرمائیں اس سے باز رہو (یعنی اس پر عمل نہ کرو اس سے رک جاؤ)۔

اس آیت سے بھی مراد احکامِ الٰہی ہی ہیں اور انہیں کا دوسرا نام علم فقہ ہے۔ ایک جگہ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗؕ﴾[2]

اے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم) جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے تمہارے رب کی طرف سے تم اس کی تبلیغ کر دو یعنی دوسروں تک پہنچا دو اور اگر تم نے یہ نہ کیا اور پیغامِ الٰہی کو امت تک نہ پہنچایا تو تم نے کارِ رسالت کو[3] انجام نہ دیا۔"

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور سید الکائنات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی بعثت وتشریف آوری کو احسانِ عظیم قرار دیا اور احکامِ الٰہی اور کتاب وحکمت کی تعلیم اور ان پر عمل کر کے تزکیۂ نفس کرنا مقصدِ رسالت بیان فرمایا۔ امت کو حکم دیا کہ وہ آپ کی تعلیمات کو حاصل کرے اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہے پھر جو ان احکامِ الٰہیہ پر عمل کرے آپ کی اتباع اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اس کے لئے فوزِ عظیم کی خوشخبری سنائی، فرمایا:

﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا﴾[4]

اور جو اللہ جل وعلا اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت وفرمانبرداری کرے تو اس نے عظیم کامیابی حاصل کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم فقہ حاصل کیے بغیر نہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاسکتی ہے نہ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمانبرداری اور اتباع کی جاسکتی ہے نہ حکمت حاصل ہوسکتی ہے اور نہ تزکیۂ نفس، اس لئے علم فقہ تمام امت کے لئے ایک لازمی ضرورت ہے جو اسے حاصل کرے گا وہ فائز المرام ہوگا اور جو اس سے جاہل و نابلد رہے گا اسے اپنے ایمان کو قائم رکھنا اور اس کی

---

1 ......پ ۲۸، الحشر: ۷.
2 ......پ ۶، المآئدہ: ۶۷.
3 ......یعنی رسالت کے کام کو۔
4 ......پ ۲۲، الأحزاب: ۷۱.

حفاظت کرنا بھی مشکل ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ لازمی طور پر فقہ کا علم حاصل کرے کُل نہ سہی تو بقدر ضرورت ہی فقہ کا علم حاصل کرے تا کہ اپنے ایمان کا تحفظ تو کر سکے۔

علم فقہ کی فضیلت:

علماء کرام فرماتے ہیں کہ کتب فقہ کا مطالعہ کرنا قیام اللیل سے [1] بہتر ہے۔ [2] (خلاصہ از درمختار) صاحب ملتقط نے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کیا ہے کہ حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ انسان کو سب سے پہلے حلال وحرام اور احکام شرعیہ ومسائل فقہیہ کا علم حاصل کرنا چاہیے اس کے مقابلے میں اسے دیگر علوم کو ترجیح نہیں دینی چاہیے صرف ان ہی میں انہماک مناسب ہے۔ [3]

تمام علوم میں علم فقہ ہی اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ اشرف واعلیٰ ہے۔ کسی صاحبِ ذوق نے کیا خوب کہا ہے ۔

إِذَا مَا اعْتَزَّ ذُوعِلْمٍ بِعِلْمٍ فَعِلْمُ الْفِقْهِ أَوْلٰى بِاعْتِزَازٍ

فَكَمْ طِيْبٍ يَفُوْحُ وَلَا كَمِسْكٍ وَكَمْ طَيْرٍ يَطِيْرُ وَلَا كَبَازِي [4]

مطلب:

جب کوئی ذی علم کسی علم سے عزوشرف حاصل کرنا چاہے تو صرف علم فقہ ہی کو یہ عظمت حاصل ہے کہ اس سے عزوشرف حاصل کیا جائے کیونکہ خوشبوئیں تو ساری مہکتی ہیں لیکن مشک جیسی کوئی خوشبو نہیں اور پرندے تو سب ہی اڑتے ہیں لیکن ہر ایک کا اڑنا باز جیسا نہیں ہے۔

علم فقہ کی عظمت وفضیلت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی تعریف فرمائی اور اس کو لفظ ''خیر'' سے تعبیر فرمایا جو کسی شے کی مدح میں ایک جامع اور وسیع المفہوم لفظ ہے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ﴾ [5]

یعنی جس کو حکمت دی گئی اسے یقیناً خیر کثیر عطا کی گئی۔ ارباب تفسیر نے لفظ حکمت کی تفسیر فقہ سے فرمائی ہے اس تفسیر کی روشنی

---

1. ......یعنی رات کی عبادت سے۔
2. ......''الدرالمختار''، المقدمة، ج۱، ص ۱۰۱.
3. ......''الملتقط''، کتاب المخارج، باب الفوائد والحکایات، ص۴۵۹.
4. ......''الدرالمختار''، المقدمة، ج ۱، ص ۱۰۳.
5. ...... پ ۳، البقرہ: ۲۶۹.
6. ......''صحیح البخاری''، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ...إلخ، الحدیث: ۷۱، ج۱، ص ۴۲.

میں علم فقہ خیر کثیر ہے اور فقہائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے خیر کثیر سے نوازا ہے حضور شافع یوم النشور، شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: مَن یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ [6] اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں فقیہ بنا دیتا ہے۔

علامہ ابن نجیم ''الاشباہ والنظائر'' میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بندوں سے ہر شے کے بارے میں سوال کیا جائے گا لیکن علم نافع جو موصل اِلَی اللّٰہ ہو اور حسن نیت اور اخلاص عمل کے ساتھ آفات نفس سے بچنے کے لئے حاصل کیا گیا اور اس کے بارے میں کوئی سوال نہ ہوگا کیونکہ وہ خیر محض ہے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کو اٹھائے گا پھر علماء کو اٹھائے گا پھر فرمائے گا: اے علماء میں نے تمہیں اپنا علم نہیں دیا مگر اس لئے کہ میں تمہیں جانتا تھا اور میں نے تمہیں اپنا علم اس لئے نہیں دیا کہ میں تمہیں عذاب دوں۔ جاؤ میں نے تم سب کو بخش دیا۔ [2]

یہ وہ لوگ ہیں جن کا علم و عمل خالصتاً لوجہ اللہ ہے اور جنہوں نے ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۬﴾ [3] کے مقتضٰی کو سمجھا اور اس پر عمل فرمایا۔ علماء فرماتے ہیں کہ ایسے علماء صالحین سے قیامت میں ان کے علم سے متعلق سوال اس لئے بھی نہ ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعا کرنے کا حکم دیا ﴿رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾ [4] اے رب تو مجھے علم عظیم عطا فرما کر درجات بلند فرما۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے حبیب سے اور آپ کی اتباع میں آپ کی امت سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کا طالب ہے اس لئے یہ اس کی شان کرم نہیں ہے کہ یہ حکم دینے کے بعد پھر علماء سے ان کے علم کے بارے میں سوال کرے۔ اس لئے فقہ کی مدح وثناء اور اس کی فضیلت میں کہا گیا ہے۔

وَخَیْرُ عُلُوْمٍ عِلْمُ فِقْہٍ لِاَنَّہٗ	یَکُوْنُ اِلٰی کُلِّ الْعُلُوْمِ تَوَسُّلَا
فَاِنَّ فَقِیْھًا وَّاحِدًا مُّتَوَرِّعًا	عَلٰی اَلْفِ ذِیْ زُھْدٍ تَفَضَّلَ وَاعْتَلٰی [5]

ترجمہ: تمام علوم کے مقابلہ میں علم فقہ ہی سب سے بہتر علم ہے کیونکہ یہی علم تمام عظمتوں اور بلندیوں کے لئے وسیلہ و

1. ......"الأشباہ والنظائر"،الفن الثالث:الجمع والفرق، فائدہ:کل شیئ یسأل عنہ...إلخ،ص ۳۳۸.
2. ......"المعجم الأوسط"، الحدیث:٤٢٦٤،ج۳،ص۱۸٤.
و"إحیاء علوم الدین"، کتاب العلم،الباب الأول فی فضل العلم...إلخ،ج۱،ص۲۲،
3. ......پ۳۰،البینۃ:٥.
ترجمۂ کنزالایمان: ۔اوران لوگوں کوتو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے۔
4. ...... پ۱٦، طٰہٰ:۱۱٤.
ترجمۂ کنزالایمان:۔اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے۔
5. ......"الدرالمختار"، المقدمۃ،ج۱،ص۱۰۳.

ذریعہ ہے بلاشبہ ایک صاحب ورع وتقویٰ فقیہ ہزار عابدوں، زاہدوں پر فضیلت و بلندی رکھتا ہے۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو علم و معرفت کی عظمتوں کے حامل ہیں:

مَا الْفَضْلُ إِلَّا لِأَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّهُمْ عَلَى الْهُدٰى لِمَنِ اسْتَهْدٰى أَدِلَّاءُ

وَوَزْنُ كُلِّ امْرِئٍ مَّا كَانَ يُحْسِنُهُ وَالْجَاهِلُوْنَ لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَعْدَاءُ

فَفُزْ بِعِلْمٍ وَّلَا تَجْهَلْ بِهٖ أَبَدًا اَلنَّاسُ مَوْتٰى وَأَهْلُ الْعِلْمِ أَحْيَاءُ[1]

مطلب:

فضل و شرف تو صرف علمائے شریعت کے لئے ہی ہے کیونکہ یہی علماء رشد و ہدایت چاہنے والوں کی ہدایت کے راہ نما ہیں۔ ہر شخص کی قدر و قیمت اس کے حسن عمل سے ہے اور جاہل و بے علم لوگ اہلِ علم کے دشمن ہیں۔ پس تم حصول علم میں کامیابی حاصل کرو اور جہالت سے ہمیشہ بچتے رہو کیونکہ اہلِ علم حیات اَبدی پاتے ہیں اور جاہل عوام بحالت زندگی بھی مردہ ہیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالی علیہ "احیاء العلوم" میں فرماتے ہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے کہ "حکمت (یعنی تَفَقُّه فِي الدِّيْن) اہل شرف کے شرف کو بڑھاتی ہے غلام کا درجہ بلند کرتی ہے اور اسے شاہوں کی مجلسوں میں بٹھادیتی ہے۔"[2] اور یہ بھی ایک مشہور مقولہ ہے: لَوْلَا الْعُلَمَاءُ لَهَلَكَ الْاُمَرَاءُ[3] اگر علماء نہ ہوتے تو امراء ہلاک ہوجاتے۔ مطلب یہ کہ امراء جب اپنی انانیت، امارت اور حکومت کے زعم میں اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلّم) کی نافرمانی اور خواہش نفس کی پیروی میں کفر وضلالت کا راستہ اختیار کرتے ہیں اس وقت علماء حق ہی انہیں اس سے روکتے ہیں اور عذاب آخرت سے انہیں بچاتے ہیں۔

شرعی اور فقہی اعتبار سے علم کی اقسام:

شرعی نقطہ نگاہ سے حصولِ علم کی کئی قسمیں ہیں۔ پہلی قسم تو وہ علم ہے جس کا حاصل کرنا شریعت میں ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض عین ہے جیسے عقائد اسلام کا علم کہ اگر وہ اسلام کے ضروری عقائد کو نہ جانے گا جو کہ اسلام کی بنیاد ہیں تو وہ کس طرح اسلام پر قائم رہے گا اور جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جو اسلام کے پانچ ارکان سے ہیں ان پر عمل کرنے کے لئے ان کے فرائض وواجبات اور ضروری مسائل کا علم، یہ علم کہ شریعت میں حلال کیا ہے اور اس چیز کا علم کہ کن کن چیزوں سے دین ختم اور برباد ہوجاتا ہے تاکہ ایسی چیزوں سے بچے اور دور رہے اور فرائض وواجبات کی ادائیگی صحیح طریقہ سے انجام دے اور متشابہات میں مبتلا نہ ہو

1. ...... "الدر المختار"، المقدمة، ج ۱، ص ۱۰۵.
2. ...... "احياء علوم الدين"، كتاب العلم، الباب الأول فى فضل العلم... إلخ، ج ۱، ص ۲۰.
و "حلية الأولياء"، الحديث: ۸۲۳۵، ج ٦، ص ۱۸۵.
3. ...... "الدر المختار"، المقدمة، ج ۱، ص ۱۰٦.

جیسا کہ ''تبیین'' میں ہے کہ ''بلاشک وشبہ اسلام کے بنیادی ارکان خمسہ کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور علم الاخلاص کا حاصل کرنا بھی کیونکہ عمل کے صحت وثواب کا دارومدار اسی پر ہے اسی طرح حلال وحرام اور ریاء وسمعہ کا علم بھی کیونکہ اگر عمل میں ریاء شامل ہوجائے تو ہر عبادت بے روح اور عابد ثواب سے محروم ہوجاتا ہے اور عجب [1] وغرور اور حسد کا علم حاصل کرنا بھی فرض عین کیونکہ یہ چیزیں بھی اعمال کو سوخت اور ضائع کردیتی ہیں اور بیع وشرا کا علم، [2] نکاح وطلاق اور دیگر معاملات کا علم ان لوگوں کو حاصل کرنا ضروری ہے جو ان معاملات سے متعلق ہوں اور محرمات الفاظ کا علم اور کفریہ کلمات کا علم بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔'' فرماتے ہیں: بخدا یہ اہم ترین چیز ہے اس زمانے میں محرمات الفاظ اور مُکَفِّر کلمات کا علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ اب عوام بلا خوف وبلا جھجک ایسے الفاظ اور ایسے جملے بے تکلف بول دیتے ہیں جو انہیں دائرہ اسلام سے خارج کردیتے ہیں اور وہ اپنی غفلت، لاعلمی اور بے توجہی سے ان کی خطرناکی کو نہیں سمجھتے اور اپنا ایمان ضائع کر بیٹھتے ہیں اس لئے احتیاط کا تقاضا ہے کہ وہ روزانہ ہی اپنے ایمان کی تجدید کرلیا کریں کہ کہیں لاعلمی میں کوئی کفری کلمہ یا کفری عمل کا صدور تو نہیں ہوگیا۔ [3]

دوسری قسم:

علم کی وہ ہے جس کا حاصل کرنا شریعت میں فرض کفایہ ہے یعنی جس کا حاصل کرنا اور بجالانا ضروری تو ہو مگر ہر فرد پر نہیں یعنی یہ ضروری نہیں کہ ہر آدمی کرے بلکہ اگر کچھ لوگ بھی اسے کرلیں گے تو مقصود حاصل اور فرض کی ادائیگی ہوجائے گی، باقی لوگ گنہگار اور تارک فرض نہ ہوں گے۔ ''تبیین'' میں فرض کفایہ کی یہ تشریح کی گئی ہے کہ فرض کفایہ وہ علم ہے کہ انسانی معاشرت اور امور دنیا کو قائم رکھنے میں اس سے استغناوصرف نظر نہ کیا جاسکے جیسے علم طب، علم لغت، علم قراءت، اسناد احادیث کا علم، وصایا وراثت کی تقسیم، کتابت، معانی وبدیع وبیان، معرفت، ناسخ ومنسوخ اور علم عام، خاص، نص اور ظاہر کا، یہ علوم تفسیر وحدیث کے لئے ضروری ہیں۔ ایسے ہی علم الاثار والاخبار، علم اسماء الرجال، [4] علم اسماء صحابہ ان کے فضائل اور ان کے عدالت فی الروایۃ، ان کی عمریں اور علوم صنعت وحرفت، فلاحت وکاشت وغیرہا یہ تمام علوم فرض کفایہ میں داخل ہیں۔ [5]

تیسری قسم:

علم کی وہ ہے جس کا حاصل کرنا شرعاً مندوب ومستحسن ہے اور وہ ہے فقہ میں تبحر ومہارت پیدا کرنا اور اس پر عبور حاصل کرنا، اور علم القلب میں مہارت پیدا کرنا۔ تبحر فی الفقہ کا مطلب یہ ہے کہ فقہ میں اس کی معلومات زیادہ سے زیادہ ہوں اور اس کی

---

1 ......خود پسندی۔ 2 ......یعنی خرید وفروخت کا علم۔

3 ......''ردالمحتار''، المقدمۃ، مطلب: فی فرض الکفایۃ وفرض العین، ج۱، ص۱۰۷۔۱۰۸.

4 ......احادیث کے راویوں کے بارے میں جاننے کا علم۔

5 ......''ردالمحتار''، المقدمۃ، مطلب: فی فرض الکفایۃ وفرض العین، ص ۱۰۸.

گہرائیوں اور باریکیوں پر نظر رکھتا ہو اور اس سے متعلق دیگر علوم شرعیہ میں بھی اسے مہارت تامہ اور ملکہ حاصل ہو۔ علم القلب سے مراد علم الاخلاق ہے اور علم الاخلاق کا مطلب ہے کہ انواع فضائل اخلاق کون کون سی ہیں اور ان فضائل کو حاصل کرنے کے کیا طریقے ہیں اور رذائل اخلاق کی قسمیں کیا کیا ہیں اور ان سے بچنے اور محفوظ رہنے کے راستے کون کون سے ہیں۔[1]

چوتھی قسم:

علم کی وہ ہے جو حرام ہے جیسے فلسفہ کا وہ حصہ جس میں عالَم کے قدیم ہونے، خدا کا انکار کرنے، آسمانوں کے وجود کا انکار کرنے اور دیگر کفریات و محرمات کی تعلیم دی جاتی ہو لیکن اگر کوئی شخص اپنے اسلام کی پختگی کے ساتھ ان کا رد کرنے کے لئے اور لوگوں کو اس علم کی گمراہی سے بچانے کے لئے اس کا علم حاصل کرے تو یہ جائز ہے۔ شعبدہ بازی، سحر، کہانت اور منطق کے علم کا وہ حصہ جس سے ضلالت و گمراہی پیدا ہو ان سب کا حاصل کرنا حرام ہے اسی طرح علم تَنجِیم[2] بھی ہے کہ اگر اس علم سے مقصود یہ ہو کہ اس کے ذریعہ سے ماہ و سال، اوقات صلوٰۃ و سمتوں اور موسموں کی اقسام کا حال معلوم کیا جائے اور زکوۃ و حج کے اوقات کو جانا جائے تو مضائقہ نہیں یہ جائز ہے اور اگر علم تنجیم سے مقصود یہ ہو کہ اس کے ذریعہ سے آنے والے حوادث کو معلوم کیا جائے اور غیبی امور بتانے کے لئے استعمال کیا جائے اور ستاروں کی گردش کے دنیا پر اثرات ظاہر کرنے کے لئے حاصل کیا جائے تو حرام ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نجوم کا اتنا علم حاصل کرو جس سے تم اپنے بحری و بری سفر میں راستوں کی شناخت کر سکو اس سے زیادہ نہیں۔'' علم نجوم اگرچہ آسمانی علم ہے جو سیّدنا حضرت ادریس علیہ السلام کو دیا گیا تھا اور وہ ان کا معجزہ تھا اس میں ظن و تخمین[3] یا حسابیات کو دخل نہ تھا وہ ایک روحانی قوت تھی جو منجانب اللہ عطا کی گئی تھی وہ علم باقی نہیں رہا بعد میں لوگوں نے ظن و تخمین اور حسابیات سے کام لینا شروع کر دیا اور ستاروں کے اثرات کو موثر بالذات مان لیا جو اسلام کے قطعاً منافی ہے۔[4]

علم رمل[5] بھی انہیں علوم میں شامل ہے جن کا حاصل کرنا حرام ہے علامہ ابن حجر اپنے فتاویٰ میں بیان فرماتے ہیں کہ ''اس علم کا سیکھنا سخت حرام ہے کیونکہ اس علم سے عوام کے دماغوں میں یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ اس علم کا جاننے والا اللہ عالم الغیب کا شریک ہے۔''[6]

علم سحر، علم کہانت، علم الحروف اور علم الموسیقی وغیرہ بھی علوم محرمات میں داخل ہیں اور علم طبیعی کا وہ حصہ حرام علم میں داخل

---

1 ...... "الدر المختار" و "ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: فرض العين افضل من فرض الكفاية، ج ۱، ص ۱۰۸.

2 ...... یعنی علم نجوم۔

3 ...... یعنی گمان و اندازہ۔

4 ...... "الدر المختار" و "ردالمحتار" المقدمة، ج ۱، ص ۱۰۹ ـ ۱۱۰.

5 ...... ایک علم جس میں ہندسوں اور خطوط وغیرہ کے ذریعہ سے غیب کی بات دریافت کرتے ہیں۔

6 ...... "الفتاوى الحديثية"، مطلب: ماحكم علم الرمل، ص ۱۶۰.

7 ...... "الدر المختار" و "ردالمحتار" المقدمة، ج ۱، ص ۱۱۰، ۱۱۴.

ہے جو فلاسفہ کے باطل نظریات کے مطابق ہو جو اسلامی اعتقادات کو فاسد کرتے ہوں۔ جیسے عالَم کے قدیم ہونے کا اعتقاد کہ یہ سراسر باطل اور کفر ہے۔ (7)

پانچویں قسم:

علم کی وہ ہے جو مکروہ ہے جیسے شعراء مولدین کے وہ عشقیہ اشعار جن میں عورتوں اور نوخیز نوجوانوں کے حسن، ناز و ادا، ان کے ہجر و وصال اور شراب و کباب کی باتیں ہوں یا لغوگوئی اور کذب بیانی ہو یا ان میں مسلمان کی ہجو کی گئی ہو جیسا کہ صاحب فتح القدیر علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا، ایسے ہی اشعار کے لئے حدیث پاک میں ہے: "لأن يَمْتَلِيءَ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ أَنْ يَمْتَلِيءَ شِعْرًا" یعنی تمہارے پیٹ میں قے بھری ہو وہ بہتر ہے اس سے کہ شعر بھرے ہوں۔"

عربی شعراء بلغا اور خطباء کے عربی ادب میں چھ طبقات بیان کیے گئے ہیں:

(۱) اَلْجَاهِلِيَّةُ الاولیٰ (۲) اَلْمُخَضْرَمُوْنَ (۳) اَلْإِسْلَامِيُّوْنَ (۴) اَلْمُوَلَّدُوْن (۵) اَلْمُحْدَثُوْنَ اور (۶) اَلْمُتَأَخِّرُوْنَ

ان میں سے پہلے تین طبقات کے بارے میں فقہائے اسلام فرماتے ہیں کہ ان تین طبقات کا کلام چونکہ عربی ادب میں سند کی حیثیت رکھتا ہے اور فصاحت و بلاغت اور جزالت [1] میں اس کا وہ مقام ہے کہ قواعد زبان عربی انہیں کے کلام سے مرتب کیے گئے اور قواعد عربیہ پر ہی قرآن کریم اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو سمجھنے کا دارومدار ہے اس لئے ان تینوں طبقات کے اشعار کی روایت اور ان کے ادب و لغت کی معرفت فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں۔" کلام جاہلیت کے معانی و مفاہیم اور مطالب ناپسندیدہ لغو اور خلاف شریعت اگر ہوں بھی تاہم الفاظ و تراکیب میں لسانی اعتبار سے کوئی غلطی نہیں ہے اہلِ زبان کے نزدیک وہ نہایت فصیح و بلیغ اور مستند ہیں۔" [2] (ردالمحتار، ج۱، مقدمہ)

چھٹی قسم:

علم کی وہ ہے جس کا حاصل کرنا مباح ہے جیسے شعراء کے وہ اشعار جن میں نہ کسی مسلمان کی ہجو ہو نہ اس کی عزت و آبرو پر حملہ ہو نہ اس کا استخفاف یا تذلیل ہو اور وہ تمام علوم جن کے حصول میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو مباح علم کے زمرے میں آتے ہیں۔ [3]

بہر حال ان تمام علوم کی شرعی حیثیت ہمیں علم فقہ سے معلوم ہوئی اور یہ صرف علم فقہ ہے جس کے ذریعہ سے ہم کسی بھی علم کے

---

1 ......فصاحت، روانی۔

2 ......"الدر المختار" و "ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: في الكلام على إنشاد الشعر، ج ١، ص ١١٤ـ ١١٦.

و "فتح القدير"، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته و من لا تقبل، ج ٦، ص ٤٨٢.

و "صحيح البخاري"، كتاب الأدب، باب مايكره أن يكون الغالب على الإنسان... إلخ، الحديث ٦١٥٤، ج ٤، ص ١٤٢.

3 ......"الدر المختار" و "ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: في الكلام على إنشاد الشعر، ج ١، ص ١١٦.

جائز یا ناجائز ہونے کو معلوم کرسکتے ہیں اور یہ ہمارے فقہاء کرام ہیں جنہوں نے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں افعالِ مکلفین کے ہر ہر فعل کے جواز یا عدم جواز کو بیان فرمادیا ہے۔

ان کی فقہی خدمات نے یہ ثابت کردیا کہ اسلام ایک ہمہ گیر اور جامع نظام زندگی ہے جو انسانی حیات کے ہر پہلو کی اصلاح کرتا ہے اور قرآن پاک کا یہ فرمان: ﴿ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴾[1] یعنی قرآن کریم میں ہر شے کا بیان ہے ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی صداقت شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ یہ ہے فقہ کی عظمت وفضیلت "الاشباہ والنظائر" میں ہے کہ فقہ حدیث کا ثمرہ ہے اور فقیہ کا اجر وثواب محدث سے کم نہیں ہے۔[2] بلکہ درحقیقت فقیہ قرآن، حدیث تفسیر اور فقہ کا جامع ہوتا ہے۔

"اشباہ" میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء کرام کے علاوہ کوئی دوسرا انسان یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ جب اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمائے تو اسے کیا اور کتنا ثواب دے گا اور اللہ اسے کیا کیا صفات حمیدہ عطا فرمائے گا کیونکہ ارادہ الٰہی مغیبات میں سے ہے مگر فقہائے کرام اس ارادہ کو جانتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین میں فقیہ بنادیتا ہے۔[3]

شارح مسلم شریف امام نووی فرماتے ہیں "حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا تمام علم ان چھ حضرات میں تھا سیدنا حضرت علی، سیدنا حضرت عمر، سیدنا حضرت ابی بن کعب، سیدنا حضرت ابودرداء، حضرت زید اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم[4] (تقریب از ردالمحتار ج ۲/۳۴)

علماء محققین فرماتے ہیں، فقہ کی کاشت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمائی، حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے اس کی آبیاری کی۔ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کھیتی کو کاٹا، حضرت حماد علیہ الرحمۃ نے اس کا دانہ جدا کیا، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اس کو باریک پیسا، حضرت امام ابو یوسف نے اس کا آٹا گوندھا اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اس کی روٹیاں پکائیں اب تمام اُمت ان روٹیوں سے شکم سیر ہو رہی ہے اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی عظمت اور جلالت علم ان کی تصانیف سے ظاہر ہے جیسے جامع صغیر، جامع کبیر، مبسوط، زیادات اور النوادر وغیرہ۔

ایک روایت کے مطابق فقہ میں امام محمد علیہ الرحمۃ کی تصنیفات کی تعداد نوسوننانوے ۹۹۹ ہے آپ کے ہی تلامذہ میں سے

---

1 ......ترجمۂ کنزالایمان: اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔ (پ۷، الانعام: ۵۹)

2 ......"الأشباہ والنظائر"، الفن الثالث: الجمع والفرق، ص ۳۳۰.

3 ......"الأشباہ والنظائر"، الفن الثالث: الجمع والفرق، ص ۳۳۷.

و"صحیح البخاری"، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ ... إلخ، الحدیث: ۷۱، ج ۱، ص ۴۲.

4 ......"ردالمحتار"، المقدمۃ، مطلب: یجوز تقلید المفضول ... إلخ، ج ۱، ص ۱۲۱.

امام شافعی علیہ الرحمہ ہیں۔ آپ نے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیوہ ماں سے عقد کرلیا تھا اور امام شافعی علیہ الرحمہ ہی کو اپنا تمام مال اور کتب خانہ دے دیا تھا۔ امام شافعی کے فقیہ ومجتہد ہونے کا سب سے بڑا اور حقیقی سبب یہی ہے خود امام شافعی فرماتے ہیں کہ جو شخص علم فقہ حاصل کرنا چاہے اسے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ واصحاب (رحمھم اللہ تعالٰی) کا دامن تھام لینا چاہیے کیونکہ حقائق ان پر منکشف کردیئے گئے ہیں اور معانی، مفاہیم تک رسائی ان کے لئے سہل بنادی گئی ہے پھر فرمایا واللہ میں ہرگز فقیہ نہ ہوتا اگر میں محمد بن الحسن شیبانی کا دامن نہ تھام لیتا اور ان کی کتابیں میرے پاس نہ ہوتیں۔

حضرت اسمٰعیل بن ابی رجاء فرماتے ہیں: میں نے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو خواب میں دیکھا میں نے سوال کیا کہ اللہ تعالٰی نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالٰی نے میری مغفرت فرمادی اور فرمایا اگر میں تجھے عذاب دینے کا ارادہ رکھتا تو یہ علم تجھے نہ دیتا۔ حضرت اسماعیل نے دوسرا سوال کیا کہ ابویوسف (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کہاں ہیں جواب میں فرمایا ہم سے دو درجہ اوپر، پھر میں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے بارے میں سوال کیا فرمایا: وہ تو بہت ہی بلند اعلٰی علیین میں ہیں۔

صاحبِ درمختار علامہ علاؤالدین الحصکفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کا اعلٰی علیین میں ہونا قطعاً تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ آپ اس درجہ عابد وزاہد، متقی اور صاحب ورع تھے کہ چالیس سال تک آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی اور آپ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) نے اپنے رب (عزوجل) کا سو بار خواب میں دیدار فرمایا، آپ نے اپنے آخری بار حج میں حِجَبَۃُ الْکَعْبَہ (محافظین کعبہ) سے کعبہ کے اندر داخل ہوکر اندرون عمارت کعبہ نماز ادا کرنے کی اجازت چاہی آپ اندر داخل ہوئے اور دوستونوں کے درمیان عالمِ شوق میں صرف داہنے پیر پر کھڑے ہوکر بایاں پیر سیدھے پیر کے اوپر رکھ لیا یہاں تک کہ اسی حالت میں قرآن پاک نصف پڑھ لیا پھر رکوع وسجدہ کیا دوسری رکعت میں بائیں پیر پر کھڑے ہوکر داہنا پیر اٹھا کر بائیں پیر پر رکھا اور نصف آخر قرآن پاک ختم فرمایا، جب سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوئے تو بے ساختہ روتے ہوئے اپنے رب (عزوجل) سے مناجات کی اور عرض کیا: اے میرے معبود! اس کمزور وضعیف بندے نے تیرا کچھ بھی حقِ عبادت ادا نہیں کیا لیکن تیری معرفت حاصل کرنے میں حق معرفت ادا کیا پس تو اس کے حقِ عبادت کی ادائیگی میں نقصان کو اس کے کمال معرفت کے بدلے بخش دے۔ اس وقت خانہ کعبہ کے ایک گوشہ سے یہ غیبی آواز آئی: اے ابوحنیفہ! بے شک تو نے حقِ معرفت ادا کیا اور ہماری عبادت کی اور بہترین عبادت کی یقیناً ہم نے تیری مغفرت فرمادی اور اس کی بھی جس نے تیری اتباع کی اور جس نے تیرا مسلک اختیار کیا یہاں تک کہ قیامت آجائے۔ حضرت امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ تعالٰی) سے کسی نے سوال کیا کہ آپ اس بلند مقام پر کیسے پہنچے آپ (رحمہ اللہ تعالٰی) نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں کبھی بخل نہیں کیا اور جو مجھے نہیں آتا تھا اس میں دوسروں سے استفادہ کرنے سے میں کبھی نہیں رکا۔ [1]

---

1 ...... "الدرالمختار"، المقدمۃ، ج ۱، ص ۱۲۰۔۱۲۷۔

امام ابو یوسف (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کی روایت یہ ہے کہ حضرت امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ نے علم کا یہ درجہ کس طرح حاصل کیا۔ آپ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) نے فرمایا کہ میں نے علم حاصل کرنے میں سخت محنت کی اور بیش از بیش شکر الٰہی ادا کیا کہ جب بھی مجھے کسی چیز کی فہم ملی اور علم وحکمت حاصل ہوا تو میں نے الحمد للہ کہا تو اللہ تعالٰی میرا علم زیادہ فرماتا رہا۔[1]

مسافر بن کرام یا بقول امام شامی، مسعر بن کدام کہتے ہیں جس نے امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کو اپنے اور اللہ (عزوجل) کے درمیان میں لے لیا مجھے اُمید ہے کہ پھر اسے کوئی خوف نہ رہے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے مجھ پر فخر فرمایا اور میں اپنی اُمت میں سے ایک شخص پر فخر کروں گا جس کا نام نعمان اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہے۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام مجھ پر فخر کریں گے اور میں ابوحنیفہ پر فخر کروں گا جو اس سے محبت کرے گا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا (تقدمہ شرح مقدمہ ابی اللیث) علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ یہ موضوع حدیث ہے۔ لیکن "اَلضِّیَاءُ الْمَعْنَوِی" میں ابن جوزی کے اس قول کو تعصّب پر محمول کیا ہے کیونکہ یہ حدیث متعدد اور مختلف طریقہ پر روایت کی گئی ہے۔[2]

علامہ ابن حجر مکی شافعی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "اَلْخَیْرَاتُ الْحِسَان فِیْ تَرْجَمَۃِ أَبِیْ حَنِیْفَۃَ النُّعْمَان" میں فرمایا: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے حالات، کرامات اور اخلاق وسیرت جو اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں جو شخص بھی ان کا مطالعہ کرے گا وہ جان لے گا کہ آپ کی عظیم بلند شخصیت اس امر سے بے نیاز ہے کہ آپ کے فضائل میں موضوع احادیث کا سہارا لے۔ نیز فرمایا کہ جو چیز آپ کی عظمت شان اور علو مرتبت کے لئے استدلال کا کام دیتی ہے وہ یہ حدیث ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ۱۵۰ھ میں زینت دنیا اٹھائی جائے گی۔ شمس الائمہ کردری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی ذات پر محمول ہے کیونکہ آپ کا وصال ۱۵۰ھ میں ہوا۔[3]

علامہ ابن حجر مکی (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) فرماتے ہیں کہ اور احادیث صحیحہ بھی آپ کی شان میں وارد ہیں جو آپ کی فضیلت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ بخاری ومسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، اور شیرازی وطبرانی قیس بن سعد بن عبادہ سے ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اگر علم ثریا کے پاس معلق ہوتا تو بھی

---

1 ......"ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: يجوز تقليد المفضول... إلخ، ج۱، ص ۱۲۷.

2 ......"الدرالمختار"، المقدمة، ج۱، ص۱۲۷-۱۲۹.

3 ......"مسند أبي يعلى" "مسند عبدالرحمن بن عوف، الحديث: ۸۴۸، ج۱، ص ۳۵۲.

و "الخيرات الحسان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان"، المقدمة الثالثة، ص ۲۵.

ابنائے فارس اسے حاصل کرلیتے۔[1] اور طبرانی کے لفظ بروایت قیس یہ ہیں کہ عرب اسے نہ پائیں گے ابنائے فارس ضرور حاصل کرلیں گے۔[2] روایت مسلم ابو ہریرہ سے ہے: اگر ایمان ثریا کے پاس ہوتا تو بھی ابنائے فارس جاتے حتی کہ اسے حاصل کرلیتے۔[3] اور روایت شیخین میں[4] حضرت ابو ہریرہ (رضی اللّٰہ تعالی عنہ) سے ہے: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر دین ثریا پر معلق ہوتا تو بھی فارس کا ایک شخص اس کو حاصل کرلیتا۔[5] اور فارس سے مراد اس کے مشہور شہر نہیں ہیں بلکہ عجمی قوم مراد ہے اور وہ فارس کے لوگ ہیں کیونکہ دیلمی کی روایت ہے، "خَیْرُ الْعَجَمِ فَارِسٌ"[6] اور امام ابوحنیفہ کے دادا فارس ہی سے تھے، اکثر علماء کی یہی تحقیق ہے[7]

علامہ حافظ سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں یہ حدیث جس کی امام بخاری نے روایت کی ہے اصل ہے صحیح ہے اس پر اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اشارہ حضرت امام ابوحنیفہ (علیہ الرحمۃ) کی طرف ہے اور "حاشیہ شَبْرَامَلِسِیْ عَلَی الْمَوَاھِبْ" میں علامہ شامی جو کہ حافظ سیوطی کے تلمیذ ہیں، فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ کا یہ جزم کہ اس حدیث سے امام ابوحنیفہ (علیہ الرحمۃ) مراد ہیں یہ وہ جزم و یقین ہے کہ جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ابنائے فارس میں آج تک کوئی فرد بھی علم کی اس بلندی اور مقام پر نہیں پہنچا جس پر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔[8] علامہ جرجانی امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللّٰہ تعالی علیہ) کے فضائل ومناقب میں بحوالہ سند حضرت سہل بن عبد اللہ التستری (رحمۃ اللہ تعالی علیہ) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلّم نے فرمایا: اگر امت موسٰی اور عیسٰی میں امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللّٰہ تعالی علیہ) جیسے ہوتے تو ان کی اُمت یہود اور نصاری نہ بن سکتی۔[9]

---

1 ......"صحیح مسلم"، کتاب فضائل الصحابة رضی اللہ تعالی عنھم، باب فضل فارس، الحدیث: ۲۳۰ـ (۲۵۴٦)، ص۱۳۷۸.
و"کنزالعمال"، کتاب الفضائل، القبائل و ذکرھم، الحدیث: ۳٤۱۲٦، ج۱۲، ص ٤۲.

2 ......"المعجم الکبیر"، ما أسند قیس بن سعد، الحدیث: ۹۰۰، ج۱۸، ص۳۵۳.
و"کنزالعمال"، کتاب الفضائل، القبائل و ذکرھم، الحدیث: ۳٤۱۲٤، ج۱۲، ص٤۲.

3 ......"صحیح مسلم"، کتاب فضائل الصحابةرضی اللہ تعالی عنھم ، باب فضل فارس، الحدیث: ۲۳۰، ۲۳۱ـ (۲۵٤٦)، ص۱۳۷۸.

4 ......یعنی بخاری ومسلم میں۔

5 ......"صحیح مسلم"، کتاب فضائل الصحابة رضی اللہ تعالی عنھم ، باب فضل فارس، الحدیث: ۲۳۰ـ (۲۵٤٦)، ص ۱۳۷۸.
و"کشف الخفاء"، حرف الواو، الحدیث: ٦۲۲۹، ج۲، ص۳۱۳.

6 ...... "فردوس الاخبار"، الحدیث ۲۷۱٤، ج۱، ص ۳٦٦.

7 ......"الخیرات الحسان"، فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان، المقدمة الثالثة، ص۲۳ـ۲٤.

8 ......"ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: یجوز تقلید المفضول...إلخ، ج۱، ص ۱۳۰.

9 ......"الدر المختار"، المقدمة، ج۱، ص ۱۳۱.

یعنی اُن کی امت میں اس طرح کے عقائد ضالہ باطلہ داخل نہ ہوسکتے اگر ان امتوں میں امام اعظم ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) جیسا روشن دماغ، صاحبِ فہم وادراک، صاحبِ عقل وبصیرت، علومِ دینیہ کا ماہر وکامل، صاحبِ صدق وصفا اور عارف بالحق ہوتا تو وہ ان کے عقائد باطلہ اور نظریات فاسدہ ضالہ کا رد کرتا اور ان امتوں کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے روک دیتا۔ [1]

امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کے فضائل ومناقب اور کمالات احاطہ شمار سے زیادہ ہیں سبط ابن جوزی نے دو بڑی جلدوں میں ان مناقب کو بیان کیا ہے اور ان کا نام "اَلا نتِصَار لِاِمَامِ آئِمَّةِ الأَمْصَار" رکھا۔ [2] جن علماء عظام نے آپ کے فضائل ومناقب میں تصنیفات کیں اور آپ پر حاسدوں کی طرف سے کئے جانے والے (اعتراضات کے) [3] جوابات دیئے ان میں علامہ سیوطی علیہ الرحمہ ہیں۔ انہوں نے "تَبْيِيْضُ الصَّحِيْفَة" تصنیف کی اور علامہ ابن حجر المکی الشافعی نے جو کتاب لکھی اس کا نام "خَيْرَاتُ الْحِسَان" رکھا جس کا ذکر کچھ ہی پہلے کیا جاچکا ہے۔ اسی موضوع پر علامہ یوسف ابن عبدالہادی کی کتاب "تَنْوِيْرُ الصَّحِيْفَة" ہے اس میں علامہ یوسف بن عبدالہادی نے ابن عبدالبر کا یہ قول بیان کیا: "حضرت امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کی شان میں کوئی برا لفظ ہرگز نہ کہا جائے اور نہ کسی ایسے شخص کی تصدیق یا موافقت کی جائے جو آپ کی شان میں بدگوئی کرے بخدا میں نے آپ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) سے زیادہ افضل، متورّع اور آپ سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا۔ آگے چل کر مزید فرمایا کہ کوئی شخص خطیب کے کلام سے جو انہوں نے امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کے خلاف لکھا ہے، دھوکہ نہ کھائے کیونکہ خطیب تو بہت سے علماء کے خلاف شدید عصبیت کا شکار ہیں، نہ ان کی عصبیت سے امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) محفوظ رہے، نہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ اور نہ ان کے اصحاب، انہوں نے سب ہی پر بھر پور حملے اور تنقیدیں کی ہیں۔ خطیب کی ان تحریروں اور تنقیدوں کے جوابات بھی لکھے گئے اور "اَلسَّهْمُ الْمُصِيْبُ فِيْ كَبِدِ الْخَطِيْب" نام کا رسالہ خطیب بغدادی کے جواب ہی میں ہے۔ رہا معاملہ ابن الجوزی کا، انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) پر طعن وتنقید میں جو کچھ کہا وہ خطیب بغدادی کی آواز بازگشت ہے خود ابن الجوزی کے پوتے نے اپنی کتاب "مِرْآةُ الزَّمَان" میں اپنے دادا کے کلام پر حیرت کا اظہار کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ علامہ خطیب بغدادی اگر طعن کرتے ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ انہوں نے بہت سے علماء پر طعن کیا ہے، (گویا یہ ان کی عادت ہے) تعجب تو اپنے جد محترم ابن الجوزی پر ہے کہ انہوں نے خطیب کا اسلوب وطریقہ کیوں اختیار کیا اور اتنی بڑی بات کہی۔ سبط ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے تعصب رکھنے والوں میں دارقطنی اور ابونعیم (صاحب الدلائل) بھی ہیں کیونکہ انہوں نے کتاب "حلیہ" میں ان علماء کا ذکر کیا جو حضرت امام اعظم

---

1. ......"ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: یجوز تقلید المفضول...إلخ، ج۱، ص۱۳۱.
2. ......"الدر المختار"، المقدمة، ج۱، ص۱۳۱، ۱۳۲.
3. ......اس بریکٹ کی عبارت، تقاضۂ عبارت کی وجہ سے لکھ دی گئی۔...علمیہ

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں کمتر ہیں لیکن امام اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا ذکر نہیں کیا۔ [1]

علامہ تاج السبکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: جن لوگوں کی یہ خواہش ہے کہ انہیں رشد وہدایت حاصل ہو جائے انہیں چاہیے کہ وہ تمام ائمہ سابقین کے ساتھ ادب واحترام کا طریقہ اپنائیں اور ان کے باہمی مکالمات کی طرف توجہ نہ دیں مگر جب کہ ان ائمہ میں سے کسی کا کلام کسی واضح اور مضبوط دلیل کا حامل ہو۔ پھر بھی اگر تم ان اقوال میں کوئی بہتر تاویل اور حسنِ ظن قائم کرسکتے ہو تو اسی پر محمول کرو بصورت دیگر اسے نظر انداز کردو (یعنی ان کی مذمت ومنقصت نہ کرو اور انہیں مطعون نہ کرو) ہرگز ہرگز تم ان مکالمات کی طرف کان نہ لگاؤ جو حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے درمیان وقوع پذیر ہوئے یا حضرت امام مالک اور حضرت ابن ابی الذئب (رحمہما اللہ تعالیٰ) کے درمیان ہوئے یا حضرت امام احمد بن صالح [2] اور امام نسائی یا امام احمد اور حضرت حارث المحاسبی کے مابین ہوئے (رحمہم اللہ تعالیٰ)۔ [3]

علامہ تاج السبکی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کے بعد حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ پر تنقید کرنے والوں اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ پر ابن معین کے اعتراض وکلام کو ذکر کرکے فرمایا کہ ایسے ایسے ائمہ کرام اور اکابرین پر اعتراض کرنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی نادان پہاڑ کے پتھروں سے اپنا سر ٹکرائے۔ ظاہر ہے کہ نقصان خود اس کے سر کا ہوگا پتھر کا کچھ نہ بگڑے گا۔

جیسا کہ حسن بن ہانی نے کہا ہے۔

یَانَاطِحَ الْجَبَلِ الْعَالِي لِيَكْلِمَهُ ۞ أَشْفِقْ عَلَى الرَّأْسِ لَا تُشْفِقْ عَلَى الْجَبَلِ [4]

ترجمہ: ''اے پہاڑ سے سر ٹکرانے والے تاکہ پہاڑ کو پھوڑ دے اپنا سر پھٹ جانے سے ڈر پہاڑ کی فکر نہ کر۔''

ائمہ سلف نے اور علمائے متاخرین نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تعریف وتوصیف میں اور آپ کے علم وفضل، فہم وفراست، عقل ودرایت، زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت اور احتیاط وخشیت الٰہی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ایک عظیم ذخیرہ ہے اسے اگر مرتب کیا جائے تو صدہا کتابیں مولف ہو جائیں۔ علامہ تاج السبکی نے اس کو بالتفصیل بیان فرمایا ہے حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے خلاف لکھا ہے یہ قطعاً غلط ہے اس کی تردید کے لیے یہ کافی ہے کہ حضرت امام غزالی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اپنی مشہور ومستند کتاب ''احیاء العلوم'' میں جہاں ائمہ اربعہ کے تراجم وحالات بیان فرمائے ہیں وہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کے الفاظ یہ ہیں: ''آپ نہایت درجہ

---

1 ...... "ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: يجوز تقليد المفضول... إلخ، ج۱، ص۱۳۲، ۱۳۳.

2 ...... بہارِشریعت میں اس مقام پر ''امام احمد ابن ابی صالح'' لکھا ہوا تھا، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اصل میں یہ ''امام احمد بن صالح'' ہے، اسی وجہ سے ہم نے متن میں تصحیح کردی ہے... علمیہ

3 ...... "ردالمحتار"، المرجع السابق، ص۱۳٤.

4 ...... المرجع السابق، ص۱۳٤، ۱۳۵.

عابدوزاہداور عارف باللہ تھے، اللہ (عزوجل) سے ڈرنے والے اور اللہ (عزوجل) کی خوشنودی اور رضا چاہنے والے تھے۔[1]

علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اگر بزرگانِ سلف باہم ایک دوسرے کے بارے میں کوئی کلام یا اعتراض کریں تو کوئی تعجب کی بات ہے، نہ قابلِ اعتراض اور قابلِ مواخذہ جیسا کہ ہمارے مقتدیٰ وذوالاحترام صحابہ (رضوان اللہ تعالٰی علیہم) کے درمیان واقعات پیش آئے کیونکہ وہ سب ہی مجتہدین کے درجہ اور مقام میں تھے، اس لئے یہ فطری امر ہے کہ وہ اپنے مخالف قول پر گرفت کریں اور اسے ناپسند خیال فرمائیں خاص طور سے اس صورت میں جبکہ ان کے پاس دوسرے کے خطاپر ہونے کی دلیل بھی ہو اس سے ان کا حقیقی مقصد دین کی خیر خواہی اور دین کی مدد ہی ہوتا ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ لوگ اس زمانے میں بھی (چھوٹا منہ بڑی بات) سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور ان کے تلامذہ واصحاب پر زبان طعن دراز کرنے سے باز نہیں آتے حالانکہ ان کے پاس علم ہے نہ عمل اور اپنے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور معمولات زندگی میں امام اعظم علیہ الرحمۃ کی تقلید پر خواہی نہ خواہی مجبور بھی ہیں۔ ان لوگوں کی مثال اس مکھی کی سی ہے جو گھوڑے کی دم سے جنگ کرتی ہے وہ یہ نہیں دیکھتے کہ خود ان مخالفین کے اکابر اور ان کے امام مذہب نے سیدنا امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کی جلالت علم، عظمت شان ان کی مدح وتوصیف اور ادب واحترام میں کیا فرمایا کس طرح ان کی صداقت وحقانیت کو تسلیم کیا ہے۔ محققین علماء کرام نے اپنی تالیفات میں آئمہ ثلثہ اور دیگر علماء کے وہ اقوال بیان کردیئے ہیں جوانہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف وتوصیف میں کہے ہیں خاص طور سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی شان بلندنشان میں اظہارِ عقیدت ومحبت۔ بے شک نیک وکامل سے نیکی وکمال کا ہی ظہور ہوتا ہے اور ناقص وبداعمال سے نقص وبدی ہی کا ظہور ہوگا۔ معترض اور بدخواہ کے لئے یہی سزا کافی ہے کہ وہ اس کامل کے فیوض وبرکات سے محروم ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالٰی ہمیں ہر محرومی سے محفوظ رکھے۔[2] آمین۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کا بارگاہِ امام ابوحنیفہ (علیہ الرحمہ) میں ادب واحترام کا یہ عالم تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور آپ کی قبر پر حاضری دیتا ہوں اور جب مجھے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت نمازنفل ادا کرتا ہوں اور ان کی قبر کے قریب آکر اس کے حل کے لئے اللہ تعالٰی سے دعا کرتا ہوں تو میری حاجت جلد پوری ہوجاتی ہے۔[3] (ردالمحتار) اور ایک مستند روایت یہ ہے کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے نماز فجر امام اعظم علیہ الرحمہ کی قبر کے نزدیک ادا کی تو اس میں قنوت نہیں کیا۔ جبکہ شوافع کے یہاں قنوت نماز فجر میں پڑھی جاتی ہے کسی نے آپ سے سوال کیا کہ حضور

---

1 ......"ردالمحتار"، المقدمۃ، مطلب: یجوز تقلید المفضول... إلخ، ج١، ص١٣٥.

و"إحیاء علوم الدین"، کتاب العلم، الباب الثانی فی العلم المحمود... إلخ، القسم الثانی، ج١، ص٤٤.

2 ......"ردالمحتار"، المقدمۃ، مطلب: یجوز تقلید المفضول... إلخ، ج١، ص١٣٥.

3 ......المرجع السابق.

یہ کیا کیا، آپ نے فجر میں قنوت نہیں کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ یہ صاحبِ قبر کا ادب واحترام ہے۔[1]

حضرت سیدنا علی الخواص رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: آئمہ مجتہدین کے متبعین پر ضروری ولازم ہے کہ وہ ہر اس عالم کی تعظیم واحترام کریں جس کی مدح وتوصیف ان کے امام مذہب نے کی ہے تقلید واتباع اور اعتماد کا تقاضا تو یہی ہے۔[2]

علامہ سبط ابن الجوزی کے علاوہ بھی دیگر علمائے عظام نے حضرت امام اعظم (علیہ رحمۃ اللہ اکبر) کی ذاتِ مقدسہ کی توصیف وتکریم میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جیسے امام طحاوی، الحافظ الذہبی اور علامہ کردری رحمہم اللہ تعالٰی اجمعین۔

حاصل کلام یہ ہے کہ سیدنا امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سید الکل، فخر الرسل، حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلّم کے عظیم معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلّم نے آپ کے بارے میں پہلے ہی خبر دے دی تھی جیسا کہ ہم نے ان احادیث میں بیان کردیا ہے جو اس سے قبل تحریر کی ہیں۔[3] جس طرح علمائے محدثین کے نزدیک یہ حدیث:

لا تَسُبُّوا قُرَيْشًا فَإِنَّ عَالِمَهَا يَمْلأُ الارْضَ عِلْماً[4]

قریش کو بُرا نہ کہو کیونکہ ان میں کا ایک عالم زمین کو علم سے بھردے گا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ پر محمول کی جاتی ہے اور ایک اور حدیث حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر محمول کی جاتی ہے۔ جس میں فرمایا گیا:

يُوشِكُ أَنْ يَّضْرِبَ النَّاسُ أَكْبَادَ الْإِبِلِ يَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَلا يَجِدُوْنَ أَحَداً أَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِيْنَةِ[5]

یعنی عنقریب لوگ طلبِ علم کے لئے لمبے لمبے سفر کریں گے لیکن وہ مدینہ منورہ کے عالم کے مقابلہ میں زیادہ علم والا کہیں اور نہ پائیں گے۔

علماء فرماتے ہیں کہ پہلی حدیث کا اشارہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کی طرف اور دوسری حدیث کا اشارہ امام مالک علیہ الرحمہ کی طرف ہے لیکن اس میں احتمال غیر بھی ہے مگر وہ حدیثیں جو سیدنا امام ابوحنیفہ امام الائمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کی گئی ہیں ان میں مراد حضرت امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) ہیں۔ ان میں احتمال غیر نہیں ہے کیونکہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ اگرچہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بلاشک وشبہ بہت بلند اور افضل ہیں کیونکہ وہ صحابی رسول علیہ الصلٰوۃ والسلام ہیں لیکن یہ بھی

---

1. ......"ردالمحتار"، المقدمة، مطلب:یجوز تقلید المفضول...إلخ، ج۱، ص۱۳۵.
2. ......المرجع السابق، ص۱۳۶.
3. ......"الدرالمختار" و"ردالمحتار"، المقدمة، مطلب:یجوز تقلید المفضول...إلخ، ج۱، ص۱۳۶.
4. ......"حلية الأولياء"، الحديث:۱۳۱۵۴، ج۹، ص۷۳.
5. ......"جامع الترمذی"، كتاب العلم، باب ماجاء فی عالم المدينة، الحديث ۲۶۸۹، ج۴، ص ۳۱۱.

مُسلَّمَات میں سے ہے کہ ان کا مقامِ عِلْم، اِجتہاد، نشرِ دین اور تدوینِ احکامِ شرعیہ میں امام اعظم جیسا نہیں اور یہ اللہ (عزوجل) کا فضل ہے کہ وہ مفضول کو وہ مقام عطا فرمادے جو افضل کو نہ ملے۔[1]

آپ کے مناقب وفضائل کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کا مسلک ومذہب اس درجہ شائع وذائع ہے کہ دنیا کے تمام ممالک، بلادواَمصار میں پھیلا ہوا ہے بعض ممالک اور علاقے ایسے ہیں جہاں آپ کے مسلک کو ماننے والے بھاری اکثریت میں ہیں اور دیگر ائمہ ثلاثہ کے متبعین کی تعداد اقل قلیل ہے نیز علمائے احناف کی کثرت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ علاقہ ماوراء النہر اور سمرقند میں ایک ایسا قبرستان تھا جس میں فقہ حنفی کے ماہر علماء جن میں سے ہر ایک کا نام محمد تھا چار سو کی تعداد میں دفن ہوئے اس قبرستان کا نام ہی "تُرْبَۃُ الْمُحَمَّدِین" تھا اسی لئے جب صاحب ہدایہ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی کا وصال ہوا تو وہاں کے لوگوں نے انہیں "تُرْبَۃُ الْمُحَمَّدِین" میں دفن نہیں ہونے دیا کیونکہ آپ کا نام محمد نہیں تھا حالانکہ آپ اپنے وقت کے جلیل القدر اور ماہر وکامل عالم تھے، مجبوراً آپ کو اسی قبرستان کے قریب دوسری جگہ دفن کیا گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ جن علماء نے امام اعظم علیہ الرحمہ کے مسلک ومذہب کو نقل کیا اور پھیلایا ان کی تعداد چار ہزار ہے پھر ان میں سے ہر ایک کے تلامذہ اور روایت کرنے والے ان کی تعداد بھی اس قدر ہے اس سے بھی فقہ حنفی کی عظمت ومقبولیت اور اس کے علماء کی کثرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔[2]

علامہ ابن حجر مکی [3] فرماتے ہیں کہ کچھ ائمہ کرام نے فرمایا کہ اسلام کے مشہور ترین ائمہ میں سے کسی سے اس درجہ دین کی خدمت نظر نہیں آتی جتنی امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور ان کے اصحاب وتلامذہ نے کی اور جس درجہ علم کے فیوض وبرکات اور دین کا نفع علماء اور عوام نے آپ سے اور آپ کے تلامذہ سے حاصل کیا کسی دوسرے سے حاصل نہیں ہوا۔ اس معاملے میں کوئی بھی حضرت امام ابوحنیفہ (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا مثیل ونظیر نہیں ہے۔ بعض علماء نے فقہ حنفی کے تقریباً آٹھ سو ماہرین کے تراجم (حالاتِ زندگی) اپنی کتاب میں بیان فرمائے ہیں جن میں ان کے نام اور نسب تک محفوظ کردیئے ہیں۔[4] اور یہ اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ واقعۃً آپ کی ذات سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک عظیم معجزہ ہے آپ کے مسلک ومذہب کو اللہ جل وعلا نے وہ فضیلت و عظمت اور قبولیت عطا فرمائی کہ صدیوں تک عہدۂ قضا اَحناف ہی کے پاس رہا بلکہ ایسی مثالیں شاذ ونادر ملیں گی کہ عہدۂ قضا کسی غیر حنفی عالم کو ملا ہو، حکومت عباسیہ کے پورے دور میں یہ عہدہ حنفی علماء کے پاس ہی رہا حالانکہ بنی عباس مسلکاً حنفی نہ تھے۔

---

[1] ......"ردالمحتار"، المقدمۃ، مطلب: یجوز تقلید المفضول...إلخ، ج۱، ص۱۳۶.

[2] ......"الدرالمختار" و"ردالمحتار"، المقدمۃ، مطلب: یجوز تقلید المفضول...إلخ، ج۱، ص۱۳۷.

[3] ......بہارشریعت میں اس مقام پر "شارح بخاری" لکھا ہوا تھا، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں نہ کہ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، اسی وجہ سے ہم نے متن میں "مکی" لکھ کر تصحیح کردی ہے۔.....علمیہ

[4] ......"الخیرات الحسان فی مناقب الإمام الأعظم أبی حنیفۃ النعمان"، الفصل الثامن، ص۳۷.

پھران کے بعد سلاطینِ سلجوقی اور خوارزمی کے زمانے میں بھی عہدۂ قضا پر علماء احناف ہی مقرر تھے اوران کے بعد سلاطین آل عثمان نے بھی عہدۂ قضاء پر حنفی علماء ہی کو مقرر کیا۔ ہندوستان میں بھی اسلامی حکومت کے پورے دور میں حنفی علماء ہی اس عہدہ پر رہے اور یہ پورا زمانہ ہزار سال پر مشتمل ہے۔اس کے بعد تو حکومتِ اسلام اِنتشار کا شکار ہوگئی صرف ایک مصر کا علاقہ ایسا تھا جس میں عہدۂ قضا شافعی المسلک علماء کے ساتھ خاص رہا وہ بھی سلطان بیبرس کے زمانے تک۔[1] (ردالمحتار)

فقہ حنفی کی فضیلت میں بعض علماء کا ایک قول یہ ہے کہ سیدنا حضرت عیسٰی علٰی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اس مذہب کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فقہ حنفی کے پیرو ہوں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قرآنی احکام کا استفادہ براہِ راست حضرت خاتم المرسلین علیہ الصلوۃ والسلام سے فرمائیں گے، کیونکہ آپ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ہی خلیفہ ہوں گے لیکن حنفی مسلک اس اِستفادہ کے عین مطابق ہوگا۔ اسی طرح سیدنا حضرت امام مہدی شرفہ اللّٰہ تعالٰی جب ظہور فرمائیں گے تو چونکہ وہ خود مجتہد مطلق ہوں گے اس لیے وہ خود مسائل کا استنباط فرمائیں گے، لیکن ان کا استنباط بھی فقہ حنفی پر مُنطبق ہوگا۔ یہ تمام اُمور اس امر کے شاہد ہیں کہ اللہ تبارک وتعالٰی نے جمیع علماء اسلام میں آپ کو وہ فضیلت وشرافت اور وہ امتیاز وخصوصیت عطا فرمائی تھی جو آپ کے سوا کسی دوسرے امام کو نہ ملی۔[2]

آپ (رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ) نے فقہ حنفی کی تدوین کی اور اس کو ایک مستقل علم کی شکل عطا فرمائی اور قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے اصولوں پر اس کے احکام کو مُتفرّع کیا اور قیامت تک کے لئے امت کو بے نیاز کر دیا۔ بعض علماء نے آپ کو اس فضیلت میں سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح وہ اول شخص ہیں جنہوں نے بمشورہ حضرت عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قرآن پاک کو ایک جگہ جمع فرمادیا، اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللّٰہ تعالٰی علیہ نے سب سے پہلے قرآن وحدیث سے اصول مستخرج فرمائے پھران پر احکامِ شرعیہ متفرع کر کے فقہ کی تدوین کی اور اس علم کی بنیاد قائم کی بالیقین حضرت امام ابوحنیفہ کو خود اس پر عمل کرنے، فقہ کی تدوین کرنے اور مسائل متفرع کرنے کا اجر ملے گا اور اس کو بھی قیامت تک اجر ملتا رہے گا جس نے اس کی تدوین وتفریع میں تالیفات کیں اور مسائل کا استخراج کیا تاکہ امت بہ سہولت مسائل شرعیہ سے آگاہی حاصل کر کے اس پر عمل کرے۔[3] حدیث شریف میں ہے: جس نے نیک اور اچھا راستہ ایجاد کیا اسے اس کا اجر ہے اور جو اس پر عمل کرے گا اس کا بھی اجر ہے اور یہ اجر اسے قیامت تک ملتا رہے گا بغیر اس کے کہ اس پر عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی ہو اور جس نے برا راستہ

---

1 ......"الدرالمختار" و "ردالمحتار"، المقدمۃ، مطلب: یجوز تقلید المفضول... إلخ، ج۱، ص۱۳۷.

2 ......"الدرالمختار"، المقدمۃ، ج۱، ص۱۳۸۔۱۳۹.

3 ......"الدرالمختار" و "ردالمحتار"، المقدّمۃ، مطلب: یجوز تقلید المفضول... إلخ، ج۱، ص۱۳۹۔۱۴۰.

نکالا تو اس پر اس کا گناہ ہے اور جو اس برے راستہ پر چلے اس کا گناہ ہے بغیر اس کے کہ بعد میں اس پر چلنے والوں کے گناہ میں کمی ہو۔[1] نیز حدیث پاک ہے کہ جو شخص خیر کی طرف رہنمائی کرے اس کو بھی اتنا ہی ثواب ہے جتنا اس پر عمل کرنے والے کو[2] یہ حدیثیں دراصل قواعد شرعیہ اسلامیہ کی بنیاد ہیں جن سے بڑی تعداد میں مسائل متفرع ہوتے ہیں جو نص، سنت، قیاس اور اجماع سے ثابت نہیں ہیں۔[3] **(عمدۃ المرید للقانی)**

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک ومذہب کی ایک عظیم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس مسلک کو اولیاء کرام کی بہت بڑی تعداد نے اختیار فرمایا جو اپنے سخت مجاہدہ میں ثابت قدم رہے اور مشاہدہ حق سے سرفراز ہوئے جیسے حضرت ابراہیم ابن ادھم بن منصور البَلخی، شقیق البَلخی بن ابراہیم الزاہد تلمیذ امام ابو یوسف القاضی متوفی ۱۹۴ھ، حضرت معروف الکرخی بن فیروز استاذ سری السقطی متوفی ۲۰۰ھ (یہ وہ بزرگ ہیں جن کی قبر سے بارانِ رحمت طلب کیا جاتا تھا)، ابی یزید بسطامی آپ کا نام طیفور بن عیسیٰ ہے آپ کے دادا مجوسی سے مسلمان ہوئے متوفی ۲۶۱ھ، فضیل بن عیاض الخراسانی متوفی ۱۸۷ھ، یہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور حضرت امام شافعی کے استاذ ہیں اور بخاری و مسلم نے ان سے روایت کی ہے۔ حضرت داؤد طائی ابن نصر بن نصیر بن سلیمان الکوفی تلمیذ امام اعظم متوفی ۱۶۰ھ، خلف بن ایوب تلمیذ حضرت امام محمد وزفر علیہما الرحمہ متوفی ۲۱۵ھ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم کو عطا فرمایا (جتنا چاہا) آپ سے وہ علم صحابہ کو منتقل ہوا، پھر تابعین کو، ان کے بعد حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اب جو چاہے خوش ہو اور جو چاہے وہ ناخوش وناراض۔ ابی حامد اللفاف ان کا نام احمد بن خضرویہ البلخی ہے متوفی ۲۴۰ھ، کبار مشائخ خراسان سے ہیں۔ عبد اللہ بن المبارک، آپ نہایت عابد وزاہد، فقیہ اور محدث تھے۔ ادب ونحو، لغت اور فصاحت و بلاغت میں بھی ماہر وکامل تھے۔ آئمہ اربعہ میں سے حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے اساتذہ میں سے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں ۱۸۱ھ میں وفات پائی۔ وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی الکوفی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) صائم الدھر تھے، ہر رات ایک بار ختم قرآن فرماتے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں اور حضرت امام شافعی کے شیوخ میں ہیں ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔ ابو بکر الوراق ان کا نام محمد بن عمرو الترمذی ہے، اولیاء کرام سے ہیں، ان اکابر اولیاء کرام کے علاوہ حاتم اصم اور سید محمد الشاذلی بکری حنفی صاحب کشف وکرامت ہیں۔[4]

غرض ساڑھے بارہ سو سال میں مسلک احناف کے جس قدر اولیائے کرام گزرے ان کا شمار کرنا مشکل ہے ان میں سے

---

1 ......"صحیح مسلم"، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ... إلخ، الحدیث ۶۹ـ(۱۰۱۷). ص ۵۰۸.

2 ......"صحیح مسلم"، کتاب الإمارۃ، باب فضل إعانۃ الغازی... إلخ، الحدیث ۱۳۳ـ(۱۸۹۳)، ص ۱۰۵۰.

3 ......"ردالمحتار"، المقدمۃ، مطلب: یجوز تقلید المفضول... إلخ، ج ۱، ص ۱۴۰.

4 ......"الدرالمختار" و"ردالمحتار"، المقدمۃ، مطلب: یجوز تقلید المفضول... إلخ، ج ۱، ص ۱۴۰ـ۱۴۴.

ہر ایک صاحبِ علم وفضل تھے اور صاحبِ زہد وتقویٰ بھی اور صاحبِ مجاہدہ وریاضت بھی اور صاحبِ کشف وکرامت بھی۔ ﴿ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ﴾(1) اگر ان حضرات کاملین کو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے مذہب میں ذرا بھی شک وشبہ ہوتا کہ اس کی کوئی بات بھی جادۂ حق کے خلاف ہے تو اپنے کشف وکرامت کے ہوتے ہوئے ہرگز ہرگز اس مذہب کو اختیار نہ فرماتے۔
علامہ ابوالقاسم قشیری (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) حالانکہ نہایت درجہ شافعی المذہب ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد ابوعلی الدقاق (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) سے سنا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے طریقت ومعرفت ابو القاسم النصر أباذی سے حاصل کی، ابوالقاسم فرماتے ہیں مَیں نے اس کو شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا اور انہوں نے سری سقطی (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) سے اور انہوں نے حضرت معروف کرخی (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) سے اور انہوں نے داؤد طائی (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) سے اور داؤد طائی نے یہ علم وطریقت حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے حاصل کیا جو کہ اس میدان کے شہسوار ہیں کیونکہ علم حقیقت کا مبنٰی علم شریعت اور عمل بالشریعہ اور تہذیب و تصفیہ نفس ہے اور تمام بزرگانِ اسلاف نے اعتراف کیا ہے کہ امام اعظم علم شریعت وطریقت اور تہذیب وتزکیہ نفس میں کامل تھے۔ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ''امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) علم، ورع اور زہد وایثار کے اس مقام پر تھے جہاں تک کسی کی رسائی نہیں۔'' عبداللہ بن مبارک (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کے مقابلہ میں کسی کو یہ حق نہیں کہ اس کی اقتداء کی جائے کیونکہ آپ نہایت متورّع، متقی، پاکیزہ تر اور عالم وفقیہ تھے آپ نے علم میں وہ انکشاف کئے جو دوسروں کی دسترس سے باہر تھے۔ امام ثوری (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) نے اس شخص سے جو امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کے پاس ہو کر آیا تھا فرمایا کہ بلاشبہ تو ایسے شخص کے پاس سے آیا ہے جو تمام روئے زمین میں سب سے زیادہ عبادت گزار ہے۔(2)

غرض تمام ہی علماء اصفیاء عرفاء نے آپ کی مدح سرائی کی ہے اور آپ کے فضل کا اقرار کیا ہے پس جو لوگ حضرت امام الائمہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اعتراض کرتے ہیں ان کے لیے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ اگر آپ کی ذاتِ اقدس اس قدر کامل، افضل، اعلم اور اتقٰی نہ ہوتی تو یہ عارفین کاملین اور ماہرین علم شریعت وطریقت کس طرح آپ کے جلالت علم، کمال تفقہ، زہد وورع اور فضیلت وشرف کا اقرار کرتے اور کیوں آپ کی قصیدہ خوانی کرتے اور آپ کی ذاتِ مقدسہ کو صد باعث افتخار سمجھتے اور آج تک آپ کی عظمت وجلالت کا اقرار پوری ملت اسلامیہ کو ہے۔ یقیناً آپ اپنے فضل وکمال میں منفرد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ نے آپ کی شان میں جو مدحیہ اشعار کہے اور ان میں جن خیالات کا اظہار کیا اس میں انہوں نے قطعاً مبالغہ نہیں کیا بلکہ فی الحقیقت وہ امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کی مدح کا حق ادا نہ کر پائے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے صحابہ (رضوان اللہ تعالٰی علیہم) سے روایت کی یا نہیں، تاریخ ابن خلکان

---

1 ...... ترجمہ کنز الایمان: ـ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔ پ ٦، المائدۃ: ٥٤.

2 ...... "الدر المختار" و"ردالمحتار"، المقدمۃ، مطلب: یجوز تقلید المفضول... إلخ، ج ١، ص ١٤٤، ١٤٦.

میں بروایت خطیب حضرت امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالی علیہ) کے پوتے کا بیان ہے کہ میں اسمٰعیل بن حماد بن النعمان بن ثابت بن النعمان بن المرزبان ابناء فارس سے ہوں اور احرار میں سے...... ہم کبھی غلام نہیں رہے۔ میرے جد محترم امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ثابت بن النعمان بن المرزبان حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت وہ (یعنی ثابت) صغیر السِّن تھے تو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ (یعنی ثابت) کے لئے دعائے خیر وبرکت دی اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا کی، ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں وہ دعا قبول فرمائی۔[1]

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور کچھ اور صحابہ (رضوان اللہ تعالی علیھم) کا زمانہ بھی پایا لیکن ان سے روایت نہیں کی اور ان کی رویت سے مشرف ہوئے، جن صحابہ کا زمانہ آپ نے پایا ان سے عدم سماع (یعنی روایت نہ کرنے) کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ابتداءً اس علم کی طرف متوجہ نہ تھے بلکہ اپنے کسبِ معاش میں مشغول رہتے تھے۔ جب حضرت علامہ شعبی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے آپ کی ذہانت وفطانت اور ذکاوت طبع کو دیکھا تو علامہ موصوف نے آپ کو علمِ دین کے حصول کی طرف متوجہ کیا اس وقت غالباً صحابہ کی وہ جماعت باقی نہ رہی ہوگی یا ان سے ملاقات نہ ہوسکی کہ آپ ان سے احادیث کا سماع کرتے۔[2] (ردالمحتار ۳۴ ج ۱)

سیدنا امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات بغداد کے جیل خانے میں ہوئی جس میں آپ کو خلیفہ منصور عباسی نے اس جرم میں قید کردیا تھا کہ آپ نے اس کے حکم کی خلاف ورزی کی اور عہدۂ قضاء قبول نہ فرمایا۔ روزانہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کو قید خانے سے باہر لایا جاتا، کوڑے لگائے جاتے، سربازار گشت کرایا جاتا۔ ایک دن آپ کو اتنا مارا گیا کہ کمر سے خون کے فوارے چھوٹ گئے اور سخت ترین اذیت پہنچائی گئی خورد ونوش بھی بند کردیا گیا۔ آپ (رحمۃ اللہ تعالی علیہ) نے بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائی جو قبول ہوئی اور اس کے پانچ دن بعد آپ کا وصال ہوگیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ منصور کی موجودگی میں آپ کو زہر کا پیالہ پینے کے لیے دیا گیا آپ نے انکار فرمایا کہ میں اپنے نفس کو خود قتل نہ کروں گا۔ پھر زبردستی آپ کے حلق میں انڈیل دیا گیا جب آپ کو اپنی موت کا یقین ہوگیا آپ نے نماز ادا فرمائی اور بحالتِ سجدہ آپ کا وصال ہوا۔[3] اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخوں غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را[4]

---

1 ...... "وفيات الأعيان"، أبو حنيفة (٧٦٥)، ج٤، ص٥٧٧.

2 ...... "الدر المختار" و "ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: فيما إختلف فيه من رواية...إلخ، ج١، ص١٤٧-١٥٣.

3 ...... المرجع السابق، مطلب: يجوز تقليد المفضول...إلخ، ج١، ص١٥٦-١٥٧.

4 ...... ترجمہ: ایک اچھی رسم کی بنیاد ڈال کر خاک وخون میں لتھڑ گئے، اللہ عزوجل ان عاشق بزرگ ہستیوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

آپ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی وفات ۱۵۰ھ میں عمر مبارک ۷۰ سال تھی۔ باقی آئمہ ثلاثہ کی تاریخ ولادت ووفات بالترتیب یہ ہے۔ حضرت سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۹۰ھ میں ہوئی اوروفات ۱۷۹ھ میں، نواسی سال عمر مبارک ہوئی۔ حضرت سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی اوروفات ۲۰۴ھ میں، چوّن۵۴ سال عمر مبارک پائی۔ سیدنا حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۶۴ھ میں ہوئی اوروفات ۲۴۱ھ میں، ستتر سال عمر مبارک ہوئی۔ [1]

امام صاحب اور آپ کے تلامذہ میں اختلاف کی وجہ:

سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور آپ کے اصحاب وتلامذہ کے مابین اختلاف کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک بار حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ایک راستہ سے گزر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ ایک کم سن بچہ کیچڑ میں کھیل رہا ہے آپ نے ازراہ تلطّف فرمایا: کہیں گر نہ جانا۔ اس بچہ نے برجستہ جواب دیا: آپ بچیۓ کہیں آپ پھسل کر گر نہ جائیں کیونکہ اگر آپ گریں گے تو عــالَم کے گرجانے کا اندیشہ ہے۔ کم سن بچہ کے اس معنی خیز جواب سے آپ متاثر ہوئے اور آپ نے اپنے اصحاب وتلامذہ سے فرمایا: اگر تمہیں مسائل شرعیہ میں میرے قول کے خلاف کوئی قوی دلیل ملے تو اسے اختیار کرلو۔ آپ کی اس ہدایت کے بعد آپ کے تلامذہ میں سے ہر ایک آپ ہی کی روایت سے مسائل اخذ کرتا تھا۔ [2] اس طرح آپ کے اصحاب کا کوئی قول ایسا نہیں ہے جو امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کے قول سے باہَر ہو۔ "ولو الجیہ" کتاب الجنایات میں ہے امام ابویوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: میں نے کوئی بات ایسی نہیں کہی جس میں، مَیں نے امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کی مخالفت کی ہو۔ میں نے وہی بات کہی جو آپ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) نے فرمائی تھی۔ حضرت امام زُفر علیہ الرحمہ سے بھی یہی منقول ہے کہ میں نے کبھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت نہیں کی مگر یہ کہ قولِ امام بیان کیا پھر آپ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) نے اس سے رجوع فرمایا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اصحابِ امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) آپ کے طریقہ کے خلاف نہیں گئے بلکہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ اجتہاد اور رائے اور قیاس سے کہا اور اسی قول کا اتباع کیا جو ان کے استاد نے فرمایا۔" [3]

"اَلْحَاوِیُ الْقُدْسِی" کے اواخر میں ہے: جب اصحاب امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) میں سے کسی کے قول کو اخذ کیا جائے تو یقین سے جان لینا چاہیے کہ ان کا یہ قول امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) ہی سے اخذ کیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ کے تمام اکابر تلامذہ سے یہی روایت ہے (جیسے امام ابویوسف، امام محمد، امام زُفر اور امام حسن رحمہم اللہ تعالٰی) کہ ہم نے کسی مسئلہ میں وہی قول کیا ہے

---

1 ......"ردالمحتار" المقدمۃ، مطلب: فی مولدالآئمۃ...إلخ، ج۱، ص۱۵۷.

2 ......"الدرالمختار"، المقدمۃ، ج۱، ص۱۵۸.

3 ......"ردالمحتار" المقدمۃ، مطلب: فی مولدالآئمۃ...إلخ، ج۱، ص۱۵۹.

جو ہم نے امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالی علیہ) سے روایت کیا ہے اور یہ بات انہوں نے بڑی یقین دہانی کے ساتھ بیان کی ہے لہٰذا فقہ میں کوئی مسئلہ اور مذہب، مذہب امام کے علاوہ نہیں ہے اور جس قول کی نسبت کسی دوسرے کی طرف ہے وہ مجازاً ہے اور ظاہر میں ہے فی الحقیقت وہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا قول ہی ہے۔[1] خصوصاً جب امام اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب کسی مسئلہ پر تمہیں اقوی دلیل مل جائے اسے اختیار کرلو۔ تو اگرچہ یہ الفاظ اپنے قول سے رجوع کرنا ثابت کرتے ہیں، تاہم چونکہ آپ کے اصحاب نے قوی دلیل سے مسئلہ کے علم کو انہیں اصول وقواعد سے ثابت کیا ہے جو آپ (رحمۃ اللہ تعالی علیہ) نے خود مقرر فرما دیئے ہیں اس لئے درحقیقت آپ کے اصحاب کا وہ قول بھی امام اعظم ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالی علیہ) کا قول ہی مانا جائے گا اور وہ مرجوع عنہ نہ ہوگا۔

علامہ بیری نے اپنی کتاب ''شرح الاشباہ'' میں بیان کیا ہے کہ کوئی حدیث ایسی ملے جو مذہب امام کے خلاف ہو تو حدیث ہی پر عمل کیا جائے اور یہی حدیث امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالی علیہ) کا مذہب ہے کیونکہ صحیح روایت سے آپ سے مروی ہے۔ ''اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِیْ'' حدیث اگر صحیح ہے تو یہی میرا مذہب ہے۔[2]

حضرت امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالی علیہ) سے اختلاف روایت کی وجوہات:

حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے اصحاب وتلامذہ نے ایک ہی مسئلہ میں آپ سے مختلف روایات بیان کی ہیں اور یہی ایک وجہ ان کے مابین مسائل میں اختلاف حکم کی ہے امام ابوبکر البلیغی اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ''درر'' میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالی علیہ) سے اختلاف روایت کئی وجوہات سے ہوسکتا ہے: **اوّل** یہ کہ سامع کو سننے میں غلطی ہوگئی ہو۔ **دوم** یہ کہ امام نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا ہو کسی نے یہ رجوع خود اپنے کانوں سے سن لیا اور کسی نے نہیں سنا تو اسے رجوع کا علم نہ ہوا۔ **سوم** یہ کہ امام نے ایک قول علی وجہ القیاس فرمایا اور دوسرا قول بروجہ استحسان فرمایا تو جس نے جو سنا روایت کردیا۔ **چہارم** یہ کہ کسی مسئلہ کے مختلف پہلو تھے آپ نے ایک پہلو سامنے رکھ کر ایک جواب دیا اور دوسرے پہلو کو مدنظر رکھ کر دوسرا جواب دے دیا، ان کے علاوہ بھی علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ ''شرح عقود رسم المفتی المنظوم'' میں کچھ اور صورتیں بھی اختلاف روایات کی وجوہ میں بیان فرمائی ہیں۔[3] (رسائل ابن عابدین شرح عقود رسم المفتی المنظوم ۲۳)

---

1 ......''الحاوی القدسی''، کتاب الحیل، فصل اذا إختلف الروایات...إلخ، ص ۱۸۱.

2 ......''ردالمحتار''، المقدمة، مطلب: صح عن الإمام أنه قال...إلخ، ج ۱، ص ۱۵۹، ۱۶۰.

3 ......''مجموعة رسائل ابن عابدین''، الرسالة الثانیة: شرح ''عقود رسم المفتی''، ج ۱، ص ۲۲.

آداب الافتاء:

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ مسائل شرعیہ اور کتب فقہیہ میں اس کا مطالعہ وسیع ہو، اُصولِ فقہ اور قواعدِ فقہیہ سے واقف ہو، اس کے ساتھ ساتھ قرآنی احکام، احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور تفسیر پر بھی اس کی نگاہ ہو، نیز استدلال اور روایت و درایت سے بھی اسے حصہ ملا ہو کیونکہ بغیر علم شریعت فتویٰ لکھنا سراسر جہالت ہے اس لئے ضروری ہے کہ مفتی کو یہ علم حاصل ہو کہ طبقاتِ مسائل کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں نیز طبقات الفقہاء کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں اس لئے سب سے پہلے ہم ان دونوں کو بیان کریں گے اس کے بعد آداب الافتاء پر روشنی ڈالیں گے۔

طبقات مسائل:

علماء احناف کے نزدیک مسائل تین طبقات پر ہیں۔

(۱) مسائل الاصول: ان کو ظاہر الروایۃ بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب المذہب سے مروی ہیں۔ یعنی سیدنا حضرت حسن بن زیاد رحمہ اللہ تعالی وغیرہ اور وہ حضرات جنہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ، سیدنا حضرت امام ابو یوسف، سیدنا امام محمد علیہم الرحمۃ والرضوان سے روایت کی، لیکن مشہور واغلب ظاہر الروایہ کے بارے میں یہ ہے کہ ظاہر الروایہ حضرت امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد علیہم الرحمہ کے اقوال ہی کو کہتے ہیں اور ظاہر الروایہ کا اطلاق جن کتابوں پر ہے وہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی یہ چھ کتابیں ہیں:

(۱) مبسوط (۲) جامع صغیر (۳) جامع کبیر (۴) زیادات (۵) سیر صغیر (۶) سیر کبیر۔ ان کو ظاہر الروایہ اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ کتابیں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ثقہ راویوں نے روایت کی ہیں اس لئے یہ آپ سے بہ تواتر ثابت یا مشہور ہیں۔[1]

(۲) مسائل نوادر:

یہ وہ مسائل ہیں جن کے راوی تو مذکورہ بالا اصحاب ہی ہیں لیکن یہ مسائل مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہیں ہیں جن کو ظاہر الروایہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے بلکہ یہ مسائل یا تو امام محمد علیہ الرحمہ کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں جیسے کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات اور رقیات۔ ان کتابوں کو غیر ظاہر الروایہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتابیں امام محمد علیہ الرحمۃ سے ایسی روایات صحیحہ ثابتہ اور ظاہرہ سے مروی نہیں ہیں جیسی کہ پہلی چھ کتابیں ہیں یا پھر وہ مسائل ان کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں میں مذکور ہیں جیسے حسن بن زیاد کی ''اَلْمُجَرَّد'' وغیرہا اور کتب الامالی جو حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی نے املاء کرائی تھیں۔[2]

---

1 ...... "ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: رسم المفتی، ج ۱، ص ۱۶۳.

2 ...... المرجع السابق.

(۳) الواقعات:

طبقاتِ مسائل کی یہ تیسری قسم ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کو بعد کے مجتہدین نے مرتب و مولف فرمایا(1) جو کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے تلامذہ یا ان کے تلامذہ کے تلامذہ ہیں ان کی بہت بڑی تعداد ہے صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد) کے تلامذہ میں عصام بن یوسف، ابن رستم، محمد بن سماعۃ، ابوسلیمان جرجانی، ابوحفص البخاری وغیرہم ہیں اور ان کے بعد کا گروہ محمد بن مسلمہ، محمد بن مقاتل، نصیر بن یحییٰ، ابوالنصر القاسم بن سلام وغیرہم پر مشتمل ہے کبھی ایسا ہوا ہے کہ ان حضرات نے اپنے قوی دلائل واسباب کی بناء پر اصحابِ مذہب کے خلاف کسی مسئلہ کو ثابت کیا ہے ان کے فتاویٰ میں جو کتاب سب سے پہلے منظرِ عام پر آئی وہ کتاب **النوازل** ہے جو فقیہ ابواللیث سمرقندی کی ہے ان کے بعد دیگر فقہاء نے بہت سے مجموعے مرتب فرمائے جیسے **مجموع النوازل**، **واقعات الناطفی** اور **واقعات صدر الشہید** وغیرہا۔ پھر بعد کے فقہاء نے ان کے مسائل کو مخلوط وغیر متمیز طور پر بیان فرمایا جیسا کہ "**فتاویٰ قاضی خان**" اور "**الخلاصہ**" وغیرہما میں ہیں اور بعض فقہاء نے ان کو ترتیب وتمیز کے ساتھ بیان فرمایا جیسے رضی الدین السرخی کی کتاب "**المحیط**" انہوں نے اس کی ترتیب میں اولاً مسائل الاصول بیان فرمائے پھر نوادر پھر فتاویٰ کو ذکر کیا۔ یہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مسائل اصول میں الحاکم الشہید کی تصنیف کتاب "**الکافی**" نقلِ مذہب میں بڑی معتمد کتاب ہے اس کو قبولِ عام حاصل ہوا اور بڑے بڑے اکابر علماء، فقہاء نے اس کی شرحیں لکھیں جیسے امام شمس الائمہ السرخسی کی "**مبسوط سرخسی**" اس کے بارے میں علامہ طرسوسی کا بیان ہے کہ "مبسوط سرخسی" کا مقام یہ ہے کہ اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اس کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے اور اس کے خلاف پر عمل نہیں کیا جاتا۔ کتب مذہب میں ایک اور کتاب "**اَلْمُنتَقٰی**" بھی ہے یہ بھی انہیں کی ہے لیکن اس کا وہ مقام نہیں، اس میں کچھ نوادر بھی ہیں "**المبسوط**" جو حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی گئی ہے اس کے متعدد نسخے ہیں ان میں سب سے بہتر وہ نسخہ ہے جو ابوسلیمان جوزجانی سے مروی ہے متاخرین علماء فقہ نے مبسوط کی بہت سی شروح لکھی ہیں۔(2)

امام محمد علیہ الرحمہ کی ہر وہ تصنیف جس میں لفظ صغیر لگا ہوا ہے اس میں وہ مسائل ہیں جن کی روایت حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان سے آپ کے شاگرد امام محمد نے بواسطہ حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن جن مسائل کی روایت امام محمد (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے بلا واسطہ اور براہِ راست حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان سے کی ان کے ساتھ "کبیر" کا لفظ لگایا گیا۔(3)

اسی طرح نوادر ان مسائل کے لئے استعمال کیا گیا جن کی روایت امام محمد علیہ الرحمۃ نے ان مذکورہ چھ۶ کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں میں امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ سے کی ان کو "**الکیسانیات**"، "**الھارونیات**"، "**الجرجانیات**"

---

1 ......یعنی استنباط کیا۔

2 ......"ردالمحتار"، المقدمۃ، مطلب: رسم المفتی، ج۱، ص۱۶۴-۱۶۶.

3 ......المرجع السابق، ص۱۶۷.

اور ''الرقیات'' سے موسوم کیا[1] اور نوازل ان مجموعہ مسائل کو کہا گیا ہے جن مسائل کو مشائخ مجتہدین مذہب سے دریافت کیا گیا اور انہوں نے ان مسائل میں کوئی نص نہ پائی اور اپنے اجتہاد سے ان مسائل کی تخریج کی اور ان کے احکام بیان فرمائے۔[2]

صاحب البحر نے فرمایا: محمد بن الحسن کی ہر وہ تصنیف جس میں لفظ '' صغیر'' لگا ہوا ہے اس میں امام محمد اور امام ابو یوسف (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما) متفق ہیں بخلاف اس تصنیف کے جس میں لفظ ''کبیر'' لگا ہوا ہے وہ امام ابو یوسف (علیہ الرحمہ) پر پیش نہیں کی گئی۔[3] (مبحث التشھد)

(امام محمد علیہ الرحمۃ کی) کتاب ''اصل'' کا نام اس لئے اصل رکھا گیا کہ امام محمد علیہ الرحمہ نے اسے سب سے پہلے تصنیف فرمایا اس کے بعد ''الجامع الصغیر'' پھر ''الجامع الکبیر''،[4] صاحب البحر نے فرمایا کہ '' الجامع الصغیر'' کو امام محمد علیہ الرحمۃ نے ''اصل'' کے بعد تصنیف فرمایا اس میں جو کچھ ہے وہ معتمد علیہ ہے۔[5] (باب الصلوۃ)

کتاب الجامع الصغیر کی وجہ تصنیف:

اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ ہے کہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے امام محمد علیہ الرحمہ سے فرمایا کہ تم میرے لئے وہ تمام روایات ایک کتاب میں جمع کردو جو تم نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کی ہیں۔ اس حکم کی تعمیل میں حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے وہ تمام مرویات ایک جگہ جمع فرما دیں اور ان کو حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے سامنے پیش کیا جن کو انہوں نے بے حد پسند فرمایا یہ کتاب (یعنی الجامع الصغیر) ۱۵۳۲ پندرہ سو بتیس مسائل پر مشتمل ایک مبارک کتاب ہے، بقول علامہ بزدوی: امام ابو یوسف (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اپنے جلالت علم وعظمت کے باوجود اس کتاب کو ہمیشہ سفر وحضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ علی الرازی فرماتے ہیں: جس شخص نے اس کتاب کو سمجھ لیا وہ ہمارے تمام ساتھیوں میں سب سے زیادہ صاحبِ فہم مانا جاتا ہے۔ اس دور میں کسی شخص کو اس وقت تک قاضی نہیں بنایا جاتا جب تک اسے پرکھ نہ لیا جائے کہ وہ الجامع الصغیر کو سمجھتا ہے اور پڑھتا ہے۔[6]

وجہ تصنیف ''السیر الکبیر'':

امام شمس الائمہ سرخسی ''السیر الکبیر'' کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ''السیر الکبیر'' امام محمد علیہ الرحمہ کی آخری تصنیف ہے

1 ...... ''مجموعة رسائل ابن عابدين''، الرسالة الثانية: شرح ''عقود رسم المفتي''، ج۱، ص۱۶، ۱۷.

2 ...... ''ردالمحتار''، المقدمة، مطلب: رسم المفتي، ج۱، ص۱۶۴.

3 ...... ''البحرالرائق''، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج۱، ص۵۷۹.

4 ...... ''النهرالفائق''، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ج۱، ص۳۶۶.

5 ...... ''البحرالرائق''، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ج۲، ص۲۷۶.

6 ...... ''مجموعة رسائل ابن عابدين''، الرسالة الثانية: شرح ''عقود رسم المفتي''، ج۱، ص۱۹.

اس کی وجہِ تصنیف یہ تھی کہ آپ کی کتاب "السیر الصغیر" اہل شام کے ایک جلیل القدر عالم حضرت عبدالرحمٰن بن عَمْرٌو الاوزاعی کے پاس پہنچی۔ انہوں نے پوچھا یہ کس کی تصنیف ہے بتایا گیا کہ امام محمد بن الحسن عراقی کی برجستہ ان کی زبان سے نکلا "اہلِ عراق کو اس موضوع میں تصنیف سے کیا لگاؤ وہ علم السیر اور مغازی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو کیا جانیں کیونکہ غزوات زیادہ تر شام میں ہوئے۔ غزوات کا علم وہاں کے لوگوں کو زیادہ ہے اور حجاز کے لوگوں کو، نہ کہ عراق والوں کو۔ امام اوزاعی کی یہ بات جب امام محمد علیہ الرحمۃ کو پہنچی آپ کو بہت شاق گزری اور اس کا عملی جواب دینے کے لئے "السیر الکبیر" تصنیف فرمائی۔ آپ کی یہ کتاب جب عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی نے مطالعہ فرمائی تو وہ حیرت زدہ رہ گئے اور فرمایا: اگر اس کتاب میں احادیث صحیحہ نہ ہوتیں تو میں کہہ دیتا کہ وہ من گھڑت علم سے کام لیتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی رائے کو صحیح جواب کے لئے متعین فرمایا ہے۔ اللہ رب العزت نے صحیح فرمایا ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝٧٦﴾ [1] اس کتاب کو تصنیف فرمانے کے بعد حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے اس کو ساٹھ جلدوں (دفتروں) میں لکھوایا اور اس کو خلیفہ وقت کے دربار میں بھجوایا۔ خلیفہ وقت نے اسے بے حد پسند کیا اور اس کو اپنے زمانہ حکومت کا عظیم اور قابلِ فخر کارنامہ قرار دیا۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ج ۱) [2]

طبقات الفقہاء

ایک مفتی کے لئے جس طرح طبقات المسائل اور معتبر و مستند کتب فقہیہ اور فتاویٰ کا علم ہونا ضروری ہے اسی طرح اس کے علم میں یہ بات بھی ہونی چاہئے کہ طبقات الفقہاء کتنے ہیں اور کس فقیہ کا درجہ کیا ہے تاکہ اسے یہ معلوم ہو سکے کہ کس فقیہ کا قول معتبر اور قابلِ اِستناد ہے اور کون درجہ اعتبار میں نہیں اس لئے ہم طبقات الفقہاء کا بیان کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔ علمائے ماہرین فقہ و شریعت نے فقہاء کے سات طبقات بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ طَبَقَةُ الْمُجْتَهِدِينَ فِي الشَّرْعِ:

جیسے ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم) اور وہ لوگ جو قواعد اصول کی تاسیس میں نیز اَدِلّہ اربعہ (قرآن پاک، احادیث، قیاس اور اجماع) سے احکام فرعیہ کے استنباط میں اصول و فروع میں بغیر کسی اور کی تقلید کے ان ہی ائمہ اربعہ کے مسلک پر ہی رہے۔ [3]

---

1 ......پ ۱۳، یوسف: ۷٦.

2 ......"مجموعة رسائل ابن عابدين"، الرسالة الثانية: شرح "عقود رسم المفتي"، ج ۱، ص ۱۹، ۲۰.

3 ......المرجع السابق، ص ۱۱.

۲۔ طَبَقَةُ الْمُجْتَهِدِيْنَ فِي الْمَذْهَب:

جیسے امام ابو یوسف، امام محمد اور جملہ تلامذہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم ، یہ حضرات اس امر کی قدرت رکھتے تھے کہ ادلہ اربعہ سے اپنے استاد حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متخرجہ قواعد واُصول کے مطابق احکام شرعیہ کا استخراج کرسکیں۔ [1]

۳۔ طَبَقَةُ الْمُجْتَهِدِيْنَ فِي الْمَسَائِل:

یہ وہ حضرات ہیں جو ایسے مسائل کا استنباط جن کے بارے میں کوئی روایت صاحب المذہب سے نہیں ملتی اپنے آئمہ کرام کے مقرر کردہ قواعد واُصول کے مطابق کرتے ہیں جیسے علامہ خصاف رحمۃ اللہ تعالی علیہ متوفی ۲۶۱ھ، علامہ ابوجعفر الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ، حضرت ابوالحسن الکرخی متوفی ۳۴۰ھ، حضرت شمس الائمہ الحلوانی متوفی ۴۵۶ھ، حضرت شمس الائمہ السرخسی متوفی ۵۰۰ھ، حضرت فخر الاسلام بزدوی متوفی ۴۸۲ھ، علامہ فخر الدین قاضی خان متوفی ۵۹۳ھ وغیرہم ، یہ حضرات نہ اصول میں نہ فروع میں کسی میں بھی اپنے امام کی مخالفت نہیں کرسکتے۔ [2]

۴۔ طَبَقَةُ اَصْحَابِ التَّخْرِيْجِ مِنَ الْمُقَلِّدِيْنَ:

جیسے امام رازی متوفی ۳۷۰ھ وغیرہ یہ حضرات اجتہاد پر بالکل قادر نہیں لیکن چونکہ یہ جملہ قواعد واُصول کا پورا علم اور مسائل وقواعد کے ماخذ سے پوری واقفیت رکھتے تھے اس لئے ان میں یہ صلاحیت تھی کہ ایسے اُمور کی تفصیل بیان کردیں جہاں امام مذہب سے ایسا قول مروی ہو جو مجمل ہے اور اس میں دو۲ صورتیں نکل رہی ہوں یا کوئی ایسا قول جو دو چیزوں کا محتمل ہے اور وہ صاحب مذہب سے یا ان کے تلامذۂ مجتہدین میں سے کسی ایک سے مروی ہے اس کی تشریح وتفصیل اُصول وقیاس اور امثال و نظائر کی روشنی میں بیان کردیں صاحبِ ہدایہ نے جہاں کہیں کہا ہے کذا فی تخریج الکرخی یا کذا فی تخریج الرازی ، اس کا یہی مطلب ہے جو ابھی بیان کیا گیا ہے۔ [3]

۵۔ طَبَقَةُ اَصْحَابِ التَّرْجِيْحِ مِنَ الْمُقَلِّدِيْنَ:

جیسے ابوالحسن قدوری متوفی ۴۲۸ھ، صاحب الہدایہ متوفی ۵۹۳ھ وغیرہما۔ ان کا مقام یہ ہے کہ یہ حضرات بعض روایات کو بعض پر تفصیل دینے کی اہلیت رکھتے تھے جیسے وہ کسی روایت کی تفصیل میں فرماتے ہیں: ھذا أولٰی یا ھذا أصح یا ھذا أوضح یا ھذا أوفق للقیاس وغیرھا۔ [4]

---

1. ......"مجموعة رسائل ابن عابدين"، الرسالة الثانية: شرح "عقود رسم المفتي"، ج ۱، ص ۱۱.
2. ......المرجع السابق، ص ۱۲.
3. ......المرجع السابق، ص ۱۲.
4. ......المرجع السابق.

۶۔ طَبَقَةُ الْمُقَلِّدِيْنَ الْقَادِرِيْنَ عَلَى التَّمْيِيْزِ:

جیسے صاحب کنز، صاحب المختار، صاحب الوقایہ، اور صاحب المجمع اور اصحاب المتون المعتبرة۔ ان کا درجہ یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی کتابوں میں ضعیف و مردود اقوال بیان نہیں کرتے اور روایات میں قوی، اقویٰ، ضعیف، ظاہر الروایۃ، ظاہر المذہب اور روایت نادرہ میں امتیاز و تمیز کرنے کے اہل ہیں۔[1]

۷۔ طَبَقَةُ الْمُقَلِّدِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلَى مَا ذُكِرَ:

یہ حضرات کھرے کھوٹے، کمزور و قوی اور دائیں بائیں میں امتیاز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ انہیں جہاں سے بھی جو کچھ مواد مل جاتا ہے اسے جمع کرتے ہیں اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں یہ لوگ ہرگز ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی تقلید کی جائے یا ان سے مسائل میں رجوع کیا جائے۔[2] (شرح عقود رسم المفتی المنظوم لابن عابدین ۱۱، ردالمحتار ۵۱۔۵۲ ج۱)

تنبیہ:

۱۔ احکام شریعت کا علم حاصل کرنے کے لئے افتاء ایک لازمی اور ضروری امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾[3] اگر تم نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں یعنی اہل علم سے پوچھ لو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک طبقہ ملت کا ایسا ہوگا جسے علمِ دین پر عبور حاصل نہ ہوگا اور ایک طبقہ ایسا ہوگا جو صاحبِ علم و فضل ہوگا اور اسے علمِ دین میں بصیرت حاصل ہوگی چونکہ ہر مسلمان کے لئے وہی راستہ اختیار کرنا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسندیدہ راستہ ہے اس لئے ہر شخص کو اپنا ہر عمل اسلام کے احکام کے مطابق رکھنا چاہیے اور اگر کسی کو کسی معاملہ میں شریعت کا حکم معلوم نہیں ہے تو اسے اہلِ علم کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور ان سے سوال کر کے حکم شرعی معلوم کرنا چاہئے اسی اُصول کے مطابق زمانہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے آج تک مسلمانوں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ اگر انہیں کسی چیز کے جواز یا عدم جواز کا علم نہیں ہے تو انہوں نے بلا تأمل اہل علم سے اس کا حکمِ شرعی معلوم کر لیا ہے ہر زمانہ میں لوگ علمائے شریعت کی طرف مسائل شرعیہ کا علم حاصل کرنے کے لئے رجوع کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ دارالافتاء کا قیام عمل میں آیا اور اب وہ یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ مفتی کون ہے۔

صاحب فتح القدیر شارح ہدایہ فرماتے ہیں: ''اصولیین مضبوطی کے ساتھ یہ رائے رکھتے ہیں کہ مفتی کا درجہ صرف مجتہد

---

1 ...... "مجموعة رسائل ابن عابدين"، الرسالة الثانية: شرح "عقود رسم المفتي"، ج۱، ص۱۲.

2 ...... المرجع السابق.

و "ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: في طبقات الفقهاء، ج۱، ص۱۸۱۔۱۸۴.

3 ...... پ ۱۷، الانبياء: ۷.

کو حاصل ہوتا ہے۔ جو شخص خود مجتہد نہیں ہے لیکن اسے مجتہد کے اقوال زبانی یاد ہیں وہ مفتی نہیں ہے اس سے جب مسئلہ دریافت کیا جائے تو اسے بطورِ نقل وحکایت کسی مجتہد کا قول جواب میں بتانا چاہیے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمارے زمانے میں (یعنی زمانہ مصنف فتح القدیر میں) جو علماء فتویٰ دیتے ہیں حقیقت میں وہ فتویٰ نہیں ہے بلکہ اصل میں کسی مجتہد مفتی کا قول ہے جو نقل کردیا گیا ہے تا کہ مُستفتی اس پر عمل کرے۔ مجتہد سے اس کا قول نقل کرنے کے دو طریقے ہیں اول یہ کہ یا تو وہ قول اس کے پاس کسی صحیح سند سے پہنچا ہو۔ دوم یہ کہ اس نے مجتہد کا وہ قول کسی ایسی مشہور کتاب سے لیا ہو جو دیگر علماء کے ہاتھوں میں رہتی ہو جیسے امام محمد بن الحسن رحمة الله تعالى عليه کی کتابیں اور ایسے ہی دوسری کتب فقہیہ جو اپنی روایت واسناد کے اعتبار سے خبر متواتر یا خبر مشہور کے درجہ میں ہیں۔[1] (ردالمحتار ۷،۴ج۱)

۲۔ آداب الافتاء کے سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ علمائے احناف روایات ظاہرہ میں جن مسائل پر متفق ہیں فتویٰ یقیناً انہیں پر ہوگا لیکن اگر روایات ظاہرہ میں ہمارے علماء کا اتفاق نہیں ہے تو واضح یہ ہے کہ فتویٰ علی الاطلاق امام اعظم علیہ الرحمہ کے قول پر ہوگا لیکن اگر حضرت امام اعظم رحمة اللّٰه تعالى عليه سے اس مسئلہ میں کوئی روایت نہ ملے تو پھر فتویٰ امام ابو یوسف رحمة الله عليه کے قول پر دیا جائے گا اور اگر ان سے بھی کوئی قول نہ ملے تو پھر فتویٰ حضرت امام محمد رحمة الله تعالى عليه کے قول پر دیا جائے۔[2]

''سراجیہ'' میں ہے: ایک قول یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ (رحمة اللّٰه عليه) ایک جانب اور آپ کے صاحبین دوسری جانب ہوں تو مفتی کو اختیار ہے کہ وہ جس قول کو چاہے اختیار کرے اور اگر مفتی مجتہد نہ ہو تو اول قول اصح ہے۔[3]

ان تینوں کے بعد پھر امام زُفر رحمة اللّٰه تعالى عليه کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا اور پھر امام حسن بن زیاد کے قول پر[4] (درمختار) اور ''الحاوی القدسی'' میں اس امر کی تصحیح فرمائی ہے کہ اگر ان میں سے کسی کے قول کی تائید میں قوۃ مدرکہ یعنی قوی دلیل موجود ہے تو ایسی صورت میں وہ قول اختیار کیا جائے ورنہ یہی ترتیب قائم رکھی جائے گی۔[5] اسی وجہ سے علمائے احناف کبھی کبھی حضرت امام اعظم رحمة اللّٰه تعالى عليه کے بعض اصحاب کے قول کو ترجیح دیتے ہیں جبکہ اس کی تائید میں دلیل قوی موجود ہو جیسے کہ سترہ ۱۷ مسائل[6] میں علماء نے امام زُفر رحمة اللّٰه تعالى عليه کے قول کو ترجیح دی ہے لہٰذا وہ ہمارے لئے بھی قابل ترجیح ہیں کیونکہ وہ دلیل

---

1. ......"ردالمحتار"، المقدمة، مطلب : رسم المفتي ، ج ۱، ص ۱٦۲.
   و"فتح القدير"، كتاب أدب القاضي، ج٦، ص ۳٦۰.
2. ......"الدرالمختار"، المقدمة ، ج۱، ص۱٦۲-۱٦۹.
3. ......"الفتاوى السراجية"، كتاب أدب المفتي والتنبيه على الجواب، ص۱۵۷.
   تفصیلات کے لیے ''فتاوی رضویہ'' (مُخرّجہ)، ج۱، حصہ الف، ص۱۰۵ تا ۱۰۸ ملاحظہ فرمالیں۔
4. ......"الدرالمختار"، المقدمة ، ج۱، ص۱٦۹.
5. ......"الحاوي القدسي"، كتاب الحيل، فصل إذا اختلف الروايات... إلخ، ص۱۸۱.
   و"مجموعة رسائل ابن عابدين"، الرسالة الثانية: شرح "عقود رسم المفتي"، ج۱، ص۲٦.
6. ......یہاں ۱۷ مسائل کا ذکر ہے جبکہ علامہ شامی رحمة اللّٰه تعالى عليه نے ردالمحتار، ج۵، ص۳۳۸، میں ۲۰ ایسے مسائل کی صراحت ذکر کی ہے جہاں امام زفر رحمة الله تعالى عليه کے قول پر فتوی ہے۔... **علمیہ**

میں گہری نظر رکھتے ہیں۔[1] (مجموعہ رسائل ابن عابدین)

۳۔ جب امام اعظم رحمۃاللہ تعالٰی علیہ سے کسی مسئلہ میں روایات مختلف ہوں یا اس مسئلہ میں آپ سے یا آپ کے اصحاب سے کوئی روایت نہ ملے تو پہلی صورت میں جو روایت حجت و دلیل کے اعتبار سے اقوی ہو اُسے اختیار کیا جائے اور دوسری صورت میں یعنی جبکہ امام اعظم اور آپ کے اصحاب سے اس مسئلہ میں کوئی روایت ہی موجود نہ ہو دیکھے کہ متاخرین کا اس میں کیا قول ہے اگر متاخرین ایک ہی قول پر متفق ہیں تو اس قول کو اختیار کرے اور اگر متاخرین میں اختلاف ہے تو جس قول پر اکثر ہیں، پھر اسے اختیار کرے جس پر کہ مشہور اکابرین نے اعتماد کیا ہو جیسے امام ابو حفص، امام ابو جعفر، ابو اللیث اور امام طحاوی وغیرہم، اگر مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر کوئی نص نہیں ملتی، نہ قولِ مجتہد، نہ اقوال متاخرین، تو پھر مفتی خود ہی اس پر علم شریعت کی روشنی میں غور وفکر کرے اور تدبّر سے کام لے اور حتی الوسع کوشش کرے کہ اس کا حکم نکل آئے تا کہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو۔ لیکن جزاف یعنی اٹکل اور بے تکی باتوں سے کام نہ لے،[2] اللہ (عزوجل) سے ڈرتا رہے اور گہرا غور وفکر کرے کیونکہ یہ نہایت عظیم ذمہ داری ہے اس میں جزاف کی جسارت وہی کرسکتا ہے جو جاہل اور بد بخت ہے[3] (ردالمحتار ۴۸ ج ۱)

فائدہ:

علامہ شامی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: ''علماء کرام نے بیان فرمایا ہے عبادات کے مسائل میں فتویٰ مطلقاً قول امام اعظم پر ہے۔ مسائل ذوی الارحام میں فتویٰ قول امام محمد پر ہے اور مسائل قضا میں فتویٰ قول امام ابو یوسف پر ہے جیسا کہ ''قنیہ'' اور ''بزازیہ'' میں مذکور ہے اور ''شرح بیری'' میں مزید یہ ہے کہ مسائل شہادت میں بھی فتویٰ قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ پر ہے اور صرف سترہ ۱۷ مسائل[4] میں فتویٰ قول امام زفر پر ہے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔[5]

۴۔ جب کسی مسئلہ میں قیاس ہو اور استحسان ہو تو معدودے چند مسائل کو چھوڑ کر عمل استحسان پر ہوگا۔

۵۔ جب کوئی مسئلہ ظاہر الروایۃ میں مذکور نہ ہو بلکہ کسی دوسری روایت سے ثابت ہو تو اس کا حوالہ دینا چاہیے۔

۶۔ حضرت امام نسفی (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) نے ''مُستَصفٰی'' میں بیان فرمایا ہے جب فقہاء کسی مسئلہ میں تین اقوال بیان فرمائیں تو ان میں راجح قول اول ہے یا قول آخر، درمیانی قول راجح نہ ہوگا ''شرح المنیہ'' میں ہے کہ اگر روایت درایت کے مطابق ہے تو اس سے عدول نہ کیا جائے۔[6] (ردالمحتار ۴۹)

---

1. ...... "مجموعة رسائل ابن عابدين"، الرسالة الثانية: شرح "عقود رسم المفتي"، ج۱، ص ۲۸.
2. ...... بہارِ شریعت میں اس مقام پر ''بے تکی باتوں سے کام لے'' لکھا ہوا تھا، جو واضح کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے اسی وجہ سے ہم نے متن میں تصحیح کردی ہے۔... علمیہ
3. ...... "ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: إذا تعارض التصحيح، ج۱، ص ۱۷۰.
4. ...... اس کی وضاحت کے لئے گزشتہ صفحہ کا حاشیہ نمبر ۶ ملاحظہ فرمائیں۔... علمیہ
5. ...... "ردالمحتار"، المرجع السابق، ص ۱۷۰، ۱۷۱.
6. ...... المرجع السابق، ص ۱۷۱.

۷۔ ''بحر'' کے باب الوقف میں ہے جب مسئلہ میں دو قول ہوں اور دونوں صحیح ہوں تو ان میں سے کسی بھی ایک کو افتاء وقضاء کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے[1] بشرطیکہ دونوں قول برابر حیثیت کے ہوں لیکن اگر ایک قول لفظ تصحیح سے موکد ہو[2] تو اسے اختیار کیا جائے۔[3]

۸۔ جب فتویٰ ایک قول پر ہو اور تصحیح دوسرے قول کی تو اولیٰ یہ ہے کہ وہ قول اختیار کیا جائے جو متون کے موافق ہو۔[4] (بحر) اور اگر ایک قول شروح میں ہے اور اس کے خلاف دوسرا قول فتاویٰ میں تو وہ قول اختیار کیا جائے جو شروح میں ہے کیونکہ فقہائے کرام کی تصریح ہے کہ متون مقدم ہیں (شروح پر اور شروح مقدم ہیں)[5] فتاوی پر، یہ صورت اسی وقت اختیار کی جائے گی جب ان دونوں اقوال میں سے ہر ایک کی تصحیح کی گئی ہو یا دونوں میں سے کسی کی بھی تصحیح منقول نہ ہو لیکن اگر مسئلہ متون میں ہے (اور اس کی تصحیح بالتصریح نہیں کی گئی بلکہ اس کے مقابل)[6] کی تصحیح بالتصریح کی گئی ہے تو وہی مسئلہ اختیار کیا جائے جس کی تصحیح بالتصریح کی گئی ہے کیونکہ تصحیح بالتصریح تصریح التزامی پر مقدم ہے اگرچہ متون میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ وہ مذہب صحیح ہی بیان کریں گے تاہم یہ تصحیح سے کم تر درجہ ہے اور اگر ایک مسئلہ میں دو قول ہیں اور دونوں کی تصحیح کی گئی ہے تو اگر ان میں سے ایک قولِ امام ہے اور دوسرا قول کسی اور مجتہد کا، تو مفتی کو قولِ امام ہی اختیار کرنا چاہئے اس لئے کہ دونوں تصحیح متعارض ہو کر ساقط ہو جائیں گی پھر اصل کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اصل یہ ہے کہ قولِ امام مقدم ہے۔[7] (ردالمحتار ۴۹)

۹۔ وہ الفاظ جو فقہائے کرام فتویٰ دینے میں استعمال فرماتے ہیں:

(۱) وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى (۲) وَبِهٖ يُفْتٰى (۳) وبِهٖ نَأْخُذُ (۴) وَعَلَيْهِ الاِعْتِمَادُ (۵) وَعَلَيْهِ عَمَلُ الْيَوْمِ اَیْ عَلَيْهِ عَمَلُ النَّاسِ فِیْ هٰذَا الزَّمَانِ الْحَاضِرِ (۶) عَلَيْهِ عَمَلُ الأُمَّةِ (۷) وَهُوَ الصَّحِيْحُ (۸) وَهُوَ الاصَحُّ (۹) وَهُوَ الاظْهَرُ (۱۰) وَهُوَ الاَشْبَهُ بِالْمَنْصُوْصِ رِوَايَةً وَالرَّاجِحُ دِرَايَةً فَيَكُوْنُ عَلَيْهِ الْفَتْوٰى (۱۱) وَهُوَ الأَوْجَهُ (۱۲) وَهُوَ الْمُخْتَارُ (۱۳) وَبِهٖ جَرَى الْعُرْفُ

---

1. ...... " البحر الرائق"، كتاب الوقف، ج۵، ص۳۳۷.
2. ...... یعنی دونوں قول صحیح ہوں لیکن ایک قول اصح (زیادہ صحیح) ہو۔
3. ...... "الدرالمختار" و "ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: إذا تعارض التصحيح، ج۱، ص۱۷۱.
4. ...... "البحر الرائق"، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ج۲، ص۱۵۲.
5. ...... بہارِ شریعت میں اس مقام پر " متون مقدم ہیں فتاوی پر" لکھا ہوا ہے، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اصل عبارت اس طرح ہے (متون مقدم ہیں شروح پر اور شروح مقدم ہیں فتاوی پر) اسی وجہ سے بریکٹ میں اس کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔... **علمیہ**
6. ...... بہارِ شریعت میں اس مقام پر (اور اس کی تصحیح بالتصریح نہیں کی گئی بلکہ اس کے مقابل)، لکھنے سے رہ گیا تھا جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، لہٰذا بریکٹ میں اس کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔... **علمیہ**
7. ...... "ردالمحتار"، المقدمة، مطلب : اذا تعارض التصحيح، ج ۱، ص ۱۷۱.

(۱۴) وَهُوَ الْمُتَعَارِفُ (۱۵) وَبِهِ اَخَذَ عُلَمَاءُ نَا۔

مندرجہ بالا الفاظ سے بقول صاحب الفتاویٰ الخیریہ للشیخ الرَّمْلِی: بعض الفاظ بعض پر فضیلت رکھتے ہیں مثلاً لفظ فتویٰ زیادہ موکد و جاندار ہے، لفظ صَحِیح، أَصَحُّ اور اَشْبَهُ وغیرھا سے اور لفظ وَبِهِ یُفْتٰی زیادہ موکد وباوَزْن ہے لفظ "اَلْفَتْوٰی عَلَیْهِ" سے اور لفظ اَصَحُّ، صحیح کے مقابلہ میں زیادہ قوت والا ہے اور اَلاحْوَطُ زیادہ موکد ہے اَلاِحْتِیَاطُ سے۔[1] (ردالمحتار ۵۰ ج ۱)

۱۰۔ اگر ائمہ ترجیح میں سے دو اماموں کے اقوال متعارض ہوں ایک نے اپنے قول کو "هُوَالصَّحِیْحُ" سے تعبیر کیا اور دوسرے نے اپنے قول کو "هُوَ الأَصَحُّ" سے۔ اس صورت میں "هُوَالصَّحِیْحُ" والے قول کو اختیار کرنا بہتر ہے کیونکہ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ صحیح پر دونوں متفق ہیں اور أصح میں اختلاف ہے تو متفق قول کو اختیار کرنا بہتر ہے۔[2]

۱۱۔ صاحب درمختار نے "رساله آداب المفتی" سے نقل فرمایا کہ "جب کوئی قول یا روایت کسی معتبر کتاب میں أَصَحُّ، اَوْلٰی، اَوْفَقُ اور اسی قسم کے کسی لفظ سے مخصوص کی جائے تو مفتی کے لئے جائز ہے کہ وہ اس قول یا روایت کو اختیار کرے یا اس کے مقابل قول کو، لیکن اگر وہ قول یا روایت صحیح یا الماخوذ به یا بِهٖ یفتٰی سے مزین ہے تو مفتی کے لئے ضروری ہے کہ اسی قول کو اختیار کرے، مخالف قول کو اختیار کرنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں صحت اسی قول میں محصور ہے اور پہلی صورت میں جبکہ کسی روایت یا قول کو أَصَحُّ کہا تو اس کا مطلب ہے کہ مخالف قول بھی صحیح ہے اس لئے مفتی کو اختیار ہے کہ وہ أَصح پر فتوی دے یا صحیح پر۔[3]

۱۲۔ علامہ علاء الدین الحصکفی مؤلف درمختار شیخ قاسم کی کتاب "اَلتَّصْحِیْحُ وَالتَّرْجِیْحُ" کے حوالہ سے بیان فرماتے ہیں کہ مفتی اور قاضی میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ مفتی احکام شریعت بیان کرتا ہے اور قاضی احکامِ شریعت کو لازم و نافذ کرتا ہے اور یہ کہ قولِ مرجوح پر فتویٰ دینا سخت جہالت ہے اور خلافِ اجماع ہے اور یہ کہ حکم ملفق (یعنی باطل سے مزین) بِالاُجماع باطل ہے اور یہ کہ عمل کرنے کے بعد تقلید سے رجوع کرنا بالاتفاق باطل ہے۔[4]

۱۳۔ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس فقیہ کے قول کے مطابق فتویٰ دے رہا ہے اس سے کَمَاحَقُّهٗ واقف ہو کہ اس فقیہ کا روایت و درایت میں کیا درجہ اور مقام ہے اور وہ طبقاتِ فقہاء میں سے کس طبقہ سے ہے تاکہ وہ اقوالِ مختلفہ میں سے کسی قول کو علم و بصیرت کی روشنی میں ترجیح دے سکے۔[5] (ردالمحتار ۵۱ ج ۱)

---

1 ......"الدرالمختار" و "ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: إذا تعارض التصحيح، ج ۱، ص ۱۷۲.
و "الفتاوى الخيرية"، مسائل شتّى، الجزء الثاني، ص ۲۳۱.

2 ......"الدرالمختار"، المقدمة، ج ۱، ص ۱۷٤.

3 ......المرجع السابق. 4 ......المرجع السابق، ص ۱۷۵۔۱۷۶.

5 ......"ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: في طبقات الفقهاء، ج ۱، ص ۱۸۱.

۱۴۔ ’’فتاویٰ خیریہ‘‘ کے آخر میں ہے کہ مفتی اور قاضی کے لئے راجح ومرجوح اور قوی وضعیف اقوال کا علم رکھنا ضروری ہے۔ان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مسئلہ کا جواب دینے اور قضیہ کا فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ بلکہ حقیقت کی جستجو کریں یعنی تَثَبُّت سے کام لیں۔اور اپنے نفس کی خواہش اور اس کی اِتباع پر کسی حلال شے کو حرام اور کسی حرام شے کو حلال نہ بنائیں کہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنا سب سے بڑا گناہ ہے ایسا وہی کرسکتا ہے جو عاقبت سے بے خوف ہے اور جاہل و بدبخت ہے۔[1]

۱۵۔علامہ شامی فرماتے ہیں کہ نا قابلِ اِعتماد کتابوں سے فتویٰ نہیں لکھنا چاہئے۔ خواہ اس لئے نا قابلِ اعتماد ہوں کہ ان کی نقل وکتابت میں اغلاط وخامیاں ہیں یا اس لئے نا قابلِ اِعتماد ہوں کہ ان کے مصنف مُعْتَمَد عَلَیْہ نہیں یا اس لئے کہ وہ بے حد پیچیدہ اور ان کا فہم دشوار طلب ہو اور ان کی عبارات انجلک غیر واضح الدَّ لالۃ ہوں کیونکہ ایسی کتابوں کے سمجھنے میں کم علم لوگوں کے غلط فہمیوں میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے اور اس سے فتویٰ دینے میں غلطیوں کا قوی امکان ہے۔ماضی میں ایسا ہوا ہے اور فتوے غلط ہوگئے ہیں۔علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ ’’شرح عقود رسم المفتی‘‘ میں اس کی کچھ مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں۔[2] (شرح عقود رسم المفتی المنظوم ۱۳،۱۵)

۱۶۔جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین علیہما الرحمہ کسی قول پر متفق ہوں تو پھر بغیر کسی شدید تر ضرورت کے اس سے عدول نہیں کیا جاسکتا لیکن اگر امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک طرف اور صاحبین علیہما الرحمہ دوسری طرف ہوں، اس وقت اگر صاحبین کی رائے بھی الگ الگ ہے تو فتویٰ قولِ امام پر ہوگا لیکن اگر صاحبین ایک رائے پر ہیں اور امام اعظم علیہ الرحمہ دوسری رائے پر تو عبداللہ بن مبارک کے نزدیک اس صورت میں بھی فتویٰ قولِ امام پر ہوگا۔دیگر علماء کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں مفتی کو اختیار ہے کہ جس کے قول پر چاہے فتویٰ دے صاحبین کے قول پر یا امام اعظم کے قول پر۔اس اختیار کا مطلب یہ ہے کہ وہ یعنی مفتی دلیل میں غور کرے اور جو دلیل قوی ہو اس پر فتویٰ دے۔(سراجیہ از شرح عقود رسم المفتی) ’’الحاوی‘‘ میں بھی یہی ہے کہ اعتبار قوت دلیل کا ہے کیونکہ مفتی کی شان یہی ہے وہ قوتِ دلیل پر نظر رکھے۔[3]

۱۷۔مجموعہ رسائل ابن عابدین ۱۳۱ پر ہے: مفتی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ صرف ان ہی امور کو سامنے رکھے جو کہ کتب ظاہر الروایہ میں منقول ہیں اور زمانہ اور اہل زمانہ کے حالات کو نگاہ میں نہ رکھے اگر وہ ایسا کرے گا تو اس سے بہت سے

---

1 ......"الفتاوى الخيرية"، مسائل شتى، ج۲، ص ۲۳۱.

2 ...... "مجموعة رسائل ابن عابدين"،الرسالة الثانية:شرح"عقود رسم المفتي"،ج۱،ص۱۳.

3 ......المرجع السابق، ص ۲۶.

و"الفتاوى السراجية"،مسائل شتّى،الجزء الثاني،ص۱۵۷.

و"الحاوي القدسي"، كتاب الحيل، فصل اذا اختلف الروايات...إلخ،ص ۱۸۱.

تفصیلات کے لیے ’’فتاویٰ رضویہ‘‘ (مُخرّجہ)، ج۱، حصہ الف، ص ۱۰۵ تا ۱۰۸ ملاحظہ فرمالیں۔

حقوق ضائع ہو جائیں گے اور اس کا نقصان نفع کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوگا۔[1] کیونکہ یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ ایک شخص کبھی اس لئے کوئی حکم شرعی حاصل کرنا چاہتا ہے کہ دوسروں کو نقصان پہنچائے تو اگر مفتی اس کو حالات و زمانے کو ملحوظ رکھے بغیر فتویٰ دے گا تو گویا وہ بھی ایک طرح سے اس گناہ میں شریک ہو گیا کیونکہ مفتی کے اس فتوے کی وجہ سے دوسروں کو یہ نقصان اٹھانا پڑا مثلاً ایک شخص اپنی بہن یا بیٹی کو جو اس کی ماں یا اس کی بیوی کی پرورش میں ہے چاہتا ہے کہ ان کی مدت حضانت ختم ہوتے ہی وہ اپنی اس بہن یا بیٹی کو اپنی ماں یا بیوی سے لے لے اور اس فعل سے اس کا مقصد اپنی ماں یا بیوی کو اذیت پہنچانا یا اس کے مال پر قبضہ کرنا یا اس کا نکاح کسی دوسرے سے کر دینا ہو تو مفتی کو چاہیے کہ جب وہ ایسے حالات کا اندازہ کرلے تو جواب میں اس کا لحاظ رکھے اور مستفتی کو بتلا دے کہ اضرار جائز نہیں ہے اگر وہ اپنی اس بہن یا بیٹی کو اپنی ماں یا بیوی سے حاصل کرے گا تو گنہ گار ہوگا۔

آداب الافتاء کے ان اصول و قواعد اور احکام سے معلوم ہوا کہ فتویٰ دینا اور حکم شریعت قرآن کریم یا احادیث پاک یا کتب فقہ سے بیان کرنا کوئی سہل کام نہیں کہ جس کو ہر عالم یا عامی و جاہل یا کم علم اور قلیل البصیرت انجام دے سکے قرون اولیٰ میں افتاء کے لئے اجتہاد کی شرط تھی غیر مجتہد، مفتی نہ ہوتا تھا نہ کہلایا جاتا تھا اس دور میں جب کہ علم کا زوال اور علماء کمیاب ہیں بے علم لوگ چند احادیث کا ترجمہ یاد کر کے احکام شرعیہ بیان کرنے لگتے ہیں اور اللہ (عزوجل) کا خوف ان کے دل میں نہیں آتا۔ کچھ لوگ محض اپنی عقل کی بنیاد پر کسی امر کے جائز یا ناجائز ہونے کا حکم کر دیتے ہیں۔ قرآنِ کریم کا ترجمہ پڑھ کر اس کی تفصیل اور اصول و قواعد کا علم حاصل کئے بغیر بڑی بے باکی سے حکم شرعی بیان کر دیتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ واحد قہار (عزوجل) سے خوف کھانا چاہئے اور اپنا دین و عاقبت برباد نہیں کرنا چاہیے آج کل کے نو آموز علماء بلا خوف ریا و نفاق خود اپنے قلم سے خود کو مفتی اعظم، شیخ الحدیث، فقیہ العصر اور محدث کبیر وغیرہا اعظم المرتبت الفاظ اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں یا لکھواتے ہیں اور اگر ان کے نام کے ساتھ یہ ضخیم الفاظ وہ خطابات نہ لکھے جائیں تو اپنی توہین محسوس کرتے ہیں اور اس کا برا مناتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کی کم علمی اور ظرف کے چھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔ انہیں اللہ (عزوجل) سے ڈرنا چاہئے اور اپنی اصلاح کرنی چاہئے اگر وہ صاحبِ علم صحیح ہوتے تو اس آیت کا مصداق ہوتے ﴿ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط ﴾[2] اللہ (عزوجل) کے بندوں میں علماء ہی کو خوفِ الٰہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے ہمیں عملِ صالح کی توفیق دے اور ہماری عاقبت بخیر فرمائے۔ آمین

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

---

1 ...... "مجموعة رسائل ابن عابدين"، الرسالة الثانية: شرح "عقود رسم المفتي"، ج ١، ص ٤٦، ٤٧.

2 ...... پ ٢٢، فاطر: ٢٨.

القواعد الفقهيه......والاصول الكليه
فقہ اسلامی کی بنیادیں

اسلامی احکام شرعیہ کا سرچشمہ اور ماخذ:

شریعت اسلامیہ کے جملہ احکام ومسائل کا سرچشمہ، منبع اور مآخذ دو قسم کے امور ہیں ایک وہ جو تمام آئمہ اور جمہور علماء کے نزدیک متفق علیہا ہیں اور وہ چار چیزیں ہیں:

(۱) کتاب اللہ العظیم (۲) سنت نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام (۳) اجماع امت (۴) قیاس، ان چاروں پر تمام آئمہ کرام اور علماء فقہ کا اجماع ہے کہ یہ شریعت مطہرہ کے جملہ احکام ومسائل کی بنیادیں ہیں۔[1]

دوسری قسم وہ ہے جو ان کے علاوہ ہیں اگرچہ یہ امور بھی نورِ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے منور ہیں اور ان ہی کے فیضان سے مستفیض ہیں لیکن وہ اصول ایسے ہیں جن کو احکام شریعت ومسائل فقہیہ کی بنیاد تسلیم کرنے اور حجت شرعیہ اور قابل استدلال ماننے میں علماء فقہ باہم اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ نیز ان کے مفہوم کی تحدید وتعریف اور ان کے دائرۂ عمل کی توسیع میں بھی اختلاف ہے ایسے اصولوں کو فقہ کی اصطلاح میں "استدلال" سے موسوم کیا جاتا ہے ان کی تعداد پانچ ہے:

(۱) استحسان (۲) مصالح مرسلہ (۳) استصحاب (۴) سابقہ شرائع (۵) صحابی کا مسلک، تفصیلات کے لیے اصول فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔[2] ہمارے آئمہ ذوی الاحترام ومجتہدین عظام اور ماہرین علم فقہ علیہم الرحمۃ والرضوان نے مذکورہ بالا تمام ہی بنیادی اصولوں کی روشنی میں ان کو منبع وماخذ بنا کر مسائل فقہ واحکام شریعت کا استخراج کیا، فقہ کی کتابیں اور فتاویٰ مرتب فرمائے جن میں بے شمار احکام، مسائل اور جزئیات فقہیہ کو بیان فرمایا جن سے آنے والی نسلیں مستفید ہوئیں اور ہوتی رہیں گی تاہم وہ اپنی مدۃ العمر کوششوں کے باوجود تمام جزئیات کا احاطہ نہ کرسکے بے شمار مسائل ایسے ابھر کر آئے جن سے متعلق صریح حکم ان کتابوں میں نہیں ملتا اور قیامت تک نئے نئے مسائل پیدا ہوتے ہی رہیں گے اسلام چونکہ ایک مکمل مذہب ہے اور قرآن کا یہ نہایت سچا دعویٰ ہے کہ وہ ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾[3] ہے اس لئے یہ علماء اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر نئے ابھرنے والے مسئلہ کا حکم قرآن کریم، احادیث نبویہ اور ان سے ماخوذ منابع ومآخذ سے بیان کریں بلاشبہ ہمارے عظیم علماء کرام نے ان نو مولود مسائل کے احکام شریعہ معلوم کرنے کے لئے بھی نیک کوششیں فرمائیں اور مذکورہ بالا منابع ومآخذ کے سایہ میں فقہ کے کچھ ایسے

---

1 ...... "أصول الشاشي"، مقدمة الكتاب، ص ٢.

2 ...... کتبِ اصول میں ان کی تعداد آٹھ، چھ اور پانچ سے کم بھی بیان کی گئی ہیں تفصیل کے لیے کتبِ اصول، مثلاً "التقرير والتحبير شرح التحرير"، ج٣، ص ٣٨٢، و"فواتح الرحموت"، ج٢، ص ٤٠١ ملاحظہ فرمائیں۔

3 ...... پ ١٤، النحل: ٨٩.

قواعد وضوابط اور اصول کلیہ مرتب فرمادیئے جن کے ذریعہ سے ہر دور اور ہر زمانے کے مفتیان کرام (بشرطیکہ وہ فقہ میں مہارت و کمال رکھتے ہوں) ہر نومولود مسئلہ کا حکم شرعی بیان کرسکیں۔الحمد لِلّٰہ کہ ہمارے علمائے فقہ کی یہ عظیم کوشش قرآنِ کریم کے اس دعویٰ کی کہ وہ ﴿ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ﴾ ہے ایک مستحکم دلیل اور حجت قاطعہ ہے اللہ تعالیٰ ان کی ارواح طیبات پر اپنی رحمت ونور کی بارش برسائے، آمین!

بے شک اُمت اسلامیہ ان کے احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتی صرف اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل وکرم سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔اس مختصر میں یہ فقیر فقہ کے ان ہی قواعد وضوابط اور اصول کلیہ میں سے کچھ کو بیان کررہا ہے جو ہمارے فقہائے کرام نے نومولود مسائل احکامِ شریعہ سے معلوم کرنے کے لئے بیان فرمائے ہیں اُمید ہے کہ دورِ حاضر اور بعد میں آنے والے مفتیان کرام اور علماء فقہ کے لئے بیان احکام میں یہ معاون و مددگار ثابت ہوں گے یہ سب کچھ اس ناچیز نے اپنے اساتذہ اور اپنے علماء کرام کی کتابوں سے حاصل کئے ہیں ان میں جو صحیح ہیں وہ ان کی طرف سے ہیں اور اگر ان میں کوئی نقص یا غلطی ہے تو وہ یقیناً اس فقیر کی ہے اصحابِ علم تصحیح فرمادیں اور اس خطا کار کو معاف فرمادیں۔اسی کے ساتھ یہ بندۂ ناچیز تمام پڑھنے والوں اور استفادہ کرنے والوں سے امید رکھتا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ وہ ضرور ہی اسے پڑھ کر رب کریم وعفو، غفور کی بارگاہ میں میرے لئے دعائے حسن عاقبت کریں گے اور میرے لئے بے حساب مغفرت کی دعا فرمائیں گے۔

ذیل میں ان قواعد فقہیہ اور اصول کلیہ کو بیان کیا جاتا ہے جن کے ذریعہ سے ہر اس نومولود مسئلہ کا حکم شرعی معلوم کیا جاسکتا ہے جس کا ذکر نہ کتبِ فقہیہ میں ہے نہ اس پر کوئی نص شرعی ہے نہ اس پر کوئی استدلال شرعی ہے؟ جن مسائل کا حکم کتب فقہ میں بیان کردیا گیا یا اس سے متعلق کوئی نص شرعی موجود ہے یا اس پر استدلال شرعی موجود ہے ایسے مسائل کا حکم وہی ہے جو ان کتابوں میں ہے ان قواعد فقہیہ اور اصول کلیہ کو وہاں استعمال نہیں کیا جائے گا۔کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ نصوص شرعیہ کو چھوڑ کر استدلال کو نظر انداز کرکے ان قواعد فقہیہ سے حکم بیان کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ اس کی اتباع نفس اور جہالت ہوگی۔العیاذ باللہ تعالیٰ۔

قاعدہ نمبر ۱:

لَاثَوَابَ اِلَّا بِالنِّیَّةِ

یہ قاعدہ حدیث "اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ"[1] سے ماخوذ ہے مطلب یہ کہ ثواب اُخروی کا مدار اخلاص نیت پر ہے یہ قاعدہ فقہیہ تمام اعمال وافعال پر حاوی ہے۔عبادت خواہ مقصودہ ہو یا غیر مقصودہ اگر ان کا فاعل اخلاص نیت نہیں رکھتا تو وہ ماجور ومثاب نہ ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، "اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" یعنی اعمال کا حکم نیت پر موقوف ہے تمام عبادات مقصودہ کی صحت ادائے نیت پر موقوف ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج میں اگر نیت نہیں کرے گا تو ان میں سے کوئی عبادت صحیح ادا نہ ہوگی اور

1 ......"صحیح البخاری"، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی... إلخ، الحدیث: ۱، ج ۱، ص ٦.

جب عبادت صحیح ادا نہ ہوئی تو ثواب اخروی کیسے مرتب ہوگا۔ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج اپنے تمام اقسام کے ساتھ عبادات مقصودہ میں داخل ہیں لہٰذا ان میں سے کوئی بھی بغیر نیت کیے صحیح ادا نہ ہوں گے وضو اگرچہ نماز کے لئے فرض اور شرط ہے مگر یہ عبادت غیر مقصودہ ہے اس لئے یہ نیت کے بغیر بھی صحیح ہو جائے گی لیکن اگر کوئی شخص بغیر نیت کیے ہوئے وضو کرے گا وہ مستحق ثواب نہیں ہے اسی طرح وہ اپنے کسی عمل میں بھی بغیر نیت کے ثواب کا مستحق نہ ہوگا۔ فقہ کا یہ قاعدہ بے شمار مسائل کا حل ہے اور انسان کے مذہبی معاشرتی اعمال کی فلاح و بہبود اور بہت سے علوم کے اباحت حصول کی بنیاد اسی پر ہے اور مباح میں بہت سی چیزوں کا جواز یا عدم جواز یا ثواب یا عدم ثواب اسی سے متعلق ہے۔ [1]

قاعدہ نمبر۲:

اَلْاُمُوْرُ بِمَقَاصِدِهَا

یعنی اعمال اور معاملات کا دارومدار ان کے مقاصد پر ہے یعنی کسی چیز کے جائز یا ناجائز ہونے، حلال یا حرام ہونے یا کسی عمل پر اجر یا سزا ملنے کا دارومدار اس کے مقصد اور نیت پر ہے جیسے کسی نے ناراض ہو کر اپنے مسلمان بھائی سے ترک سلام و کلام کیا اگر بلاسببِ شرعی اس نے تین دن سے زیادہ اس عمل کو جاری رکھا تو حرام ہے کیونکہ حدیث شریف میں تین دن سے زیادہ ترک سلام و کلام کی مُمانعت ہے [2] اور اگر سببِ شرعی کی وجہ سے تین دن سے زیادہ بھی ترک سلام و کلام کیا کہ وہ بدکار، یا شرابی یا تارک الصلوٰۃ [3] ہے تو جائز ہے۔ اسی طرح شیرے کی بیع [4] جائز ہے لیکن اگر بائع نے شیرہ شراب بنانے والے کو اس مقصد سے فروخت کیا کہ وہ شراب بنائے تو اس بیع پر وہ گناہ گار ہوگا اور اس کا یہ فعل حرام ہے اور ناجائز ورنہ نہیں، کوئی پڑی ہوئی چیز ملی اگر اس مقصد سے اٹھائی کہ مالک کو پہنچا دے گا تو جائز ورنہ ناجائز۔ سکہ پر اسم جلالت نقش کرایا اگر بقصد علامت ہے تو جائز اگر بقصدِ تہاون واہانت ہے تو ناجائز وحرام بلکہ کفر۔ نماز کی کوئی آیت تلاوت کی جو کسی سائل کا جواب بھی ہو سکتی ہے اگر اس سے مقصد جواب دینا ہے تو یہ فعل حرام اور نماز فاسد، ورنہ نہیں۔ اصل میں یہ دونوں قاعدے تقریباً ہم معنی ہیں اور بے شمار مسائل ان سے متخرج ہیں۔ [5]

---

1 ...."الأشباه و النظائر"، الفن الأول: القواعد الكلية، النوع الاول، القاعدة الأولى، ص١٧، ١٨.

2 ...."سنن ابی داود"، كتاب الأدب، فيمن يهجر اخاه المسلم، الحديث: ٤٩١٣، ج٤، ص٣٦٤.

3 ....یعنی بلاعذر شرعی نماز نہیں پڑھتا۔

4 ....یعنی انگور وغیرہ کے رس کی فروخت۔

5 ...."الأشباه و النظائر"، الفن الأول: القواعد الكلية، النوع الاول، القاعدة الثانية، ص٢٣.

و"غمز عيون البصائر"، الفن الأوّل فى القواعد الكلية، النوع الأوّل، القاعدة الثانية، ج١، ص١٠٢ـ١٠٨.

قاعدہ نمبر۳:

اَلْيَقِيْنُ لايَزُوْلُ بِالشَّكِّ "۳۴"

یعنی یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ یہ قاعدہ اس حدیث مبارکہ سے ماخوذ ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِيْ بَطْنِهٖ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخَرَجَ شَيْءٌ أَمْ لا؟ فَلا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْيَجِدَ[1] رِيْحًا"[2] یعنی جب کوئی شخص اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے اور یہ یقین مشکل ہو جائے کہ اس میں سے کچھ نکلا یا نہیں یعنی ریح وغیرہ خارج ہوئی یا نہیں تو اس وقت تک مسجد سے باہر نہ آئے جب تک وہ ریح خارج ہونے کو محسوس نہ کرے[3] یا اس کی آواز نہ سن لے۔" جیسے کسی شخص کو اپنے باوضو ہونے کا یقین ہے اور وضو ٹوٹنے میں شک ہے تو وہ باوضو مانا جائے گا[4] اور جیسے کسی شخص کے زندہ ہونے کا یقین ہے اور مرنے میں شک ہو تو اسے زندہ ہی مانا جائے گا اور اس کی وراثت تقسیم نہ[5] کی جائے گی۔ اس قاعدہ کے ماتحت اور بھی احکام شرعیہ ہیں۔

قاعدہ نمبر۴:

اَلأَصْلُ بَرَاءَةُ الذِّمَّةِ

اصل یہ ہے کہ ہر شخص بری الذمہ ہے جب تک اس پر کوئی حق یا دعویٰ ثابت نہ ہو جیسے مدعی کا دعویٰ ہے کہ اس پر میرا قرض ہے اور مدعیٰ علیہ کہتا ہے کہ مجھ پر کوئی قرض نہیں اور مدعی کے پاس کوئی دلیل اور شہادت بھی ثبوت قرض کے لئے نہیں ہے تو اس صورت میں مدعیٰ علیہ کا قول تسلیم کیا جائے گا اور وہ بری الذمہ ہے کیونکہ بری الذمہ ہونا یعنی اس پر قرض نہ ہونا اصل ہے اسی لئے ثبوت اور دلیل ہمیشہ مدعی پر ہوتی ہے کیونکہ مدعی کا قول اور دعویٰ اصل کے خلاف ہوتا ہے۔[6]

قاعدہ نمبر۵: مَنْ شَكَّ هَلْ فَعَلَ شَيْئًا اَمْ لا فَالأَصْلُ اَنَّهٗ لَمْ يَفْعَلْ

یعنی اگر کسی کو یہ شک ہو کہ اس نے یہ کام کیا یا نہیں کیا تو اصل یہ ہے کہ اس نے وہ کام نہیں کیا۔ مثلاً یہ شک ہوا کہ میں نے اس وقت کی نماز پڑھی یا ابھی نہیں پڑھی تو اگر اس نماز کا وقت باقی ہے جس میں شک کر رہا ہے تو نماز دوبارہ پڑھے اور اگر اس

---

1 ...... بہارِشریعت میں اس مقام پر حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں "یسمع صوتًا اوریحًا" جبکہ مسلم شریف اور دیگر کتب احادیث میں اس طرح ہیں "یسمع صوتًا اویجد رِیحًا" اسی لیے ہم نے متن میں "یجد" کا اضافہ کر دیا ہے۔...علمیه

2 ...... "صحيح مسلم"، كتاب الحيض، باب الدليل على من تيقن... إلخ، الحديث: ٩٩-(٣٦٢)، ص١٩٣.

3 ...... یعنی جب تک ہوا کی بو محسوس نہ کرے۔

4 ...... "الأشباه والنظائر"، الفن الأول: القواعد الكلية، النوع الاول، القاعدة الثالثة، ص٤٧، ٤٩.

5 ...... بہارِشریعت میں اس مقام پر "اس کی وراثت تقسیم کی جائے گی" لکھا ہوا تھا، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اصل عبارت اس طرح ہے "اور اس کی وراثت تقسیم نہ کی جائے گی"، اسی وجہ سے ہم نے متن میں تصحیح کر دی ہے۔...علمیه

6 ...... "الأشباه والنظائر"، المرجع السابق، ص٥٠.

نے شک کیا نماز کا وقت گزر جانے کے بعد تو اعادہ نہیں۔[1]

قاعدہ نمبر۶:

مَنْ تَيَقَّنَ الْفِعْلَ وَشَكَّ فِي الْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ حُمِلَ عَلَى الْقَلِيْلِ

جیسے کسی کو عمل کرنے کا تو یقین ہے لیکن شک یہ ہے کہ وہ کام زیادہ کیا یا کم کیا تو اس کا فعل کم پر محمول کیا جائے گا کیونکہ کم کا تو یقین ہے۔ مثلاً یہ شک ہوا کہ نماز میں کتنی رکعتیں پڑھیں اگر پہلی بار ایسا ہوا ہے تو نماز ازسرنو پڑھے اور اگر بکثرت ایسا ہوتا ہے تو تحری کرے ورنہ اقل رکعت قرار دے۔ یہ اس وقت ہے جب شبہ نماز کی حالت میں ہوا گر نماز سے فراغت کے بعد یہ شبہ ہوا تو اس پر کچھ نہیں۔[2]

قاعدہ نمبر۷:

مَاثَبَتَ بِيَقِيْنٍ لَّا يَرْتَفِعُ اِلَّا بِيَقِيْنٍ

یعنی جو چیز یقین سے ثابت ہوتی ہے وہ صرف یقین ہی سے زائل ہو سکتی ہے[3] جیسے کسی کو اپنے باوضو ہونے کا یقین ہے اور وضو ٹوٹ جانے کا شک ہے تو وہ باوضو ہی ہے محض شک سے باوضو ہونے کا یقین زائل نہیں ہو سکتا۔ کنواں پاک ہونے کا یقین ہے اور ناپاک ہونے کا شک ہے تو کنواں پاک ہی قرار دیا جائے گا۔

قاعدہ نمبر۸:

اَلْأَصْلُ الْعَدَمُ فِي الصِّفَاتِ الْعَارِضَةِ[4]

قاعدہ نمبر۹:

وَالْأَصْلُ الْوُجُوْدُ فِي الصِّفَاتِ الْأَصْلِيَّةِ

ان دونوں کی مثال یہ ہے کہ کسی نے ایک غلام خریدا اس شرط پر کہ روٹی پکانا جانتا ہے یعنی خباز ہے یا وہ کتابت جانتا ہے۔ پھر خریدار نے کہا کہ وہ خباز نہیں یا کاتب نہیں تو قول مشتری کا مانا جائے گا کیونکہ خباز اور کاتب ہونا صفات عارضہ سے ہے اور اصل اس میں عدم ہے۔ دوسرے قاعدہ کی مثال یہ ہے کہ کسی نے باندی خریدی اس شرط پر کہ وہ باکرہ (کنواری) ہے پھر مشتری نے اس میں بکارت کا انکار کیا اور بائع کہتا ہے کہ باکرہ ہے تو اس صورت میں بائع کا قول تسلیم کیا جائے گا کیونکہ بکارت صفات اصلیہ سے ہے اور اصل اس میں وجود ہے۔[5] (فتح القدیر، باب خیار الشرط)

---

1 ......"الأشباه والنظائر"، الفن الأول: القواعد الكلية، النوع الاول، القاعدة الثالثة، ص ٥٠، ٥١.

2 ......المرجع السابق. 3 ......المرجع السابق، ص ٥١. 4 ......المرجع السابق، ص ٥٣، ٥٤.

5 ......"الفتح القدير"، كتاب البيوع، باب خيار الشرط، ج ٥، ص ٥٢٩.

و"الأشباه والنظائر"، الفن الأول: القواعد الكلية، النوع الاول، القاعدة الثالثة، ص ٥٤.

قاعدہ نمبر۱۰:

اَلأَصْلُ فِی الأَشْیَاءِ الإِبَاحَۃُ

یعنی ہر چیز اصل میں مباح وجائز ہے۔ یہ اصل حضرت امام شافعی اور احناف میں حضرت امام کرخی کے نزدیک ہے[1] متاخرین احناف نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان بھی اس کو سند لائے ہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ﴾[2]

اللہ ہی نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے پیدا فرمایا۔

لہٰذا ہر چیز مباح اور جائز ہے جب تک اس کے عدم جواز یا تحریم پر کوئی دوسرا حکم نہ ہو صاحبِ ہدایہ علیہ الرحمۃ کا بھی یہی مسلک ہے۔[3] حدیث شریف میں ہے: اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ وَالْحَرَامُ مَاحَرَّمَ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ وَمَاسَکَتَ عَنْہُ فَھُوَ مِمَّا عَفَا عَنْہُ[4] ''حلال وہ ہے جو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں حلال فرمادیا اور حرام وہ ہے جو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں حرام فرمادیا اور جن چیزوں سے سکوت اختیار فرمایا وہ معاف ہیں اور مباح''۔

لہٰذا ہر وہ چیز جس سے اللہ عزوجل نے سکوت اختیار فرمایا وہ جائز ومباح ہے اگر اسے کوئی شخص ناجائز یا حرام یا گناہ کہے اس پر لازم ہے کہ وہ دلیل شرعی لائے کیونکہ مسکوت عنہا (جس سے سکوت کیا گیا) کو مباح وجائز کہنے کے لئے یہ حدیث ہی کافی ہے۔ قرآنِ پاک کی ایک آیت اس مفہوم کو ثابت کرنے والی اوپر بیان ہوچکی ہے دوسری آیت جس سے یہ مفہوم اور زیادہ وضاحت سے ثابت ہوتا ہے یہ ہے!

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ﴾[5]

''اے ایمان والو تم ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جن کا حکم نازل نہیں کیا گیا کہ اگر ان کا حکم ظاہر کردیا جائے تو تمہیں تکلیف پہنچے'' اسی لئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے شرعی احکام میں کثرت سوال سے منع فرمایا کہ اس سے شریعت کے احکام کے

---

1. ......''الأشباه والنظائر''،الفن الأول:القواعد الكلية،النوع الاول،القاعدة الثالثة،ص٥٦،٥٧.
2. ......پ١،البقرة:٢٩.
3. ......''الهداية''،كتاب الطلاق،باب العدة ،ج١،ص٢٧٨.
و''الأشباه والنظائر''،الفن الأول:القواعد الكلية،النوع الاول،القاعدة الثالثة،ص٥٧.
4. ......''سنن ابن ماجة''، كتاب الأطعمة، باب أكل الجبن والسمن ، الحديث: ٣٣٦٧، ج ٤، ص ٥٦.
5. ......پ٧،المآئدة:١٠١.

سخت ہونے کا اندیشہ ہے اس آیت کا واضح مفہوم یہی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا وہ عفو میں داخل ہیں۔ اگر ان کی ممانعت یا فرضیت کا حکم نازل ہو گیا تو تمہیں تکلیف پہنچے گی۔ لہٰذا جن چیزوں کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا وہ آیت مذکورہ ﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ﴾[1] کی رو سے جائز و مباح ہیں ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ﴾[2] "اور یہ اللہ عزوجل کی بیان کردہ حدود ہیں تو ان سے تجاوز نہ کرو۔" لہٰذا جو ان مسکوت عنہا کو ناجائز یا حرام یا بدعت سیئہ یا فرض یا واجب کہے وہ قرآن یا حدیث یا قواعد فقہیہ سے دلیل لائے ورنہ یہ اللہ عزوجل کی بیان کردہ حدود سے آگے بڑھنا ہے اور اللہ عزوجل اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور شریعت کاملہ پر افتراء ہوگا۔ جس کی قرآن میں شدید مذمت آئی ہے اور سخت ممانعت و تہدید کی گئی ہے لہٰذا میت کو ایصالِ ثواب کے لئے تعین وقت کے ساتھ قرآن خوانی یا سوا لاکھ بار کلمہ شریف پڑھنا یا پڑھوانا فاتحہ و درود، انعقاد محافل میلاد شریف اور صلوٰۃ وسلام اور بیعت و ارادت وغیرہا کے عدم جواز و بدعت کے قائلین کو قرآن یا احادیث یا اقوال صحابہ یا اَقل درجہ میں قواعد فقہیہ سے ان کے عدم جواز پر دلیل لانا چاہیے۔ بلا دلیل شرعی ان کے عدم جواز کا قول اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم پر افتراء ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی۔

یہ امر بھی ملحوظ رکھنا اشد ضروری ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول و فعل اور صحابۂ کرام کا قول و فعل تو حجت شرعیہ ہے مگر ان کا عدم قول اور عدم فعل، عدم جواز کے لئے حجت شرعیہ نہیں وہ اسی قاعدہ کے مطابق جائز و مباح ہے کہ اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَۃُ بلکہ امر مباح بہ نیت خیر باعث اجر و ثواب ہے اور مستحسن کہ "اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" حدیث صحیح ہے بلکہ وہ تمام امور مباح جن سے دین کی ترقی یا تعلیماتِ اسلام کی اشاعت اور شریعت کا تحفظ ہوتا ہے سب مستحسن ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۱:

اَلْاَصْلُ اِضَافَۃُ الْحَادِثِ اِلٰی اَقْرَبِ اَوْقَاتِہٖ

اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر واقعہ کو اس کے قریب تر وقت کی طرف منسوب کیا جائے۔ جیسے کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے اس کو اپنے مرض الموت میں طلاق دی ہے اور دیگر ورثہ کہتے ہیں کہ حالتِ صحت میں طلاق دی ہے تو ایسی صورت میں عورت کا قول مانا جائے گا کیونکہ اس کا قول اقرب کی طرف منسوب ہے اور وہ متوفی شوہر کی وارث ہوگی۔[2]

قاعدہ نمبر ۱۲:

اَلْمَشَقَّۃُ تَجْلُبُ التَّیْسِیْرَ "۵۶۴"

---

1 ......پ ۱، البقرة: ۲۹.

2 ......"الأشباه والنظائر"، الفن الأول: القواعد الكلية، النوع الاول، القاعدة الثالثة، ص ۵۵.

یعنی مشقت آسانی لاتی ہے[1] اس قاعدہ کا ماخذ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾[2]

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا۔

دوسری جگہ فرماتا ہے:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾[3]

اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں تنگی اور حرج نہیں رکھا۔

اس لئے شریعت نے مسائل کثیرہ میں مسلمانوں کے لئے آسانیاں فراہم کی ہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ لَفَرَضْتُ عَلَيْهِمُ[4] السِّوَاكَ[5] ''اگر میں اپنی امت پر مسواک کرنے کی پابندی باعثِ مشقت نہ جانتا تو میں مسواک کرنے کو واجب کر دیتا۔'' جب حج فرض ہونے کی آیت نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے تو ایک صحابی حضرت عکاشہ بن محصن[6] یا سراقہ بن مالک نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا ہر سال؟ یہ سوال آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم پر گراں گزرا فرمایا خدا کی قسم اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال فرض ہو جائے گا۔[7] اسی طرح نمازِ تہجد صرف آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم) پر واجب تھی امت پر واجب نہیں ہے، روزہ بھی سال میں ایک ہی ماہ کا فرض کیا گیا۔ ان آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ اور اس کے رسول رحمت علیہ السلام مسلمانوں کو آسانیاں عطا فرماتے ہیں اسی کی روشنی میں فقہ کا یہ قاعدہ ہے کہ مشقت آسانیاں لاتی ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''الاشباہ والنظائر'' میں عبادات وغیرہا میں سات قسم کے اسباب تخفیف بیان فرمائے ہیں۔ صاحب نورالانوار نے اس کی دو قسمیں کی ہیں اور اٹھارہ اسباب بیان فرمائے ہیں جو بعد میں بیان کئے جائیں گے۔

---

1 ...... "الأشباه والنظائر"، الفن الأول: القواعد الكلية، النوع الاول، القاعدة الرابعة، ص ٦٤.

2 ...... پ ٢، البقرة: ١٨٥. 3 ...... پ ١٧، الحج: ٧٨.

4 ...... بہارِشریعت میں اس مقام پر'' لَأوجبتُ المسوَاكَ '' لکھا ہوا ہے، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ کتبِ حدیث میں اصل عبارت اس طرح ہے'' لَفرضتُ عليهم السِّوَاكَ '' یا '' لَأمرتُهم بالسِّوَاكِ ''، اسی وجہ سے ہم نے متن کے الفاظ کو حدیث کے مطابق کر دیا۔ . . علمیہ

5 ...... "المسند" للإمام أحمد بن حنبل، حديث تمام بن العباس، الحديث: ١٨٣٥، ج ١، ص ٤٥٩.

6 ...... بہارِشریعت میں اس مقام پر'' عکاشہ بن محض '' لکھا ہوا ہے، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ حدیث پاک میں ''عکاشہ بن محصن'' مذکور ہے، اسی وجہ سے ہم نے متن میں تصحیح کر دی ہے۔... علمیہ

7 ...... "صحيح مسلم"، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة فى العمر، الحديث ٤١٢ ـ (١٣٣٧)، ص ٦٩٨.

و "التفسير الكبير"، سورة المائدة، تحت الآية: ١٠١، ج ٤، ص ٤٤٤.

(۱) سفر:

سفر کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ اتنا طویل فاصلہ طے کیا جائے جو درمیانی رفتارِ انسانی سے تین دن تین رات میں طے ہو اس کو سفرطویل کہتے ہیں اوراس کی تخفیفات شرعیہ یہ ہیں کہ اتنا طویل سفر کرنے والا مسافر نماز قصرادا کرے گا[1] اسے روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے اور موزوں پر تین دن اور تین رات مسح کرسکتا ہے۔ دورانِ سفر اس پر قربانی واجب نہیں وغیرہ وغیرہ دوسری قسم سفر کی یہ ہے کہ اتنا طویل نہ ہواس سے مراد یہ ہے کہ اپنے شہر سے باہر نکل جائے خواہ چند میل باہر ہی سہی اس کو شریعت کی طرف سے جو تخفیف وتیسیر دی گئی ہے وہ یہ ہیں کہ وہ جمعہ چھوڑ سکتا ہے اس پر نماز باجماعت موکدہ نہیں اور وہ سواری پر نفل نماز ادا کرسکتا ہے اور پانی میسر نہ ہو تو تیمّم کرسکتا ہے وغیرہا۔

(۲) مرض:

اسبابِ تخفیف میں سے دوسری قسم مرض ہے اس کی شرعی رخصت اور تخفیفات بھی بہت زیادہ ہیں۔ اگر بیماری بڑھ جانے یا جان کا اندیشہ ہو تو غسل اور وضو کے بجائے تیمّم کرسکتا ہے۔ اگر کھڑا نہیں ہوسکتا تو بیٹھ کر نماز ادا کرے گا اور بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر نماز ادا کرنے کی اجازت ہے، نماز جماعت میں شریک نہ ہونے کی اجازت ہے، اسی طرح جمعہ وعیدین میں نہیں جاسکتا تو اجازت ہے کوئی گناہ نہیں، رمضان کے روزے بھی قضا کرنے کی اجازت ہے وغیرہا۔

(۳) اکراہ:

تخفیف کا تیسرا سبب اکراہ ہے۔

نمبر(۴) نسیان۔

نمبر(۵) جہالت۔

نمبر(۶) نقص اور

نمبر(۷) عُسر اور عموم بلویٰ:

عسر اور عموم بلویٰ پر بھی شریعت کے بہت سے مسائل واحکام متفرع ہیں، عسر کا مطلب ہے تنگی اور دشواری اور عموم بلویٰ کا مطلب ہے ایسا ابتلاء عام جس سے بچنا دشوار اور مشکل ہو جیسے اس کپڑے سے نماز پڑھنے کی اجازت ہے جس پر چوتھائی کپڑے سے کم میں نجاست خفیفہ لگی ہو یا بقدر درہم نجاست غلیظ لگی ہو، یا جیسے معذور کے جسم سے برابر نجاست خارج ہورہی ہے۔ جب بھی وہ کپڑا دھوئے نجاست نکل کر پھر لگ جائے اسے اس کپڑے میں نماز کی اجازت ہے، وہ نجاست جس کا زائل ہونا دشوار

---

[1] ......یعنی چار رکعت فرض والی نماز کی ادائیگی دو رکعت سے کرے گا۔

ہو یا زائل نہ ہو سکے وہ بھی عفو میں داخل ہے جیسے کپڑے پر نجس پختہ رنگ ہو یا نجس مہندی ہاتھوں پر لگائی اب دھونے سے اس نجاست کا اثر زائل نہیں ہوتا اس حالت میں اس کا حکم پاکی کا ہے اور نماز اس سے جائز ہے اونٹ کی مینگنی اگر دودھ میں پڑ جائے اور پھوٹنے سے قبل فوراً نکال لی جائے وہ دودھ نجس نہیں، کپڑے کو نجس بخارات لگے تو صحیح یہ ہے کہ کپڑا نجس نہیں۔ مُشک [1] حالانکہ وہ خون ہے مگر اس کے پاک ہونے کا حکم ہے، پاک مٹی ناپاک پانی میں یا ناپاک مٹی پاک پانی میں ملا کر گارا بنایا جائے تو اس کے پاک ہونے کا حکم ہے، بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے بلا وضو قرآن کو چھونا جائز ہے، میت کو غسل دینے والے پر اگر میت کے غسالہ (غسل کا پانی) کی چھینٹیں آ جائیں تو نجاست کا حکم نہیں۔ راستے کی کیچڑ اگر کپڑے یا پیر پر لگے تو کپڑا یا پیر نجس نہیں، شریعت نے مکلّف و مامور سے عسر دفع کرنے کے لئے یہ سہولت دی کہ شہر سے باہر نوافل سواری پر اشارے سے پڑھ سکتا ہے اور نوافل بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے بلا کسی عذر کے اور ظہر کی نماز کے لئے ابراد (وقت کو ٹھنڈا کرنا) مستحب قرار دیا اور جمعہ اور جماعت کو بارش کی وجہ سے ترک کرنے کو جائز قرار دیا۔ پتھر سے استنجا مشروع فرمایا حالانکہ پتھر مزیل نجاست [2] نہیں، وصی اور ولی کے لئے یہ جائز قرار دیا کہ وہ مال یتیم سے اتنا لے لیں جو ان کے عمل کے بقدر معاوضہ ہو، طبیب اور شاہد (گواہ) کو بوقتِ ضرورت مستور اعضاء یا شکل و صورت پردہ دار کی دیکھنا جائز ہے، اسی طرح دایہ کے لئے عورتوں کے اندام نہانی میں نگاہ کرنا جائز ہے۔ بوقت موت مرنے والے کو وصیت کرنا جائز رکھا تاکہ وہ تلافی مافات کر سکے اور ورثاء کو ضرر سے بچانے کے لئے ثلث مال سے زائد میں وصیت کو جائز و نافذ نہ فرمایا۔ اور شریعت نے ترکہ پر میت کی ملکیت اس وقت تک باقی رکھی جب تک میت کے قرضوں و وصیت اور تجہیز و تکفین و حوائج ضروریہ پورے نہ کر دیئے جائیں اور مجتہدین سے خطا پر گناہ نہیں رکھا ان کے لئے ظن غالب پر اکتفا جائز رکھا اور اخذ بالیقین کی تکلیف نہ دی کیونکہ کسی اجتہاد میں یقین کامل حاصل کرنا سخت دشوار ہے مذکورہ تمام مسائل دفع عسر [3] اور عموم بلوی سے تعلق رکھتے ہیں جو تفصیلات معلوم کرنا چاہے ان کتابوں کا مطالعہ کرے۔

نقص:

اسباب تیسیر میں سے یہ بھی ایک سبب ہے جیسے صبی و مجنون کو تکلیفات شرعیہ سے مکلّف نہیں کیا گیا جب تک وہ اس حالت میں رہیں ان کا معاملہ ان کے ولی کے سپرد کیا گیا اور عورتوں کو نماز باجماعت، نماز جمعہ و عیدین اور جہاد کی تکلیف نہیں دی گئی وغیرہا [4] صاحب نور الانوار علیہ الرحمہ نے اسباب تخفیف و تیسیر کو مبحث اھلیۃ کے زیر عنوان بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے ان اسباب کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اولاً ان کو دو قسموں میں تقسیم فرمایا:

---

1 ......خوشبودار سیاہ رنگ کا مادّہ جو ایک قسم کے ہرن کی ناف سے نکلتا ہے۔ 2 ......یعنی نجاست زائل کرنے والا۔ 3 ......یعنی تنگی کو دور کرنے۔

4 ......"الأشباه والنظائر"،الفن الأول:القواعد الكلية،النوع الاول،القاعدة الرابعة،ص ٦٤، ٧٠.

(۱) اسباب تخفیف عوارض سماویہ کی وجہ سے۔

(۲) اسباب تخفیف عوارض مکتسبہ کی وجہ سے۔

عوارض سمٰویہ کی وجہ سے جن اسباب پر شریعت نے جو آسانیاں دی ہیں وہ اسباب یہ ہیں:

۱۔صغر: عبادات، حدود اور کفارات صغیر پر واجب نہیں لیکن فرضیت ایمان ساقط نہیں۔ "۲۸۷"

۲۔جنون: جنون ممتد [1] میں صاحبِ جنون پر عبادات فرض نہیں، اس کی طلاق بھی نافذ نہیں۔ "۲۸۸"

۳۔عتہ: یعنی دماغی خلل کبھی عقل کی بات کرے اور کبھی پاگلوں کی سی اس کی طلاق نافذ نہیں اس پر عبادات اور عقوبات بھی نہیں ہیں۔

۴۔نسیان: ناسی کا روزہ میں بھول کر کھالینا، ذبح کے وقت تسمیہ پڑھنا بھول جانا اور بھول کر دوسری رکعت پر سلام پھیر دینا معافی میں ہے۔

۵۔نوم [2]: نائم کی [3] طلاق اور اس کا ارتداد نافذ نہیں اور نماز میں نائم کا کام کرنا مفسد صلوٰۃ نہیں نہ اس کا نماز میں قہقہہ ناقض وضو ہے۔

۶۔اغماء: یہ از قسم بیہوشی ایک مرض ہے جس میں انسان کی قوتیں مضمحل ہو جاتی ہیں [4] اس میں عقل و تمیز اور شعور نہیں رہتا اس حالت میں اس کی طلاق نافذ نہیں نہ اس سے کلمہ کفر صادر ہو جانے سے ارتداد کا حکم دیا جائے گا اگر اغماء چوبیس گھنٹہ یا اس سے زیادہ دیر تک رہے تو اس سے نمازیں ساقط ہو جاتی ہیں یعنی جن اوقات میں وہ اغماء میں رہا ان اوقات کی نمازیں ساقط ہوں گی۔

۷۔رق: یعنی غلامی، غلام کے تصرفات نافذ نہیں، اس پر حج فرض نہیں، شریعت نے اس کو اور بھی تخفیفات دی ہیں جو فقہ کی کتابوں میں ہیں۔

۸۔مرض: مریض حالت مرض وضعف [5] میں بیٹھ کر یا لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ روزہ اور حج مؤخر کر سکتا ہے وغیرہ۔

۹۔حیض: اس حالت میں عورتوں کو نمازیں معاف ہیں اور روزہ مؤخر کریں گی وغیرہ۔ (حیض کا مطلب ہے ماہواری کا خون)۔

۱۰۔نفاس: یہ وہ خون ہے جو بچہ کی ولادت کے بعد عورتوں کے جسم سے جاری ہوتا ہے۔ اس عرصہ کی نمازیں ان عورتوں سے معاف ہیں اور وہ روزہ مؤخر کریں گی دورانِ حج اگر ایسی حالت ہوئی تو دونوں حالتوں میں طواف زیارت مؤخر کریں گی۔

۱۱۔موت: اگر کسی پر حج فرض ہوا لیکن ابھی حج کا وقت نہیں آیا تھا کہ موت واقع ہوگئی تو اس پر حج ادا نہ کرنے کا گناہ نہیں یا حج کا زمانہ بھی آ گیا اور اس نے سفر حج کی تیاری بھی کر لی تھی کہ موت آ گئی تو بھی حج نہ کرنے کا گناہ نہیں ہاں ان دونوں صورتوں میں اگر حج بدل کی وصیت کرے تو بہتر ہے۔ اسی طرح بقدر نصاب مال کا مالک ہو گیا اور وہ حوائج اصلیہ سے زائد بھی ہے لیکن سال

---

1 ......وہ جنون جو مسلسل ایک ماہ تک رہے۔ 2 ......نیند۔ 3 ......یعنی سونے والے کی۔

4 ......یعنی کمزور ہو جاتی ہیں۔ 5 ......کمزوری۔

گزرنے میں کچھ دن باقی تھے کہ انتقال ہو گیا تو اس پر زکوۃ ادا نہ کرنے کا گناہ نہیں۔ [1] ''۲۹۷''

اسبابِ تخفیف و تیسیر عوارض مکتسبہ کی وجہ سے، یہ سات ہیں:

۱۔ جہل: جہل کئی قسم کا ہوتا ہے جن میں بعض جہل تیسیر و تخفیف کے لیے عذر نہیں اور بعض جہل عذر مسموع ہیں [2] کافر کا جہل اس کے عدم ایمان کے لئے عذر مسموع نہیں ایسے ہی اصحاب الہوٰی کا جہل صفات الٰہیہ اور احکام آخرت نہ ماننے میں عذر نہیں اور امام برحق کے خلاف بغاوت کرنے میں باغی کا جہل عذرِ مسموع نہیں جب کہ وہ دلیل فاسد کا سہارا لے کر بغاوت کر رہا ہو۔

وہ امور جن میں شرع نے جہل کو عذر مسموع تسلیم کیا ہے اور اس بنیاد پر تخفیف دی ہے، یہ ہیں:

(۱) جیسے وہ مسلمان جو دار الحرب میں ہے اور وہاں سے ہجرت کرنے سے معذور رہا۔ وہ اپنے جہل کی وجہ سے اسلام کے احکام و عبادات پر عمل نہ کر سکے تو نہ وہ گنہگار ہے نہ اس پر قضا واجب۔ (۲) ایسے ہی وہ شخص جو دار الحرب میں مسلمان ہوا اور احکام اسلام پر اپنے جہل کی وجہ سے عمل نہ کر سکے تو اس پر گناہ نہیں۔ (۳) حق شفعہ رکھنے والا متعلقہ جائیداد کی بیع سے جاہل رہا تو اس کا یہ جہل عذر ہے اسے شفعہ حاصل رہے گا۔ (۴) باندی اپنے آزاد ہونے یا صاحب خیار ہونے سے جاہل رہی [3] تو اس کا جہل عذر مسموع ہے اس کو خیار حاصل رہے گا۔ (۵) وہ صغیر و صغیرہ جن کا نکاح ان کے باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور نے کیا ہو، بالغ ہوتے ہی انھیں اسے جائز یا باطل کرنے کا اختیار ہے لیکن اگر وہ بلوغ کے وقت اس نکاح سے جاہل رہے تو یہ جہل عذر مسموع ہے ان کو اختیار حاصل رہے گا وغیرہا اس قسم کے صدہا مسائل ہیں۔ ''۳۰۱۔۳۰۰''

۲۔ سکر: یعنی نشہ کی حالت، کسی حلال و مباح شے کے استعمال سے سکر و نشہ کی حالت پیدا ہوئی یا جبر و اکراہ کی وجہ سے [4] نشہ آور چیز استعمال کی یا جان بچانے کے لئے شراب پی اور حالت سکر ہوئی تو ان صورتوں میں اس کا حکم اغماء جیسا ہے یعنی جس طرح حالتِ اغمامی والے کی طلاق و عتاق اور دیگر تصرفات نافذ نہیں ہوتے مذکورہ سکر کی حالت میں بھی اس کی طلاق و عتاق اور دیگر تصرفات نافذ نہ ہوں گے لیکن اگر کوئی حرام و ممنوع شے یا شراب بغیر عذر شرعی پی جیسے شراب پی اور نشہ ہوا تو اس کے تصرفات نافذ ہوں گے اور اس کے طلاق و عتاق، [5] بیع و شرا [6] اور اقرار کے الفاظ صحیح تسلیم کئے جائیں گے مگر ارتداد اور اقرار حدود میں اس کے الفاظ پر حکم ارتداد یا حکم نفاذ حدود نہ دیا جائے گا۔ ''۳۰۱ن''

۳۔ ہزل: ہزل کا مطلب یہ ہے کہ مذاق میں ایسے الفاظ استعمال کرنا جن کے حقیقی یا مجازی معنی مقصود نہ ہوں بلکہ محض

---

1 ...... "نور الأنوار"، بیان الأهلية، ج۲، ص ۱۵۵، ۱۷۷۔

2 ...... یعنی قابل قبول ہیں۔

3 ...... یعنی خیار عتق سے۔

4 ...... یعنی زور و زبردستی کی وجہ سے۔

5 ...... یعنی غلام یا باندی کو آزاد کرنا۔

6 ...... خرید و فروخت۔

لہوولعب[1] اور تفریح میں استعمال کئے جائیں ہازل یعنی مذاق میں بات کہنے والا الفاظ تو اپنے اختیار سے اپنی مرضی سے استعمال کرتا ہے لیکن ان کے اصل مفہوم اوران کے حکم شرعی سے راضی نہیں ہوتا۔ امور غیر مالیہ جیسے طلاق وعتاق، یمین،[2] کفر اور ارتداد میں ہزل کے الفاظ نافذ ہوں گے اور بیع، اجارہ اور اقرار میں بعض صورتوں میں نافذ ہوں گے اور بعض میں نہیں۔[3] "۳۰۵ان" (درمختار)

۴۔ سَفَہ: یعنی مقتضائے شرع یا مقتضائے عقل کے خلاف مال کو تبذیر سے ضائع کرنا[4] سفیہ پر جملہ احکام شرع نافذ ہوں گے لیکن اسے مال خرچ کرنے سے روکا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک[5] اسے بیع، اجارہ، ہبہ اور دیگر تصرفات مالیہ جیسے صدقات وخیرات سے روکا جائے گا کیونکہ وہ اسراف وتبذیر کرے گا[6] پھر مسلمانوں یا بیت المال پر بوجھ بنے گا۔ "۳۰۸ان"

۵۔ سفر: شریعت کی مقررہ مسافت طے کرنے والا مسافر چار رکعت والی نماز میں قصر کرے گا، روزہ مؤخر کرے گا، تین دن تین رات موزوں پر مسح کرے گا اور سنن واجب کو[7] سواری پر اشارہ سے بھی ادا کرسکتا ہے۔ قبلہ رو ہونا بھی اس کے لیے ضروری نہیں۔ "۳۰۹ان"

۶۔ خطاء: خطا کا مطلب ہے کوئی کام بلا ارادہ ہو جانا یا ارادہ کے خلاف ہو جانا لہٰذا اگر مجتہد سے اپنی تمام تر مخلصانہ کوشش کے بعد استخراج مسائل وحکم شرعی میں خطا ہو جائے تو وہ آثم وماخوذ نہیں[8] بلکہ ایک گونہ اجر وثواب کا مستحق ہے۔ قتل اگر خطاءً ہوا ہو تو اس پر حد یا قصاص نہیں۔ اسی طرح زفاف میں[9] اگر خطاءً کسی اجنبی عورت سے وطی کرلی[10] تو اس پر حد زنا نہیں لیکن خطاءً حقوق العباد میں عذر مسموع نہیں خاطی کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ "۳۱۰ان"

۷۔ اکراہ: مُکرَہ[11] کے لئے حالت اکراہ میں بعض صورتوں میں عمل فرض ہوتا ہے جیسے اپنی جان بچانے کے لئے مردار کھانا اور شراب پی لینا اور بعض صورتوں میں اس پر عمل کرنا حرام جیسے زنا کرنا اور کسی بے گناہ کو قتل کرنا اور بعض صورتوں میں عمل مباح ہے جیسے روزہ توڑنا اور بعض صورتوں میں عمل کرنا رخصت ہے جیسے بہ کراہتِ قلب وبعدمِ رضا بادلِ ناخواستہ اپنی جان بچانے کی خاطر فقط زبان سے کلمہ کفر ادا کردینا۔[12] "۳۱۱ان"

---

1 ...... یعنی کھیل کود۔ 2 ...... قسم۔

3 ...... "الدرالمختار" و "ردالمحتار"، كتاب البيوع، مطلب: في حكم البيع مع الهزل، ج۷، ص۱۷.

4 ...... یعنی فضول خرچی سے ضائع کرنا۔ 5 ...... یعنی امام ابویوسف وامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ۔

6 ...... یعنی فضول خرچی کرے گا۔

7 ...... سننِ واجب سے مراد سننِ مؤکدہ ہیں اور اس میں سنّتِ مؤکدہ وغیرِ مؤکدہ اور نفل سب شامل ہیں سوائے سنّتِ فجر کے، کہ ایک روایت میں سنّتِ فجر کو واجب بھی کہا گیا ہے، تفصیل کے لیے "البحرالرائق"، ج ۲، ص ۱۱۳، ۱۱۴، "ردالمحتار"، ج ۲، ص ۵۸۸، بہارِ شریعت، ج ۱، حصہ دوم، ص ۲۸۳، حصہ چہارم، ص ۶۷۱، ۶۷۳ ملاحظہ فرمالیں۔۔۔۔ علمیہ

8 ...... یعنی گنہگار وقابل مؤاخذہ نہیں۔ 9 ...... یعنی سہاگ رات میں۔ 10 ...... یعنی ہم بستری کرلی۔

11 ...... یعنی جس پر اکراہ کیا گیا۔ 12 ...... "نورالأنوار"، بيان الأهلية، ج۲، ص۱۸۳-۲۱۱.

تخفیفاتِ شرعیہ: ۷ اسباب تخفیف وتیسیر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ شریعت مطہرہ نے وہ تخفیفات اور سہولتیں بھی معین فرمادی ہیں جو ان اسباب میں سے کسی سبب تخفیف کے موجود ہونے کی صورت میں دی گئی ہیں یہ سہولتیں بھی سات قسم کی ہیں:

(۱) بوقتِ عذرِ شرعی اسقاط عبادت کی تخفیف وسہولت جیسے جنون واغماء ممتد کی صورت میں فرضیت نماز کا سقوط وغیرہا (۲) تخفیف تنقیص (کم کرنا) جیسے حالت سفر میں نماز قصر کرنا (۳) تخفیف ابدال جیسے وضو اور غسل کے بدلے میں تیمم، نماز میں قیام کے بدلے قعود اور روزہ کے بدلے فدیہ وغیرہا (۴) تخفیف تقدیم جیسے حج کے موقع پر عرفات میں ظہر کی نماز سے ملا کر نماز عصر ادا کرنا اور زکوۃ وصدقہ فطر کو پہلے ہی ادا کرنا (۵) تخفیف تاخیر جیسے حج کے دنوں میں مزدلفہ میں نماز مغرب کو مؤخر کر کے وقتِ عشاء میں پڑھنا اور مریض ومسافر کے لئے روزہ مؤخر کرنا اور کسی ڈوبنے والے کو بچانے کے لئے نماز مؤخر کر دینا (۶) تخفیف ترخیص جیسے نجاست خفیفہ ربع ثوب سے کم تک [1] لگ جانے کی صورت میں یا نجاست غلیظ بقدر ایک درہم لگی ہونے کی صورت میں نماز پڑھنے کی رخصت (۷) تخفیف تغییر جیسے بوقت جہاد دشمن کے خوف سے نماز کے نظم میں تغییر۔ [2] "۵۷"

قاعدہ نمبر ۱۳:

اَلْمَشَقَّةُ وَالْحَرَجُ إِنَّمَا يُعْتَبَرَانِ فِيْ مَوْضَعٍ لا نَصَّ فِيْهِ

یعنی مشقت اور حرج کا اعتبار اس جگہ ہے جہاں نص شرعی موجود نہ ہو اگر کسی مسئلہ میں نص موجود ہے تو پھر اس کا اعتبار نہ کیا جائیگا۔ جیسے حرم کی گھاس اُکھاڑنا کہ اس پر نص موجود ہے کہ یہ جائز نہیں لہٰذا یہاں اس قاعدہ کا اعتبار نہیں۔ [3]

قاعدہ نمبر ۱۴:

الأَمْرُ إِذَا ضَاقَ اتَّسَعَ وَإِذَا اتَّسَعَ ضَاقَ

یعنی معاملہ جب تنگ ودشوار ہو جائے تو وسعت ملتی ہے اور جب وسیع ہو تو سخت کیا جاتا ہے۔ بعض فقہاء نے ان دونوں قاعدوں کو ایک جملہ میں جمع کر دیا ہے "كُلُّ مَاتَجَاوَزَعَنْ حَدِّهٖ اِنْعَكَسَ اِلٰى ضِدِّهٖ" ہر وہ چیز جو اپنی حد سے آگے بڑھ جائے اپنی ضد کی طرف لوٹ جاتی ہے [4] جیسے نماز کا وقت اگر زیادہ تنگ ہو جائے اس وقت وضو کی سنن ترک کی جاسکتی ہیں اور اگر وقت میں گنجائش ہے تو وضو میں زیادہ پانی بہانا یا وضو کے فرائض وسنن اور مستحبات پر اضافہ جائز نہیں۔

---

1 ...... بہارِ شریعت میں اس مقام پر "نجاستِ خفیفہ ربع ثوب تک" لکھا ہوا تھا، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اصل میں عبارت اس طرح ہے "نجاستِ خفیفہ ربع ثوب سے کم تک"، اسی وجہ سے ہم نے متن میں "سے کم" کا اضافہ کر دیا ہے، تفصیل کے لیے بہارِ شریعت ج۱، حصہ دوم، ص۳۸۹، ۳۹۰ ملاحظہ فرمائیے۔ ... علمیه

2 ......"الأشباه والنظائر"، الفن الأول: القواعد الكلية، النوع الأول، القاعدة الرابعة، ص ۷۱، ۷۲.

3 ......"الأشباه والنظائر"، الفن الأول: القواعد الكلية، النوع الأول، القاعدة الرابعة، ص ۷۲.

4 ......المرجع السابق.

قاعدہ نمبر۱۵:

اَلضَّرَرُ یُزَالُ "۵۸"

یعنی ضرر ونقصان کو دور کیا جائے۔اس قاعدہ کی بنیاد یہ حدیث پاک ہے"لا ضَرَرَ وَلا ضِرَارَ"[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے بھائی کو نہ ابتداءً ضرر پہنچائے نہ ضرر کے انتقام اور بدلہ میں انتہاءً اس قاعدہ پر بھی بہت سے مسائل فقہیہ کی بنیاد ہے۔اس قاعدہ کے پیشِ نظر مشتری کو خیارِ عیب حاصل ہے کہ اگر اس کی خریدی ہوئی چیز میں عیب ہے تو اسے واپس کرنے کا اختیار ہے اور شریک اور پڑوسی کو اپنے سے دفعِ ضرر کے لئے حقِ شفعہ حاصل ہے۔اس قاعدہ کی رو سے وہ وقف جائز نہیں جس کا مقصد قرض خواہوں کو محروم کرنا ہو۔کسی ایسی بلند جگہ پر چڑھنا جہاں سے دوسروں کی عورتوں کی بے پردگی ہو یہ باآواز بلند اعلان کیئے بغیر جائز نہیں۔[2]

قاعدہ نمبر۱۶:

اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ

یعنی ضرورتیں ممنوعات کو جائز کردیتی ہیں اس قاعدہ کی اصل قرآن پاک کی یہ آیت ہے:﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِؕ ﴾[3]

اس قاعدہ کے ماتحت بہ حالت اضطرار مردار سے بقدرِ ضرورت کچھ کھالینا یا شراب کا گھونٹ پی لینا یا اکراہ کی حالت میں جان بچانے کے لئے بکراہت قلب[4] کلمۂ کفر ادا کردینا جائز ہے۔اسی طرح اس قاعدہ کے مطابق اگر کشتی میں اتنا سامان بھر دیا کہ اس کے ڈوبنے کا خطرہ ہے اور اس میں مسافروں کی جان کا خطرہ ہے تو اس میں سے مال نکال کر سمندر میں پھینک دینا جائز ہے اور کشتی کو بچانا جائز ہے حالانکہ عام حالات میں دوسرے کا مال ضائع کرنا حرام ہے۔[5] "۵۸"

---

1 ......"سنن ابن ماجة"، كتاب الأحكام، باب من بنى فى حقه...إلخ،الحديث:۲۳۴۰،ج۳،ص۱۰۶.

2 ......"الأشباه والنظائر"،الفن الأوّل:القواعدالكلية،النوع الاوّل،القاعدة الخامسة،ص۷۲،۷۳.

3 ......پ۲،البقرة:۱۷۳.

ترجمۂ کنزالایمان: اس نے یہی تم پر حرام کیے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا تو جو ناچار ہو نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر گناہ نہیں بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

4 ......یعنی دلی ناپسندیدگی کے ساتھ۔

5 ......"الأشباه والنظائر"،الفن الأوّل:القواعد الكلية،النوع الاوّل،القاعدة الخامسة،ص۷۳.

و"غمزعيون البصائر"،الفن الاول فى القواعدالكلية،النوع الاوّل،القاعدة الخامسة،ج۱،ص۲۵۱،۲۵۲.

قاعدہ نمبر ۱۷:

مَا اُبِيحَ لِلضَّرُوْرَةِ يُقَدَّرُ بِقَدْرِهَا "۵۸"

یعنی جو چیز ضرورت کے تحت جائز ہے وہ صرف بقدرِ ضرورت ہی جائز ہے۔ مردار کھانا یا شراب پی لینا صرف اتنا ہی جائز ہے جس سے جان بچ جائے۔ زیادہ بالکل نہیں۔ اسی طرح طبیب کو بوقتِ ضرورت شرعی پردہ کی جگہ کا صرف وہ حصہ دیکھنا جائز ہے جس کے دیکھنے کی ضرورت ہے زیادہ نہیں اسی طرح دایہ کو، دارالحرب میں بقدرِ ضرورت دشمن کے مال سے کھانا حاصل کیا جائے گا اور جانوروں کا چارہ، جلانے کے لئے لکڑی اور ہتھیار وغیرہ لینا جائز ہے جب کہ مالِ غنیمت کی ابھی تقسیم نہ ہوئی ہو اور اگر ضرورت سے بچ رہا تو مالِ غنیمت میں واپس کردیا جائے گا۔[1] (کنز) "۵۹"

قاعدہ نمبر ۱۸ (الف):

مَا جَازَ بِعُذْرٍ بَطَلَ بِزَوَالِهٖ "۵۹"

یعنی جو چیز کسی عذر کی وجہ سے جائز ہوئی تو اگر عذر زائل ہوجائے تو اس کا جواز بھی باطل ہوجائے گا جیسے پانی کے استعمال کرنے پر قادر نہ تھا تو تیمّم کرنا جائز ہے اور پانی کے استعمال پر قادر ہوگیا تیمّم باطل ہوجائے گا۔[2]

قاعدہ نمبر ۱۸ (ب): اَلضَّرَرُ لَا يُزَالُ بِالضَّرَرِ

یعنی نقصان کو نقصان پہنچا کر زائل نہ کیا جائے گا جیسے ایک شخص جو حالتِ اضطرار میں ہے دوسرے ایسے اشخاص کا کھانا نہیں کھا سکتا جو خود بھی حالتِ اضطرار میں ہے۔[3]

قاعدہ نمبر ۱۹:

يُتَحَمَّلُ الضَّرَرُ الْخَاصُ لِأَجْلِ دَفْعِ الضَّرَرِ الْعَامِ "۵۹"

یعنی ضررِ خاص کو برداشت کرلیا جائے گا ضررِ عام سے بچنے کے لئے جیسے ان کافروں پر گولہ باری یا تیراندازی کی جائے گی جو خود کو بچانے کے لئے مسلمانوں کے بچوں کو ڈھال بنالیں۔ اسی طرح اس بوسیدہ دیوار کو گرادیا جائے گا جو راستہ کی طرف جھک گئی ہو اور جس کے گرنے سے راہگیروں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اگرچہ اس کا مالک رضامند نہ ہو۔ ایسے ہی نان فروش اگر روٹیوں کی قیمت زیادہ بڑھادیں تو بھاؤ مقرر کیا جائے گا اگر غلہ فروش قحط کے زمانے میں مہنگا بیچنے کے لیے غلہ اسٹور کریں تو ان کا

---

1 ...... "الأشباه والنظائر"، الفن الأوّل: القواعد الكلية، النوع الاوّل، القاعدة الخامسة، ص۷۳، ۷۴.
و"كنز الدقائق"، كتاب السير والجهاد، باب الغنائم وقسمتها، ص۲۰۳.

2 ...... "الأشباه والنظائر"، الفن الأوّل: القواعد الكلية، النوع الاوّل، القاعدة الخامسة، ص۷۴.

3 ...... المرجع السابق.

غلہ جبراً فروخت کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر باپ اولاد کا واجب الادا نفقہ نہ دے اور انھیں فاقہ کشی پر مجبور کرے تو باپ کو ان کے نفقہ کی ادائیگی کے لئے قید کیا جائے گا۔ غیر سنجیدہ وعدیم الحیا مفتی کو اور جاہل طبیب کو فتویٰ دینے اور علاج کرنے سے روکنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے زمین غصب کر لی اور اس پر عمارت بنالی یا پیڑ لگا دیئے تو اگر زمین کی قیمت عمارت یا پیڑوں کی قیمت سے زیادہ ہے تو عمارت گرادی جائے گی یا پیڑ اکھڑوا دیئے جائیں ورنہ زمین غصب کرنے والا زمین کی پوری قیمت کا ضامن ہوگا اس سے مالک کو زمین کی قیمت دلوائی جائے گی۔ [1]

قاعدہ نمبر۲۰:

مَنِ ابْتُلِیَ ببلِیَّتَیْنِ وَهُمَا مُتَساوِیَتَانِ یَأْخُذُ بِأَیِّهِمَا شَاءَ وَإِنِ اخْتَلَفَتَا یَخْتَارُ أَهْوَنَهُمَا "٦١"

اگر کوئی شخص دو مصیبتوں میں گرفتار ہو جائے اور دونوں برابر کی ہوں تو جس کو چاہے اختیار کرے اور اگر دونوں برابر کی نہ ہوں تو ان میں سے جو ہلکی ہو اُسے اختیار کرے کیونکہ حرام کا ارتکاب بوجہ مجبوری جائز کیا گیا ہے لہٰذا کم سے کم ہو اس لئے بڑی مصیبت کو ترک کر دے کہ اس میں بلاضرورت زیادہ حرام کرنا پڑے گا۔ جیسے کسی کے جسم میں زخم ہے اگر وہ سجدہ کرتا ہے تو زخم بہنے لگتا ہے اور زخم بہے گا تو وضو ٹوٹے گا جسم ناپاک ہوگا اور سجدہ نہیں کرتا تو زخم نہیں بہتا اس صورت میں نماز کا سجدہ ترک کرنا پڑے گا تو وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے اور رکوع وسجدہ اشارہ سے ادا کرے کیونکہ سجدہ ترک کر دینا اس سے کمتر ہے اور آسان ہے کہ نماز حالتِ حدث اور نجس جسم کے ساتھ پڑھے۔ ایسے ہی اگر کوئی ضعیف وناتواں بوڑھا ہے اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے تو قراءت قرآن نہیں کر سکتا اور بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو قراءت کر لیتا ہے وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے گا اور قیام ترک کر دے گا کیونکہ ترک قیام تو نوافل میں بھی جائز ہے مگر ترک قراءت قرآن جائز نہیں ایسے ہی کوئی جاں بلب فاقہ زدہ ہے [2] اس کے پاس کھانے کے لیے مردار ہے اور کسی دوسرے کا کھانا ہے تو اسے مال غیر حلال نہیں بقدر ضرورت مردار کھائے گا یہ اَھْوَن ہے۔ بعض فقہاء کا قول ہے کہ مردار نہیں کھائے گا مال غیر کھائے گا ابن سماعہ وطحاوی اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے [3] ابن سماعہ فرماتے ہیں: مال غیر کو غصب کرنا مردار کھانے سے اھون ہے۔ [4]

قاعدہ نمبر۲۱:

دَرْءُ الْمَفَاسِدِ أَوْلٰی مِنْ جَلْبِ الْمَصَالِحِ "٦٢"

''یعنی خرابیوں کو دور کرنا زیادہ بہتر ہے حصولِ منافع سے'' پس جب مفاسد اور مصالح میں تضاد واقع ہو تو مصالح کو ترک

---

1. ......"الأشباه والنظائر"،الفن الأوّل:القواعدالكلية،النوع الاوّل،القاعدة الخامسة،ص٧٤،٧٥.
2. ......یعنی بھوک کی وجہ سے اس کی جان پر بنی ہوئی ہے۔
3. ......"اشباہ" اور دیگر کتب فقہ میں ہے کہ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایسی صورت میں مضطر کو اختیار ہے چاہے تو مردار کھالے چاہے تو مال غیر۔۔۔ علمیه
4. ......"الأشباه والنظائر"،الفن الأوّل:القواعدالكلية،النوع الاوّل،القاعدة الخامسة،ص٧٦،٧٧.

کر کے مفاسد کو دور کیا جائے گا کیونکہ شریعت مطہرہ کی توجہ محرمات وممنوعات ومفاسد کو دور کرنے میں زیادہ سخت ہے بہ نسبت ماموراتِ ومصالح کو بروئے کار لانے کے، سیدالکائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ [1]

یعنی جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو حتی المقدور اسے بجالاؤ اور جب کسی شے سے منع کروں تو اس سے دور رہو۔

صاحب الکشف نے یہ حدیث روایت کی ہے: لَتَرْكُ ذَرَّةٍ مِمَّا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ [2]

یعنی منہیات الٰہیہ میں سے ایک ذرہ سے بھی اجتناب کرنا اور بچنا جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔

فتاویٰ بزازیہ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: مَنْ لَمْ يَجِدْ سُتْرَةً تَرَكَ الْاِسْتِنْجَاءَ وَلَوْ عَلٰى شَطِّ نَهْرٍ [3]

جسے سترہ نہ ملے (یعنی پردہ کرنے کی چیز) وہ استنجاء کو ترک کرے خواہ وہ نہر کے کنارے پر ہو۔

عورت پر غسل واجب ہوا اور وہ مردوں سے پردہ کی جگہ نہ پائے تو غسل موخر کرے گی اور مرد پر اگر غسل واجب ہے اور اسے مردوں سے پردے کی جگہ نہ ملے تو غسل کو موخر نہ کرے گا کیسے بھی ہو غسل کرے گا لیکن اگر مرد کو استنجاء کے لئے پردہ کی جگہ نہ ملے تو استنجاء موخر کرے گا۔ غسل اور استنجاء میں یہ فرق اس لئے ہے کہ نجاست حکمیہ نجاست ظاہری سے اقویٰ ہے۔ ایسے ہی اگرچہ وضو میں کلی کرنے اور ناک صاف کرنے میں مبالغہ کرنا مسنون ہے لیکن بحالت روزہ یہ عمل مکروہ ہے مبادا پانی اندر پہنچ جائے اور روزہ کو توڑ دے۔ کبھی مصالح مفاسد پر بدرجہا غالب ہوتے ہیں ایسی صورت میں مصالح کو اختیار کیا جائے جیسے متحارب گروہوں [4] کے درمیان صلح کرانے کے لیے دروغ بیانی [5] کرنا جائز ہے حالانکہ دروغ منہیات شرع سے ہے [6]۔ [7]

قاعدہ نمبر ۲۲:

اَلْحَاجَةُ تَنَزَّلُ مَنْزِلَةَ الضَّرُوْرَةِ "۲۳"

یعنی حاجت ضرورت کا مقام حاصل کر لیتی ہے۔ اسی قاعدہ کے ماتحت اجارہ کا جواز ہے اگرچہ اجارہ داری خلاف قیاس

---

1. ......"صحیح مسلم"، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة فی العمر، الحدیث: ۴۱۲۔(۱۳۳۷)، ص ۶۹۸.
و"صحیح البخاری"، کتاب الاعتصام... إلخ، باب الاقتداء بسنن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم، الحدیث: ۷۲۸۸، ج ۴، ص ۵۰۲.
2. ......"کشف الأسرار"، المتشابه، ج ۱، ص ۱۵۴.
3. ......
4. ......یعنی آپس میں دو لڑنے والے گروہ۔ 5. ......یعنی جھوٹ بولنا۔ 6. ......یعنی جھوٹ ممنوعات شریعت میں سے ہے۔
7. ......"الأشباہ و النظائر"، الفن الأوّل: القواعد الکلیة، النوع الاوّل، القاعدة الخامسة، ص ۷۸.

ہے مگر یہ ایک حاجت ہے جو ضرورت بن گیا ہے۔ ایسے ہی بیع سلم کا جواز خلاف قیاس ہے کیونکہ یہ معدوم شے کی بیع ہے [1] مگر غرباء کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس کا جواز ہے۔ اسی قاعدہ کے ماتحت جب حاجت شدید داعی ہوئی تو بیع الوفاء کے جواز کا فتویٰ ہوا۔ [2]

قاعدہ نمبر۲۳:

اَلْعَادَةُ مُحَكَّمَةٌ ''۶۳''

یعنی عادت حکم شرعی کی بنیاد ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جو چیز عرف وعادت کے لحاظ سے درست ہو شریعت اسے جائز قرار دیتی ہے۔ [3] یہ قاعدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم کی اس حدیث سے ماخوذ ہے۔

مَارَآهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَناً فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ [4]

یعنی وہ چیز جس کو مسلمان (اہلِ علم واہل تقویٰ) اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس کو حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں روایت کی ہے بعض محدثین اسے مرفوع کہتے ہیں اور بعض اس کو موقوف کہتے ہیں۔ [5] عرف وعادت کی تعریف علامہ ابن عابدین علیہ الرحمہ اپنی کتاب ''شرح عقود رسم المفتی المنظوم'' میں فرماتے ہیں: قَالَ فِی ''الْمُسْتَصْفٰی'': **اَلْعَادَةُ مَااسْتَقَرَّفِی النُّفُوْسِ مِنْ جِهَةِ الْعُقُوْلِ وَتَلَقَّتْهُ الطِّبَاعُ السَّلِيْمَةُ بِالْقُبُوْلِ وَفِیْ ''شَرْحِ التَّحْرِيْرِ'' اَلْعَادَةُ هِیَ الأَمْرُ الْمُتَكَرِّرُمِنْ غَيْرِعِلَاقَةٍ عَقْلِيَّةٍ** [6]

اور ''الأشباہ والنظائر'' میں علامہ زین الدین ابن نجیم الحنفی المصری فرماتے ہیں: وذکر الامام الھندی فی ''شرح المغنی'' **اَلْعَادَةُ عِبَارَةٌ عَمَّا يَسْتَقِرُّفِی النُّفُوْسِ مِنَ الأُمُوْرِالْمُتَكَرِّرَةِ الْمَقْبُوْلَةِ عِنْدَالطِّبَاعِ السَّلِيْمَةِ** [7]

ان سب کا مفہوم ومطلب یہ ہے کہ انسان دیدہ ودانستہ کسی کام کو بار بار کرتے ہوئے اس درجہ پر پہنچ جائے کہ بلا تکلف

---

1 ...... یعنی ایسی چیز کی بیع ہے جو ابھی موجود نہیں۔

2 ...... ''الأشباہ والنظائر''، الفن الأوّل: القواعد الکلیة، النوع الاوّل، القاعدۃ الخامسة، ص۷۸، ۷۹.

3 ...... المرجع السابق، القاعدۃ السادسة، ص۷۹.

4 ...... ''المسند'' الامام احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن مسعود، الحدیث: ۳۶۰۰، ج۲، ص۱۶.

5 ...... ''کشف الخفاء''، حرف المیم، الحدیث: ۲۲۱۲، ج۲، ص۱۶۸.

و''الأشباہ والنظائر''، الفن الأوّل: القواعد الکلیة، النوع الاوّل، القاعدۃ السادسة، ص۷۹.

6 ...... ''مجموعة رسائل ابن عابدین''، الرسالة الثانیة شرح عقود رسم المفتی، الجزالاول، ص۴۴.

7 ...... ''الأشباہ والنظائر''، الفن الأوّل: القواعد الکلیة، النوع الاوّل، القاعدۃ السادسة، ص۷۹.

اس سے اس کام کا صدور ہونے لگے وہ اگر قول ہے تو وہ بلا تکلف اسی معنی میں سمجھا جانے لگے جس میں وہ حقیقت کے برخلاف استعمال کیا جارہا ہے۔ صاحب الاشباہ نے عرف وعادت کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں:

(۱)اَلْعُرْفِیَّۃُ الْعَامَّۃُ (۲)وَالْعُرْفِیَّۃُ الْخَاصَّۃُ (۳)وَالْعُرْفِیَّۃُ الشَّرْعِیَّۃُ[1] "۶۴۰"

عرف اور عادت کو فقہائے کرام نے بڑی اہمیت دی ہے فقہ کے کثیر مسائل کا حکم عرف وعادت پر مبنی ہے "مبسوط" میں ہے: جو چیز عادت اور عرف کے ذریعہ ثابت ہوجائے وہ ایسی ہے جیسے نص شرعی سے ثابت ہو۔"ردالمحتار" جلد پنجم میں جہاں نابالغوں کے سن بلوغ سے بحث کی گئی ہے اسی موقع پر فرمایا کہ "ان معاملات میں جہاں نص شرعی موجود نہ ہو عرف وعادت ہی شرعی حجت ہے۔"[2]

امام شہاب الدین القرافی فرماتے ہیں: "احکام عرف اور عادت کے ساتھ ساتھ نافذ ہوتے رہتے ہیں۔"

عادت کس چیز سے اور کس طرح ثابت ہوتی ہے مختلف امور میں اس کے مختلف طریقے ہیں:

۱۔کبھی عادت ایک ہی دفعہ سے ثابت وتسلیم ہوجاتی ہے جیسے وہ لڑکی جسے پہلی بار حیض آیا تو جتنے دن یہ رہے گا اتنے ہی دن اس کی عادت شمار ہوگی لیکن تربیت کیے ہوئے شکاری کتے کی عادت اس وقت تسلیم ہوگی جب وہ مسلسل تین بار شکار کرکے اسے نہ کھائے۔

۲۔عرف وعادت کا اعتبار اس وقت ہے جب وہ عام ہو اور غالب ہو۔ جب تک عام لوگوں میں اس کا رواج عام نہ ہوجائے اس کو حکم شرعی کی بنیاد نہیں بنایا سکتا۔

۳۔عادت اور عرف جب عام رواج ہوجائیں تو کیا وہ شرط کا درجہ حاصل کرلیتے ہیں۔

فتاویٰ ظہیریہ مبحث الاجارہ میں ہے: اَلْمَعْرُوْفُ عُرْفًا کَالْمَشْرُوْطِ شَرْعًا۔

بزازیہ میں ہے: اَلْمَشْرُوْطُ عُرْفًا کَالْمَشْرُوْطِ شَرْعًا

۴۔الفاظ کا مفہوم حقیقت کے خلاف عرف پر اس وقت محمول کیا جائے گا جب وہ عرف ایک زمانے سے چلا آرہا ہو کسی نئے رواج وعرف پر الفاظ کو حقیقت کے خلاف محمول نہ کیا جائے گا اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ "لَا عِبْرَۃَ بِالْعُرْفِ الطَّارِیءِ" نیز یہ کہ عرف کا اعتبار معاملات میں ہے تعلیق میں نہیں۔ تعلیق میں وہ اپنے حقیقی معنی اور اصلی مفہوم میں لیا جائے گا جیسے کسی ظالمہ بیوی نے اپنے شوہر سے کہلوایا کہ میں اگر تیرے اوپر کسی عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق اس نے یہ کہہ دیا اور نیت یہ کی کہ

---

1 ......"الأشباہ والنظائر"، الفن الأوّل: القواعد الکلیۃ، النوع الاوّل، القاعدۃ السادسۃ، ص۷۹.

2 ......"ردالمحتار"، کتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام... إلخ، ج۹، ص۲۶۰.

اگر میں تیرے اوپر یعنی تیرے کندھوں پر یا کمر پر بٹھا کر کسی عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق، تو اس کی یعنی شوہر کی نیت کے مطابق عمل کیا جائے گا کیونکہ اس نے اپنے الفاظ سے حقیقی معنی مراد لئے ہیں اور اس کی بیوی نے ظلماً اسے یہ قسم دلائی تھی اور مظلوم کی نیت اس کی قسم میں معتبر ہے نیز اس کا یہ کلام از قسم تعلیق ہے اور تعلیق میں عرف کا اعتبار نہیں اس لئے اس کا کلام عرف پر محمول نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ کسی عورت سے نکاح کرے گا تو اسے طلاق واقع نہ ہوگی۔

۵۔عرف اور شرع میں جب تضاد ہوگا تو عرف الاستعمال مقدم رکھا جائے گا خصوصاً اَیْمَان میں لہٰذا اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ وہ فرش یا بساط پر نہیں بیٹھے گا یا یہ قسم کھائی کہ وہ سراج (چراغ) سے روشنی حاصل نہیں کرے گا پھر وہ زمین پر بیٹھا یا سورج سے روشنی حاصل کی تو وہ حانث نہیں ہوگا (یعنی اس کی قسم نہ ٹوٹے گی) اگرچہ قرآن کریم میں زمین کو فراش اور بساط فرمایا گیا ہے اور سورج کو سراج فرمایا گیا ہے مگر یہاں اس کے عرفی معنی مراد لئے جائیں گے۔اسی طرح اگر اس نے قسم کھائی کہ وہ گوشت نہیں کھائیگا پھر اس نے مچھلی کھائی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ عرف میں گوشت کا استعمال مچھلی کے گوشت میں نہیں ہوتا۔اگرچہ قرآن کریم نے مچھلی کے لئے لَحْماً طَرِیّاً[1] کا لفظ استعمال کیا ہے اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں۔[2]

۶۔عرف اور لغوی معنی میں جب تضاد ہوگا تو عرف میں اگر شرائط معتبرہ پائی گئیں تو لفظ کو عرف پر محمول کیا جائے گا لغوی معنی پر نہیں زیلعی وغیرہ نے یہ تصریح فرمائی ہے:اِنَّ الأَیْمَانَ مَبْنِیَّةٌ عَلَی الْعُرْفِ لا عَلَی الْحَقَائِقِ اللُّغْوِیَّةِ[3] اَیمان عرف پر مبنی ہوتے ہیں نہ کہ لغوی معنی پر۔اس پر مسائل متفرعہ میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ روٹی نہیں کھائے گا تو وہ صرف اس صورت میں حانث ہوگا جب وہ روٹی کھائے جو اس کے شہر میں بالعموم کھائی جاتی ہے جیسے مغربی یوپی اور پنجاب میں گیہوں کی روٹی،اور بقول صاحب الاشباہ والنظائر ان کے زمانے میں قاہرہ[4] میں گیہوں کی روٹی،طبرستان میں چاول کی روٹی، زبید[5] میں باجرہ کی روٹی کھانے سے حانث ہوجائے گا اگر ان تمام علاقوں میں مروج روٹی کے علاوہ کسی اور چیز سے بنی ہوئی روٹی کھائی تو حانث نہ[6] ہوگا۔[7]

---

1 ......یعنی تازہ گوشت۔

2 ......"الأشباه والنظائر"،الفن الأوّل:القواعدالكلية،النوع الاوّل،القاعدة السادسة،ص ۸۲.

3 ......"تبيين الحقائق"،كتاب الأيمان،باب في الدخول...إلخ،ج۳،ص۴۳۹ .

و"الأشباه والنظائر"،الفن الأوّل:القواعدالكلية،النوع الاوّل،القاعدة السادسة،ص۸۳.

4 ......مصر کا دارالحکومت۔

5 ......یمن کے ایک شہر کا نام۔

6 ......بہارشریعت میں اس مقام پر"حانث ہوگا" لکھا ہوا تھا،جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اصل کتاب میں عبارت اس طرح ہے "حانث نہ ہوگا"،اسی وجہ سے ہم نے متن میں تصحیح کردی ہے۔...**علمیه**

7 ......"الأشباه والنظائر"،الفن الأوّل:القواعدالكلية،النوع الاوّل،القاعدة السادسة،ص۸۳.

تنبیہ:

عرف وعادت پرشریعت کے بے شمار احکام ومسائل کا دارومدار ہے اور یہ تمام غیر منصوص علیھا مسائل میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں لیکن عرف وعادت اور ایسے ہی عموم بلوٰی کو سمجھنے کے لئے بڑے وسیع مطالعہ اور دقت نظر کی ضرورت ہے۔ مفتیانِ کرام کو ان تمام اُمور سے واقفیت رکھنا ضروری ہے ورنہ وہ مسئلہ کا حکم بیان کرنے میں اکثر وبیشتر غلطیوں کا شکار ہوسکتے ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں عرف اور اس سے مستخرجہ مسائل پر سیر حاصل اور مفصل بحثیں کی گئی ہیں۔ مفتی کے لئے ان کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ فقہائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں عرف وعادت کے مقابلہ میں کسی شے کے مفہوم کی وضاحت وتعین میں حقیقت کو ترک کردیا جائے گا۔[1] ''الاشباہ'' میں ہے: عادت وعرف وہی معتبر ہے جب اس کا استعمال عرف وعادت میں غالب ہوگیا ہو۔ اسی لئے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی شہر میں مختلف قسم کے درہم ودینار چل رہے ہوں (یعنی مختلف قسم کے سکے چل رہے ہوں) وہاں اگر کسی نے کوئی چیز دس درہم یا دس دینار میں خریدی یا فروخت کی تو بائع وہ درہم یا دینار لینے کا مستحق ہوگا جن کا غالب چلن وہاں کا عرف و عادت ہو۔ اگر خریدار کوئی دوسرا سکہ یا دوسرے قسم کے درہم ودینار دینا چاہے تو بائع کو (بیچنے والے کو) انکار کا حق ہوگا۔[2] ''شرح بیری'' میں بہ حوالہ ''مبسوط'' بیان کیا گیا ہے جو چیز عرف سے ثابت ہو وہ ایسی ہے جیسے نص سے ثابت ہو۔[3] (رسائل ابن عابدین)

فائدہ:

بہت سے وہ احکام جن پر صاحب مذہب مجتہد نے اپنے زمانے کے عرف وعادت کی بنیاد پر نص قائم کی زمانہ اور حالات کے بدل جانے سے تبدیل ہوگئے ہیں اہل زمانہ میں فساد آجانے کی وجہ سے یا عموم ضرورت کی وجہ سے جیسے تعلیم القرآن کی اجرت کا جواز اور ظاہری عدالت پر اکتفاء نہ کرنا[4] اور غیر سلطان سے اکراہ کا تحقق کیونکہ فقہائے متقدمین کے زمانہ میں اکراہ صرف بادشاہ ہی سے متحقق ہوسکتا تھا غیر سلطان سے اکراہ نہیں ہوسکتا تھا لیکن بعض عوام الناس میں سے لوگ قتل و خونریزی پر اتنے جری ہوگئے کہ ان سے بھی اکراہ کا تحقق ہوگیا فقہائے متقدمین ضمان مباشر پر واجب کرتے تھے متسبب پر نہیں لیکن بعد میں ضمان متسبب پر عائد کیا گیا اس کی وجہ فساد اہل زمانہ اور حالات کا متغیر ہونا بیان کیا گیا ایسے ہی وصی اب مال یتیم میں مضاربت نہیں کرسکتا اور وقف اور یتیم کی زمین کا غاصب ضمان دے گا اور مکان موقوفہ ایک سال سے زیادہ اور وقف زمین کو تین سال سے زیادہ مدت کے لئے اجارہ پر نہیں دیا جائے گا اور قاضی کو اپنے ذاتی علم کی بنا پر فیصلہ دینے سے روکا جائے گا اور

---

1 ...... ''الأشباه والنظائر''، الفن الأوّل: القواعد الكلية، النوع الاوّل، القاعدة السادسة، ص٧٩.

2 ...... المرجع السابق، ص٨١.

3 ...... ''مجموعة رسائل ابن عابدين''، الرسالة الثانية شرح عقود رسم المفتي، ج١، ص٤٤.

4 ...... بہارِ شریعت میں اس مقام پر ''عدالت پر اکتفاء کرنا'' لکھا ہوا تھا، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اصل کتاب میں عبارت اس طرح ہے ''عدالت پر اکتفاء نہ کرنا''، اسی وجہ سے ہم نے متن میں تصحیح کردی ہے۔ ... علمیه

شوہر کو روکا جائے گا اس سے کہ وہ اپنی بیوی کو سفر میں ساتھ لے جائے (جبکہ بیوی رضامند ہو) اگرچہ شوہر نے اس کا مہر معجّل ادا کردیا ہو۔ (نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف، مجموعہ رسائل ابن عابدین وشرح عقود رسم المفتی)[1]

عرف وعادت کی بنیاد پر یہ حکم ہے کہ دخول کے بعد بیوی اگر یہ کہے کہ اس نے قبل دخول اپنا مہر معجّل وصول نہیں کیا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور اگر شوہر نے کہا کہ ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے تو اس کی بیوی مطلقہ ہوجائے گی بشرطیکہ یہ جملہ اور الفاظ اس علاقے میں طلاق کے لئے استعمال کئے جاتے ہوں (یعنی وہاں کا عرف یہ ہو) ایسی صورت میں اس کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر عرف وعادت میں ان الفاظ کا استعمال طلاق کے لیے نہیں ہے تو اس کی نیت کا اعتبار کرلیا جائے گا۔ اگر باپ یہ کہے کہ میں نے اپنی بیٹی کو جو سامان جہیز دیا، میں نے اپنی بیٹی کو اس کی تملیک نہیں کی[2] تو اس کا مدار عرف پر ہے اگر اس علاقہ کا عرف تملیک ہے تو جہیز کی ہر چیز بیٹی کی ملکیت قرار دی جائے گی ورنہ جیسا عرف ہو ویسا ہی حکم ہوگا۔ غرض یہ اور اس قسم کے صدہا مسائل کے جواز یا عدم جواز کا مدار عرف وعادت، فساد زمان، عموم بلویٰ، ضرورت اور قرائن احوال پر ہے ان میں سے کوئی حکم نہ مذہب سے خارج ہے نہ خلاف، کیونکہ مجتہد اگر اس زمانہ میں حیات ہوتے تو بلاشبہ یہی حکم شرعی بیان فرماتے یہی وہ نکتہ ہے جس نے مجتہدین فی المذاہب اور متاخرین میں سے صحیح وصواب پر نگاہ رکھنے والوں کو جرأت دلائی کہ وہ صاحب المذہب سے منقول کتب ظاہر الروایہ میں منصوص مسائل سے اختلاف کریں۔ عرف وعادت اگر زمانے کے تغیر سے تبدیل ہوجائیں اور نیا عرف وعادت بن جائے تو مفتی زمانہ کو نئے عرف وعادت کا لحاظ کرکے اس کے مطابق حکم شرعی بیان کرنا چاہیے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ چونکہ متقدمین فقہاء نے مفتی کے لئے اجتہاد کی شرط رکھی تھی جو اب مفقود ہوچکی ہے کیونکہ فی زمانہ کوئی فقیہ شرائط اجتہاد کو پورا نہیں کرتا اس لئے مجتہد مفتی تو اب معدوم ہوچکے ہیں پھر بھی عرف و عادت کے مطابق فتویٰ دینے کے لئے کم سے کم یہ شرط رکھی گئی ہے کہ مفتی وقت مسائل کی معرفت ان کی شروط وقیود کے ساتھ رکھتا ہو نیز اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کے عرف سے کما حقہ، واقف ہو اور اہل زمانہ کے حالات سے بھی واقفیت رکھتا ہو اور کسی ماہر استاذ سے اس نے مسائل کے استخراج کا طریقہ بھی سیکھا ہو "منیۃ المفتی" اور "قنیہ" میں بھی اس کی تصریح موجود ہے۔[3] (شرح عقود رسم المفتی المنظوم لابن عابدین) "۴۶"

فائدہ: قرینہ حال بھی حکم شرعی کی بنیاد بن سکتا ہے اس کا ثبوت قرآن پاک کی یہ آیت ہے:

---

1 ......"مجموعة رسائل ابن عابدين"، الرسالة الثانية شرح عقود رسم المفتي، الجزء الأول، ص٤٤.
و"مجموعة رسائل ابن عابدين، نشر العرف"، الجزء الثاني، ص١٢٦.

2 ......یعنی ملکیت میں نہیں دیا۔

3 ......"مجموعة رسائل ابن عابدين"، الرسالة الثانية شرح عقود رسم المفتي، الجزء الأول، ص٤٤، ٤٦.

﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ۝ ﴾[1]

یعنی بے شک اس میں نشانیاں ہیں اہل فراست کے لیے یعنی جو قرائن سے علم حاصل کر لیتے ہیں۔

دوسری آیت اس کے ثبوت کی یہ ہے:

﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ ﴾ الآیۃ[2]

یعنی اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی اگر ان کا کرتا آگے سے چرا ہے تو عورت سچی ہے اور انہوں نے غلط کیا اور اگر ان کا کرتا یعنی (یوسف علیہ السلام کا) پیچھے سے چاک ہوا[3] تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچے ہیں۔ یہ گواہی قطعاً قرینۂ حال کی بنیاد پر تھی اور علاماتِ ظاہری سے علم حاصل کر کے گواہی دی گئی جو شرعاً قبول ہوئی اس لئے قرینۂ حال اور علامات ظاہری بھی حکم شرعی کی ایک بنیاد تسلیم کیے گئے۔[4]

قاعدہ نمبر۲۴:

اَلاِجْتِهَادُ لا يَنْقُضُ بِالاِجْتِهَادِ

یعنی ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے ساقط نہیں ہوتا یعنی ٹوٹتا نہیں ہے اس قاعدہ کی بنیاد صحابہ کرام کا عمل ہے کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے چند مسائل کے سلسلے میں حکم صادر فرمایا جس کی مخالفت سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کی مگر سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کا حکم اس سے نہ ساقط ہوا نہ کالعدم اسی طرح فدک کے بارے میں خلیفہ اول کا حکم حضرت عباس حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے نہ ٹوٹا نہ ساقط ہوا۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک شخص کے خلاف فیصلہ دیا اس نے یہ بات حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو بتلائی آپ نے فرمایا اگر میں فیصلہ کرتا تو تمہارے حق میں کرتا۔ اس شخص نے عرض کیا کہ اب کیا چیز مانع ہے کہ آپ فیصلہ دیں آپ نے فرمایا چونکہ اس معاملہ میں کوئی نص شرعی ہے نہیں لہٰذا رائے اور اجتہاد دونوں برابر ہیں۔ اس قاعدہ پر جو مسائل متفرع ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ سمت قبلہ کے بارے میں کسی نے اجتہاد تحری کر کے اس طرف نماز شروع کی۔ درمیان میں اس کی رائے و اجتہاد بدل گیا اس نے رخ دوسری طرف کر لیا اسی طرح اس نے اگر چار رکعتیں چار سمت کی طرف رخ کر کے پڑھیں تو نماز درست ہے اس کی قضا نہیں دوسرے اجتہاد نے پہلے اجتہاد کو کالعدم و ساقط نہیں کیا اس لئے ہر رکعت صحیح ادا ہوئی اور وہ نماز قضا نہیں کرے گا۔ اگر قاضی نے کسی فاسق کی شہادت کو اس کے فسق و فجور کی

---

1 ......پ ۱۴، الحجر: ۷۵. 2 ......پ ۱۲، یوسف: ۲۶.

3 ......یعنی پھٹا ہوا۔

4 ......"مجموعة رسائل ابن عابدين"، الرسالة نشر العرف... إلخ، الجزء الثاني، ص ۱۲۸.

وجہ سے رد کر دیا پھر اس نے اپنے فسق سے توبہ کر کے اس شہادت کو دوبارہ دیا تو قبول نہیں کی جائے گی۔ (الاشباہ ۳۷ وغیرہا)[1]

قاعدہ نمبر ۲۵:

إِذَااجْتَمَعَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ غَلَبَ الْحَرَامُ

یعنی حلال اور حرام جب جمع ہوں گے تو غلبہ حرام کو ہوگا اس قاعدہ کے ماتحت اگر کتے اور بکری کے اختلاط سے بکری کے بچہ ہوا تو وہ حرام ہے اور سکھایا ہوا کتا جب بِسْمِ اللّٰه پڑھ کر شکار پر چھوڑا گیا پھر اس کے ساتھ کلب غیر معلم (یعنی غیر تربیت یافتہ کتا) شریک ہو گیا یا وہ کتا شریک ہو گیا جس کو بِسْمِ اللّٰه پڑھ کر نہ چھوڑا تھا تو وہ شکار حرام ہے (اگر وہ ذبح سے قبل مر گیا) شکار پر تیر چلایا، وہ پانی میں گرا، یا چھت پر گرا پھر چھت سے زمین پر گرا تو وہ شکار حرام ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ پانی کی وجہ سے یا زمین پر گرنے کی وجہ سے مرا ہو۔ ایسے ہی اگر پالتو بکرا ہرنی سے ملا اور ہرنی سے بچہ ہوا تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ مسلم نے شکار پر تیر چلایا اور مجوسی یا مشرک نے مسلم کے ہاتھ کو تیر چلانے میں مدد دی تو وہ شکار حرام ہے اگر درخت کا ایک حصہ حرم میں ہے اور ایک حصہ حل میں ہے تو اس درخت کو کاٹنا جائز نہیں۔[2]

اسی قاعدہ میں یہ قاعدہ بھی شامل ہے: **إِذَا تَعَارَضَ الْمَانِعُ وَالْمُقْتَضٰی فَإِنَّهُ يُقَدِّمُ الْمَانِعُ**

یعنی مانع اور مقتضی میں جب تعارض ہوگا تو مانع مقدم کیا جائے گا اس صورت میں حکم عدم جواز کا ہوگا لہٰذا اگر وقت تنگ ہے یا پانی کی مقدار کم ہے اس صورت میں سنن وضو ادا کرتا ہے تو وقت نماز ختم ہو جائے گا یا پانی پورا نہ ہوگا تو سنن ادا کرنا جائز نہیں اس قاعدے کے بھی کچھ مستثنیات ہیں۔[3]

قاعدہ نمبر ۲۶:

لَا إِيْثَارَ فِي الْقُرَبِ "۴۸۰"

یعنی قربات وعبادات میں ایثار نہیں ہے۔ سیدنا شیخ عزالدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ چونکہ قربات وعبادات میں ایثار نہیں ہے اس لئے اگر کسی کے پاس صرف اتنا کپڑا ہے کہ جس سے اپنا مفروضہ ستر[4] چھپا سکے اسے یہ کپڑا دوسرے کو ستر چھپانے کے لیے دینا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر نماز کا وقت آ گیا اور اس کے پاس صرف اتنا پانی ہے کہ اپنا وضو کرے اور وہ پانی کسی دوسرے کو وضو کے لئے دیدے تو یہ جائز نہیں کیونکہ ایثار ان معاملات میں ہے جن کا تعلق نفوس سے ہے نہ ان معاملات میں جن

---

1 ......"الأشباه والنظائر"، الفن الأول: القواعد الكلية، النوع الثاني، القاعدة الأولى، ص۸۹، ۹۰، وغيرها.

2 ......"الأشباه والنظائر"، الفن الأول: القواعد الكلية، النوع الثاني، القاعدة الثانية، ص۹۳-۹۵.

3 ......المرجع السابق، ص۱۰۰.

4 ......یعنی جسم کا وہ حصہ جسے چھپانا فرض ہے۔

کا تعلق قربات وعبادات سے ہے۔[1] ''شرح المہذب'' باب الجمعۃ میں یہ جزئیہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص صف میں جہاں بیٹھا ہے وہ اپنی جگہ سے نہ اٹھایا جائے گا کہ دوسرا آدمی اس کی جگہ بیٹھے ہاں اگر وہ بااختیار خود اٹھے تو کراہت نہیں۔[2] اگر کوئی جاں بلب بھوکا (مضطر) اپنا کھانا دوسرے مضطر کو کھلا دے تو یہ ایثار محمود ہے اور اس پر وہ ماجور ہوگا[3] یہ اپنا ایثار فی النفس ہے اور آیت ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾[4] کے تحت میں آتا ہے۔[5]

قاعدہ نمبر ۲۷:

اَلتَّابِعُ تَابِعٌ

یعنی تابع متبوع کے حکم میں داخل ہے۔ جیسے حمل والے جانور کی بیع میں حمل اپنی ماں کے تابع ہے اس کی بیع الگ سے نہ ہوگی ایسے ہی راستے اور پانی زمین کے تابع ہیں ان کی بیع الگ سے نہ ہوگی۔[6]

قاعدہ نمبر ۲۸:

اَلتَّابِعُ يَسْقُطُ بِسُقُوْطِ الْمَتْبُوْعِ "۸۵"

متبوع کا حکم ساقط ہونے سے تابع کا حکم بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسے جس کی نمازیں ایام جنون میں جنون کی وجہ سے ساقط ہوگئیں وہ ان نمازوں کے ساتھ کی سنتوں کی قضا بھی نہ کرے گا وہ بھی ساقط ہو جائیں گی۔ اسی طرح جس کا حج فوت ہوگیا اور اس نے عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا اس پر منٰی میں رمی جمار[7] اور شب گزارنا بھی نہیں رہا۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں وقوف عرفہ کے تابع ہیں اور وہ ساقط ہوگیا اس کے برعکس دیوان خراج سے جن لوگوں کے وظائف مقرر ہیں جیسے مجاہدین، علماء کرام، طلبہ اور مفتیان عظام اور فقہاء یہ لوگ اگر وفات پا جائیں تو ان کے وظائف ان کی اولاد کے لئے مقرر کر دیئے جائیں گے۔ اسی قاعدے کے قریب قریب یہ قاعدہ بھی ہے: **يَسْقُطُ الْفَرْعُ إِذَا سَقَطَ الأَصْلُ** اس پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ جب اصیل بری ہو جائے گا تو اس کا کفیل بھی بری ہو جائے گا۔[8]

---

1. ......"الأشباه والنظائر"، الفن الأول في القواعد الكلية، النوع الثاني، القاعدة الثالثة، ص۱۰۱.
2. ......"المجموع شرح المهذب"، كتاب الجمعة، باب هيئة الجمعة، ج٤، ص٥٤٥.
3. ......یعنی اس پر اسے اجر ملے گا۔
4. ......پ۲۸، الحشر: ۹.
5. ......"الأشباه والنظائر"، الفن الأول في القواعد الكلية، النوع الثاني، القاعدة الثالثة، ص۱۰۱.
6. ......المرجع السابق، القاعدة الرابعة، ص۱۰۲.
7. ......یعنی شیطان کو کنکریاں مارنا۔
8. ......"الأشباه والنظائر"، الفن الأول في القواعد الكلية، النوع الثاني، القاعدة الرابعة، ص۱۰۳.

قاعدہ نمبر۲۹:

اَلتَّابِعُ لَا يَتَقَدَّمُ عَلَى الْمَتْبُوْعِ "۸۶"

یعنی تابع اپنے متبوع پر مقدم نہ ہوگا لہٰذا نماز کی تکبیر افتتاح میں مقتدی امام سے پہلے تکبیر تحریمہ نہیں کہہ سکتا۔اسی طرح ارکان نماز کی ادائیگی میں امام پر تقدیم نہیں کرسکتا، لہٰذا مقتدی کو چاہیے کہ وہ امام کے ساتھ نماز ادا کرنے میں امام سے پہلے رکوع و سجود میں نہ جائے نہ امام سے پہلے سجدہ سے سراٹھائے۔ [1] فتاویٰ قاضی خان میں اس کی تفریعات موجود ہیں۔ [2]

قاعدہ نمبر۳۰:

تَصَرُّفُ الْإِمَامِ عَلَى الرَّعِيَّةِ مَنُوْطٌ بِالْمَصْلَحَةِ "۸۷"

یعنی غیر منصوص اُمور میں امام کا تصرف رعایا پر مصلحت پر موقوف ہے یہ قاعدہ فقہ کی متعدد کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنی کتاب ''الخراج'' میں اس کا متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے لہٰذا امام، سلطان یا خلیفہ کے لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ ایسے قاتل کو معاف کردے جس کا مقتول لاوارث ہو یعنی اس کا کوئی ولی و وارث نہ ہو بلکہ اسے رعایا کی مصلحت کی خاطر یا قصاص لینا چاہیے یا دیت۔عامۃ المسلمین کے مصالح کے پیش نظر امام زیلعی نے بیت المال کے سرمایہ کو چار شعبوں میں تقسیم فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام کو چاہیے کہ وہ ان چار شعبوں کے اموال کو الگ الگ رکھے تا کہ ایک دوسرے کا مال مل نہ سکے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے احکام و مسائل جداگانہ ہیں جو اسی شعبہ کے ساتھ خاص ہیں۔ [3]

''محیط'' کی کتاب الزکوۃ میں بیان کیا گیا ہے کہ عامۃ المسلمین کی مصلحتوں کے تقاضہ کے مطابق یہ بات رائے امام پر ہے کہ وہ کسی کو امداد زیادہ دیدے اور کسی کو کم یا سب کو برابر برابر لیکن اس فرق یا تسویہ میں اس کی خواہش نفس یا اغراض فاسدہ کو دخل نہ ہونا چاہیے لیکن ہر ایک کو اتنا ہی حلال ہے جو اس کی ضروریات اور اس کے عیال و اعوان کی ضروریات کو کفایت کرے اگر بیت المال میں اہل حقوق کی ادائیگی کے بعد بھی کچھ روپیہ بچ جائے تو اس کو عامۃ المسلمین کے کام میں لائے اگر اس نے اس عمل میں کوتاہی کی تو اس کا حساب اللہ تعالیٰ لے گا۔امام زیلعی فرماتے ہیں امام پر واجب ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور ہر مستحق کو اس کی ضرورت کے مطابق دے نہ کم نہ زیادہ اگر وہ اس میں کوتاہی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے حساب لے گا۔ [4]

---

1 ......"الأشباه والنظائر"،الفن الأول فی القواعد الكلية،النوع الثانی،القاعدة الرابعة،ص۱۰۳.

2 ......"الفتاوی الخانية"، كتاب الصلوة،باب افتتاح الصلوة،ج۱،ص۴۲.

3 ......"تبيين الحقائق"، كتاب السير،باب العشروالخراج والجزية،ج۴،ص۱۷۱.

و"الأشباه والنظائر"،الفن الأول فی القواعدالكلية،النوع الثانی،القاعدة الخامسة،ص۱۰۵.

4 ......"تبيين الحقائق"، كتاب السير،باب العشروالخراج والجزية،ج۴،۱۷۱.

حضرت سعید بن منصور نے حضرت یرفارضی اللہ تعالیٰ عنہ [1] سے روایت بیان کی وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں خود کو اللہ کے مال کا (یعنی بیت المال واموال غنائم واموال عشرو خراج وزکوۃ وغیرہا کا) ایسا ہی ذمہ دار سمجھتا ہوں جیسے کوئی یتیم کا والی اس کے مال کا ذمہ دار ہوتا ہے (جب تنگدست ہوتا ہوں تو اس سے بقدرِ کفایت لے لیتا ہوں اور جب خوشحال ہوتا ہوں) [2] تو اسے بیت المال کو واپس کر دیتا ہوں اور جب غنی ہوتا ہوں تو اس سے بچتا ہوں۔ [3] اسی قاعدہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول و عمل کے مطابق یہ مسئلہ ہے کہ اگر امام یا سلطان یا خلیفہ یا اُولی الامر اُمور عامۃ المسلمین کے پیش نظر کوئی حکم دے تو وہ اسی وقت نافذ ہوگا جب وہ شرعاً مصلحت عامہ کے مطابق ہو ورنہ نہیں۔ [4]

''فتاویٰ قاضی خان'' کتاب الوقف میں یہ جزیہ مذکور ہے کہ اگر بادشاہ نے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ مقبوضہ شہر کی کسی اراضی پر دوکانیں بنوا کر مسجد پر وقف کر دیں یا مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی مسجد میں برابر کی زمین لے کر توسیع کر لیں تو اگر یہ شہر جنگ سے فتح کیا گیا تھا اور مسجد کی یہ توسیع یا دوکانوں کی تعمیر گزرنے والوں اور راستہ چلنے والوں کے لئے تکلیف دہ ثابت نہ ہوگی، اس صورت میں بادشاہ کا حکم نافذ ہو جائے گا اور اگر یہ شہر بذریعہ جنگ نہیں بلکہ بذریعہ صلح قبضہ میں آیا تھا تو وہ اراضی علیٰ حالہ اپنے مالک کی ملکیت میں باقی رہے گی اور بادشاہ کا حکم نافذ نہ ہوگا۔'' [5] اسی طرح قاضی کا تصرف اموال یتامی اور ترکات اور اوقاف میں مصلحت سے مقید ہے یعنی اگر اس میں مصلحت شرعیہ ہے اور شریعت اسے جائز کرتی ہے تو قاضی کا تصرف نافذ ہوگا ورنہ نہیں۔ ''ذخیرہ'' و ''ولواجیہ'' میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر قاضی بغیر شرط واقف کسی مسجد میں فراش [6] مقرر کر دے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں اور نہ فراش کو وہ تنخواہ کھانی حلال ہے جو اسے اس وقف سے ملی ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بلا شرطِ واقف وقف میں سے وظائف دینا بطریق اولیٰ ناجائز ہے حالانکہ مسجد کو فراش کی ضرورت ہے پھر بھی بغیر شرط واقف اس میں فراش مقرر نہیں کیا جا سکتا پھر اس میں سے وظائف کیسے مقرر کئے جا سکتے ہیں۔ [7] (الاشباہ ۸۹)

---

1. ......کتبِ حدیث وتراجم اعلام کی مراجعت کے بعد یہ ہی ثابت ہوا کہ مذکورہ حدیث کے راوی ''براء'' نہیں بلکہ ''یرفا'' ہیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام ہیں، اس کی وضاحت خود ''سنن سعید بن منصور'' میں اسی مقام پر موجود ہے، اسی وجہ سے ہم نے متن میں تصحیح کر دی ہے۔...علمیہ
2. ......بہارِ شریعت میں اس مقام پر کچھ عبارت لکھنے سے رہ گئی تھی جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، لہذا بریکٹ میں ہم نے ''سنن سعید بن منصور'' سے اصل حدیث کو دیکھ کر مذکورہ عبارت کا اضافہ کر دیا۔...علمیہ
3. ......"سنن سعيد بن منصور"،تفسير سورة المائدة،الحديث:٧٨٨،ج٤،ص١٥٣٨.
4. ......"الأشباه والنظائر"،الفن الأول في القواعد الكلية،النوع الثاني،القاعدة الخامسة،ص١٠٦.
5. ......"الفتاوى الخانية"،كتاب الوقف،باب الرجل يجعل دارهٗ...إلخ،ج٢،ص٢٩٨.
6. ......خادم مسجد یعنی مسجد میں صفائی، ستھرائی کی خدمت کرنے والا۔
7. ......"الأشباه والنظائر"،الفن الأول في القواعد الكلية،النوع الثاني،القاعدة الخامسة،ص١٠٤،١٠٧.

قاعدہ نمبر ۳۱:

اَلْحُدُوْدُ تُدْرَءُ بِالشُّبُهَاتِ "۹۰"

یعنی حدود شک وشبہ سے ساقط ہوجاتے ہیں۔ یہ حدیث ہے جس کو علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے روایت کیا ہے[1] اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی "اِدْفَعُوا الْحُدُوْدَ مَا اسْتَطَعْتُمْ"[2] جہاں تک ممکن ہو حدود کو دور کرو، امام ترمذی وحاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے حدیث بیان کی "اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنْ وَّجَدْتُّمْ لِمُسْلِمٍ مَخْرَجًا فَخَلُّوْا سَبِیْلَهٗ"[3] مسلمانوں سے حدود کو دور کرو جہاں تک ممکن ہو اور اگر تم کسی مسلمان کے لئے اس سے نکلنے کا راستہ پاؤ تو اس کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ امام اگر معاف کردینے میں خطا کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ سزا دینے میں غلطی کرجائے۔"

صاحبِ فتح القدیر فرماتے ہیں: فقہائے امصار وبلاد کا اس پر اجماع ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہوجاتے ہیں۔ شبہ وہ ہے جو ثابت تو نہ ہو لیکن ثابت کے مشابہ ہو، علمائے احناف نے شبہ کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) **شُبْهَةٌ فِی الْفِعْل** اس کو **شُبْهَةُ الْاِشْتِبَاہ** بھی کہتے ہیں۔ (۲) **شُبْهَةٌ فِی الْمَحَل** (۳) **شُبْهَةٌ فِی الْعَقْد**

پہلی قسم **شُبْهَةُ الاشْتِبَاہ** کی صورت یہ ہے کہ جیسے کسی پر اس شے کی حلت وحرمت مشتبہ ہوجائے جیسے وہ یہ بدگمانی کرے اس کی بیوی کی لونڈی سے مجامعت ووطی کرنا حلال ہے یا اپنے باپ ماں یا دادا کی باندی سے وطی کرنا اس کے لیے جائز ہے یا یہ گمان کرے کہ اسے اپنی مطلقہ ثلٰثہ سے دورانِ عدت وطی کرنا جائز ہے۔ ان صورتوں میں اگر اس نے وطی کرلی تو اس پر حد قائم نہ ہوگی لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ مجھے اس کا علم تھا کہ یہ حرام ہیں تو اس پر حد قائم کردی جائے گی۔

دوسری قسم **شُبْهَةٌ فِی الْمَحَل** کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی باندی، طلاق بالکنایہ سے مطلقہ، فروخت کردہ باندی جس کو ابھی خریدار کے قبضہ میں نہیں دیا ہے اور وہ باندی جو اپنی بیوی کے مہر میں دی لیکن ابھی اس کو بیوی کے قبضہ میں نہیں دیا ہے وغیرہا ان تمام صورتوں میں اگر وہ ان کے ساتھ وطی کرے گا تو اس پر حد قائم نہ ہوگی اگرچہ وہ یہ اقرار کرے کہ میں ان کے حرام ہونے کو جانتا تھا۔

تیسری قسم **شُبْهَةٌ فِی الْعَقْد** کی صورتیں یہ ہیں کہ کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا بعد عقد نکاح اس سے وطی کی اگر وہ یہ کہے کہ مجھے اس کے حرام ہونے کا علم تھا تو فتویٰ اس پر ہے کہ اس پر حد قائم کی جائے گی اور اگر اسے علم نہ تھا حد

---

1 ...... "الأشباہ والنظائر"، الفن الأول فی القواعد الكلية، النوع الثانی، القاعدة السادسة، ص۱۰۸.

2 ...... "سنن ابن ماجة"، كتاب الحدود، باب السّتر علی المؤمن... إلخ، الحديث: ۲۵۴۵، ج۳، ص۲۱۹.
و"الأشباہ والنظائر"، الفن الأول فی القواعد الكلية، النوع الثانی، القاعدة السادسة، ص۱۰۸.

3 ...... "سنن الترمذی"، كتاب الحدود، باب ماجاء فی درء الحدود، الحديث: ۱۴۲۹، ج۳، ص۱۱۵.
و"المستدرك" للحاكم، كتاب الحدود، باب ان وجدتم لمسلم... إلخ، الحديث: ۸۲۲۴، ج۵، ص۵۴۹.

قائم نہ ہوگی۔ایسے ہی اس عورت سے وطی کرنا جس کے ساتھ نکاح صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔اسی طرح شراب کو دوا کے طور پر پیا (بشرطیکہ معالج نے ضروری قرار دیا ہو) ان تمام صورتوں میں حد قائم نہ کی جائے گی۔ چونکہ حدود شبہ سے ساقط ہوجاتی ہیں اسی لئے حدود عورتوں کی شہادت سے ثابت نہیں ہوتیں نہ کِتَابُ الْقَاضِی اِلَی الْقَاضِی سے اور نہ شَہَادَت عَلَی الشَّہَادَت سے نہ حالت نشہ میں حدود خالصہ کے اقرار سے کہ ان تمام صورتوں میں شبہات ہیں ان کے علاوہ شبہات کی اور صورتیں بھی ہیں۔[1]

فائدہ:

حدود میں مُتَرْجِمْ [2] کا قول قبول کرلیا جائے گا جس طرح دیگر معاملات میں مترجم کا قول قابلِ قبول ہے اور قصاص بھی شبہ سے ساقط ہوجاتا ہے جس طرح کہ حدود شبہات سے ساقط ہوجاتے ہیں اور قصاص بھی انہیں چیزوں سے ثابت ہوتا ہے جن سے حدود ثابت ہوتے ہیں برخلاف تعزیر کے کہ وہ شبہ کی موجودگی میں بھی ثابت ہوجاتی ہے، اس میں قسم بھی لی جاتی ہے جب کہ حدود و قصاص میں قسم نہیں لی جاتی، تعزیر میں انکارِ جرم کے باوجود فیصلہ دیا جاتا ہے۔[3]

قاعدہ نمبر ۳۲:

اَلْحُرُّ لَا یَدْخُلُ تَحْتَ الْیَدِ

یعنی آزاد مرد و عورت پر کوئی قبضہ نہیں ہوسکتا لہٰذا اگر کوئی شخص کسی آزاد مرد و عورت یا بچہ کو غصب کر کے لے گیا اور پھر وہ اس کے قبضہ میں اچانک قدرتی موت مرگیا تو غاصب اس کی جان کا ضمان دینے کا ذمہ دار نہ ہوگا۔[4] اس کے برخلاف اگر وہ ان کو غصب کر کے ہلاکت کی جگہ لے گیا جہاں خونخوار درندے یا زہریلے سانپ رہتے ہوں یا وہاں بالعموم بجلیاں گرتی ہوں یا وہاں مہلک بیماریاں پھیلی ہوں اور وہاں ہلاک ہوگئے تو اس صورت میں غاصب کے عاقلہ پر (ورثاء پر) ان کی دیت واجب ہوگی لیکن یہ ضمان اتلاف جان ہے، ضمانِ غصب نہیں۔اس قاعدہ سے زوجہ خارج ہے۔[5]

قاعدہ نمبر ۳۳:

اِذَا اجْتَمَعَ اَمْرَانِ مِنْ جِنْسٍ وَّاحِدٍ وَّلَمْ یَخْتَلِفْ مَقْصُوْدُ ھُمَا دَخَلَ اَحَدُ ھُمَا فِی الْاٰخَرِ.

---

1 ......"الأشباه والنظائر"،الفن الأول في القواعد الكلية،النوع الثاني،القاعدة السادسة،ص۱۰۸، ۱۰۹.

و"الفتح القدير"، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد...إلخ، ج۵، ص ۳۲، ۳۳.

2 ......یعنی ترجمان۔

3 ......"الأشباه والنظائر"،الفن الأول في القواعد الكلية،النوع الثاني،القاعدة السادسة،ص۱۰۸۔۱۱۱.

4 ......بہارشریعت میں اس مقام پر "ضمان دینے کا ذمہ دار ہوگا" لکھا ہوا تھا، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اصل کتاب میں عبارت اس طرح ہے "ضمان دینے کا ذمہ دار نہ ہوگا"، اسی وجہ سے ہم نے متن میں تصحیح کردی ہے...علمیہ

5 ......"الأشباه والنظائر"،الفن الأول في القواعد الكلية،النوع الثاني،القاعدة السابعة،ص۱۱۱.

یعنی جب دو چیزیں ایک ہی جنس کی جمع ہو جائیں اور ان کا مقصد بھی مختلف نہ ہو تو وہ ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں جیسے حدث و جنابت جب ایک ہی شخص میں جمع ہوں یا جنابت اور حیض ایک ہی عورت میں جمع ہوں تو ان پر ایک ہی غسل فرض ہوگا اور ایک ہی غسل دونوں کے لیے کافی ہے اور جیسے اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے نماز فرض و سنت ادا کی تو یہی نماز تَحِیَّۃُ الْمَسْجِد کے لئے بھی کافی ہے یا جیسے کسی سے ایک ہی نماز میں دو واجب یا ایک واجب کئی بار سہواً ترک ہوا تو اس کے لئے ایک ہی بار سجدۂ سہو کر لینا کافی ہے۔[1]

قاعدہ نمبر ۳۴:

إِعْمَالُ الْكَلَامِ أَوْلٰى مِنْ إِهْمَالِهٖ مَتٰى أَمْكَنَ فَإِنْ لَّمْ يُمْكِنْ أُهْمِلَ "۹۶"

یعنی جہاں تک ممکن ہو کلام کو با معنی بنایا جائے مہمل قرار نہ دیا جائے ہاں اگر اسے با معنی بنانا ممکن نہ ہو تو پھر اسے مہمل قرار دیا جائے۔ اسی بنیاد پر ہمارے علمائے اصول اس امر پر متفق ہیں کہ کسی کلام کو اگر اس کی حقیقت پر محمول کرنا متعذر ہو[2] تو وہ مجاز پر محمول کیا جائے گا اسے مہمل قرار نہ دیا جائے گا اگر وہ حقیقت اور مجاز میں سے کسی پر بھی محمول نہ کیا جا سکے تو اسے مہمل قرار دیا جائے گا یا اگر یہ صورت ہے کہ کوئی لفظ ایسا ہو جو حقیقت اور مجاز میں مشترک ہو اور وجہ ترجیح موجود نہ ہو تب بھی وہ مہمل قرار دیا جائے گا۔

اس قاعدہ کے مطابق اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ میں اس درخت سے کچھ نہیں کھاؤں گا پھر اس نے اس کا پھل کھایا یا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے کوئی کھانے کی چیز خرید کر کھائی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ واجب ہوگا یا اس نے یہ قسم کھائی کہ میں یہ آٹا نہیں کھاؤں گا پھر اس نے اس آٹے سے پکی ہوئی روٹی کھائی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ واجب ہوگا کیونکہ ان دونوں صورتوں میں کلام کو حقیقت پر محمول کرنا متعذر ہے لہٰذا مجازی معنی لیے گئے اور اگر اس نے اپنی بیوی سے جس کا باپ معلوم و معروف ہے کہا کہ یہ میری بیٹی ہے تو وہ عورت اس پر حرام نہ ہوگی کیونکہ یہاں حقیقت و مجاز دونوں متعذر ہیں لہٰذا یہ کلام مہمل قرار دیا جائے گا۔ اگر کسی شخص نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک سے کہا تجھے چار طلاقیں ہیں اس نے کہا مجھے تو تین ہی کافی ہیں اس پر شوہر نے کہا[3] تین طلاقیں تیرے لئے اور باقی تیری ساتھی پر اس صورت میں پہلی پر طلاقیں ہو جائیں گی اور دوسری پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں کلام کو عمل میں لانا ممکن نہیں لہٰذا مہمل قرار دیا جائے گا کیونکہ شریعت نے صرف تین طلاقیں مقرر فرمائی ہیں اور زیادہ کو باطل کیا ہے لہٰذا چوتھی طلاق واقع کرنا ممکن نہیں اس لئے باقی تیری ساتھی پر اس کا یہ کلام مہمل قرار دیا جائے گا اور دوسری بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی[4] اسی قاعدہ میں یہ قاعدہ شامل ہے "اَلتَّاسِيْسُ خَيْرٌ مِّنَ التَّاكِيْد" تاکید کے مقابلے میں تاسیس بہتر ہے یعنی کسی کلام کو تاکید قرار دینے

---

1. ....."الأشباه والنظائر"، الفن الأول فی القواعد الكلية، النوع الثانی، القاعدة الثامنة، ص۱۱۲.
2. .....یعنی مشکل ہو۔
3. .....بہارِ شریعت میں اس مقام پر (تجھے چار طلاقیں ہیں، اس نے کہا مجھے تو تین ہی کافی ہیں اس پر شوہر نے کہا)، لکھنے سے رہ گیا تھا جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، لہٰذا بریکٹ میں اس کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔..... علمیہ
4. ....."الأشباه والنظائر"، الفن الأول فی القواعد الكلية، النوع الثانی، القاعدة التاسعة، ص۱۱٤.

کے مقابلے میں اصل بنیاد اور بناء کلام قرار دینا مختار ہے لہٰذا اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق طلاق طلاق تو اسے تین طلاقیں واقع ہوں گی اگر شوہر یہ کہے کہ میں نے تاکید مرادلی تھی تو دیانۃً اس کی تصدیق کردی جائے گی لیکن قضاءً نہیں۔ (1)

قاعدہ نمبر ۳۵:

اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَان

یعنی منافع ضامن ہونے کے عوض ہیں یعنی کسی شے سے نفع حاصل کرلینے کا کوئی معاوضہ دینا نہ ہوگا لیکن نفع حاصل کرنے والا اس شے کے ہلاک ہوجانے کی صورت میں اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ ''الخراج بالضمان'' حدیث صحیح ہے جس کو امام احمد، ابوداوٗد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ وابن حبان رضی اللہ عنھم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے بعض راویوں نے اس کا سبب بھی بیان فرمایا ہے واقعہ یہ تھا کہ ایک صحابی (رضی اللہ عنہ) نے ایک غلام خریدا کچھ دنوں وہ ان کے پاس رہا پھر انھیں اس غلام میں کوئی نقص اور عیب معلوم ہوا انہوں نے معاملہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا، خیار عیب کی وجہ سے آپ نے اس غلام کو واپس کرادیا۔ بائع نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم! اس مشتری (خریدار) نے میرے غلام سے منافع حاصل کیے ہیں۔'' (مطلب یہ تھا کہ ان منافع کا معاوضہ مجھے دلایا جائے) آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم) نے فرمایا: ''اَلْخَرَاجُ بِالضَّمان'' یعنی منافع ضمان کے عوض میں ہیں۔ (2)

حضرت ابوعبید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا اس حدیث میں اَلْخَرَاج کا مطلب غلام کے منافع ہیں کہ خریدار نے غلام خریدا اور اسے اپنے کام میں استعمال کیا اور ایک مدت کے بعد اس کے عیب پر مطلع ہوا جو کہ بائع نے اسے نہیں بتلایا تھا تو وہ اسے بائع کو واپس کردے گا اور اس کی پوری قیمت واپس لے لے گا اور اس کے منافع سے فیضیاب ہوگا کیونکہ غلام اس کی ذمہ داری اور ضمان میں تھا کہ اگر وہ اس مدت میں ہلاک ہوجاتا تو یہ اس مشتری کا مال ہلاک ہوتا بائع پر کوئی ضمان وذمہ داری نہ ہوتی۔ کتاب ''الفائق'' میں الخراج کی تشریح میں بتایا کہ کسی چیز سے جو بھی فائدہ پہنچے وہ اس کا خراج ہے۔ درخت کا خراج اس کا پھل ہے اور جانوروں کا خراج ان کا دودھ اور ان کی نسل ہے۔ علامہ فخر الاسلام فرماتے ہیں یہ حدیث پاک جوامع الکلم میں سے ہے لہٰذا اس کی روایت بالمعنی جائز نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث کثیر المعنی ہے اس لئے اس کو ایک معنی میں متعین نہیں کرسکتے اور روایت بالمعنی میں ایک معنی کے ساتھ خاص اور متعین ہوجائے گی۔ (3)

---

(1)......''الأشباه والنظائر''،الفن الأول في القواعدالكلية،النوع الثاني،القاعدة التاسعة،ص ١٢٦.

(2)......''سنن ابن ماجة''، كتاب التجارات، باب الخراج بالضمان،الحديث:٢٢٤٣،ج٣،ص٥٧.

(3)......''أصول البزدوي''،باب شرط نقل المتون،ص ١٩١.

و''الأشباه والنظائر''،الفن الأوّل:القواعدالكلية،النوع الثاني،القاعدة العاشرة،ص١٢٧.

قاعدہ نمبر۳۶:

اَلسُّوَالُ مُعَادٌ فِی الْجَوَابِ

یعنی سوال کے جواب میں سوال کا اعادہ ہوتا ہے۔ علامہ بزازی اپنے ''فتاویٰ بزازیہ'' میں مسائل وکالت کے آخر میں بیان فرماتے ہیں کہ کسی نے کہا کہ زید کی بیوی مطلّقہ ہے اگروہ اس گھر میں داخل ہویا[1] اس پر بیت اللہ جانا ہے۔ زید نے یہ سن کر کہاہاں تو زید ان دونوں باتوں کا حالف قرار دیا جائے گا کیونکہ یہ جواب اس مضمون کے اعادہ کو متضمن ہے جس کا سوال میں ذکر ہے ایسے ہی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں طلاق والی ہوں (مطلقہ ہوں) شوہر نے کہا! ہاں، تو بیوی کو طلاق ہوجائے گی۔[2]

''قنیہ'' میں ہے ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میرا تجھ پر اتنا قرضہ ہے وہ مجھے ادا کر دوسرے نے مذاق واستہزاء میں کہاہاں، بہت خوب تو یہ اس کا اقرار ہے، یہ قرضہ اس سے لے لیا جائے گا۔[3]

قاعدہ نمبر۳۷:

لا یُنْسَبُ اِلٰی سَاکِتٍ قَوْلٌ

اس قاعدہ کی توضیحی مثالیں یہ ہیں کہ اگر مالک نے دیکھا کہ کوئی اجنبی اس کا مال فروخت کر رہا ہے اور وہ دیکھ کر خاموش رہا اسے منع نہیں کیا تو اس کے سکوت سے وہ اس کا وکیل بالبیع[4] نہیں بنے گا۔ ایسے میں قاضی نے اپنے زیرولایت نابالغ بچے یا معتوہ بے عقل یا کم عقل کو دیکھا کہ وہ خرید وفروخت کر رہا ہے اور یہ دیکھ کر قاضی نے سکوت اختیار کیا[5] تو قاضی کا یہ سکوت ان کے حق میں اذن فی التجارۃ نہیں ہوگا۔[6] ایسے ہی اگر کسی نے دیکھا کہ کوئی شخص اس کا مال تلف اور ضائع کر رہا ہے اور وہ خاموش رہا تو اس کی یہ خاموشی مال کے تلف کرنے کی اجازت نہیں قرار دی جائے گی۔ اگر عورت نے بغیر اجازت ولی غیر کفو سے نکاح کرلیا تو ولی کا سکوت اس کی رضا نہیں تسلیم کیا جائے گا اگرچہ لمبی مدت گزر جائے عنین (نامرد) کی عورت کا سکوت اس کی رضا نہ مانا جائے گا خواہ وہ اس عنین کے ساتھ برسوں گزار دے۔[7] (جامع الفصولین)

علامہ ابن نجیم حنفی مصری صاحب الاشباہ والنظائر نے اس قاعدہ کے کچھ مستثنیات فرمائے ہیں جن کو ''جامع الفصولین''

---

1 ...... بہارِشریعت میں اس مقام پر ''اگر وہ اس گھر میں داخل ہوتو'' لکھا ہوا ہے، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اصل کتاب میں عبارت اس طرح ہے ''اگر وہ اس گھر میں داخل ہویا''، اسی وجہ سے ہم نے متن میں سے ''تو'' کی جگہ ''یا'' کر دیا ہے۔...علمیه

2 ......''الفتاوی البزازیة''علی هامش الهندیة، کتاب الوکالة،الفصل السابع فی الطلاق والعتاق،ج٥،ص٤٩٠.

3 ......''القنیة''، کتاب الاقرار، باب الجواب الذی یکون اقراراً،ص٤٣٩.

و''الأشباه والنظائر''،الفن الأوّل:القواعد الکلیة،النوع الثانی،القاعدة الحادیة عشرة،ص١٢٨،١٢٩.

4 ......یعنی بیچنے کا وکیل۔ 5 ......یعنی خاموش رہا۔ 6 ......یعنی تجارت کی اجازت نہیں سمجھا جائے گا۔

7 ......''الأشباه والنظائر''،الفن الأوّل:القواعد الکلیة،النوع الثانی،القاعدة الثانیة عشرة،ص١٢٩.

و''جامع الفصولین''،الفصل الرابع والثلاثون فی الأحکامات:الجزء الثانی،ص١٤٠.

سے نقل کیا ہے ان کی تعداد تیس ہے پھر مزید سات کا اضافہ فرمایا دو "قنیہ" سے نقل فرمائے اور پانچ اپنی طرف سے کل ۳۷ سینتیس مستثنیات فرمائے ہیں۔[1] لیکن ان میں اکثر ایک دوسرے قاعدہ کے اندر آجاتے ہیں اور وہ قاعدہ ہے۔

قاعدہ نمبر ۳۸:

اَلسُّكُوتُ فِيْ مَعْرِضِ الْبَيَانِ بَيَانٌ

یعنی مقام اظہار و بیان میں سکوت اختیار کرنا اظہار و بیان ہی مانا جائے گا جیسے نکاح سے قبل ولی[2] نے باکرہ (کنواری) سے اس کے نکاح کی اجازت طلب کی اور وہ ساکت رہی تو یہ اس کا نطق[3] و بیان مانا جائے گا اور اس کی اجازت شمار ہوگی ایسے ہی غیر باپ نے کسی نابالغہ باکرہ کا نکاح کر دیا اور وہ بوقتِ بلوغ خاموش رہی تو اس کی یہ خاموشی اس کی اجازت شمار ہوگی۔ کسی عورت نے قسم کھائی کہ وہ نکاح نہیں کرے گی پھر اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا اور وہ خاموش رہی تو وہ حانث ہوجائے گی۔ (یعنی اس کی قسم ٹوٹ جائے گی) حق شفعہ رکھنے والے کو جائیداد غیر منقولہ کی بیع کا علم ہوا اور وہ ساکت رہا تو اس کا حق شفعہ باطل ہوجائے گا اس کا یہ سکوت اس کی رضا مانا جائے گا۔ باکرہ (کنواری) لڑکی کو خبر دی گئی کہ تمہارے ولی نے تمہارا نکاح کر دیا ہے یہ سن کر اس نے سکوت اختیار کیا تو یہ اس کی رضا ہے ماں نے اپنی بیٹی کا جہیز باپ کے مال و متاع سے دیا اور باپ نے سکوت اختیار کیا تو یہ اس کی رضا ہے اب اسے واپس لینے کا اختیار نہیں وغیر ہا۔ ۱۱۲[4]

درحقیقت ان دونوں قاعدوں کی صورتوں میں امتیاز کرنا مفتی وفقیہ کے لئے کثرت مطالعہ اور دقت نظر کا طالب ہے۔ لہٰذا مفتی کے لئے لازم ہے کہ وہ خوب غور و فکر اور کتب فقہیہ کا عمیق مطالعہ کر کے ایسے مسائل کا جواب تحریر کرے جس طرح عرف پر موقوف مسائل کا جواب بھی دقت نظر، مفتی کی ذہانت اور عرف زمانہ سے واقفیت کا طالب ہے۔

قاعدہ نمبر ۳۹:

اَلْفَرْضُ أَفْضَلُ مِنَ النَّفَلِ إِلَّا فِيْ مَسَائِلَ

یعنی فرض وواجب نفل سے افضل ہے اس کی صدہا مثالیں ہیں جو اظہر من الشمس ہیں لیکن اس میں کچھ مستثنیٰ مسائل بھی ہیں جیسے نادار و تنگ دست مقروض کو اس کے قرض سے بری کر دینا یہ اس کو مہلت دینے سے افضل ہے جب کہ بری کر دینا مستحب

---

1 ...... "الأشباه و النظائر"، الفن الأوّل: القواعد الكلية، النوع الثاني، القاعدة الثانية عشرة، ص ۱۲۹-۱۳۱.
و "جامع الفصولين"، الفصل الرابع والثلاثون في الأحكامات، الجزء الثاني، ص۱۳۸.

2 ...... یہاں ولی سے مراد ولی اقرب ہے، تفصیل کے لیے بہارِشریعت، ج۲، حصہ۷، ص۵۰ ملاحظہ فرمائیے۔... علمیه

3 ...... یعنی بولنا۔

4 ...... "الأشباه و النظائر"، الفن الأوّل: القواعد الكلية، النوع الثاني، القاعدة الثانية عشرة، ص۱۲۹، ۱۳۱، وغيرها.

ہے اور مہلت دینا واجب ہے۔ ایسے ہی سلام میں پہل کرنا سنت ہے مگر یہ افضل ہے سلام کا جواب دینے سے جو کہ واجب ہے، اسی طرح وقت سے پہلے وضو کرنا مستحب ومندوب ہے مگر یہ افضل ہے اس وضو کرنے سے جو نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد نماز ادا کرنے کے لئے کیا جائے حالانکہ یہ وضو فرض ہے۔[1]

قاعدہ نمبر۴۰:

مَاحَرُمَ أَخْذُهُ حَرُمَ إِعْطَاؤُهُ

یعنی جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔ جیسے سود، زنا کی اجرت، کاہن اور نجومی کی فیس، رشوت اور گانے والے کی اجرت وغیرہا کہ ان میں سے ہر ایک کا لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی حرام ہے لیکن قیدی کو قید سے چھڑانے کے لیے یا اپنی عزت وآبرو بچانے کے لئے یا کسی کو اپنی ہجو سے روکنے کے لئے رشوت دینا جب کہ اس کے بغیر کام نہ چلے، دینے والے پر گناہ نہیں۔[2] لیکن لینے والے کے لئے بہرحال حرام وگناہ ہے۔[3] کہ یہ صورتیں اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيحُ الْمَحْذُوْرَاتِ کے ماتحت آتی ہیں، اسی قاعدہ کے قریب یہ قاعدہ بھی ہے، یعنی قاعدہ نمبر۴۱۔

قاعدہ نمبر۴۱:

مَاحَرُمَ فِعْلُهُ حَرُمَ طَلَبُهُ

جس چیز کا کرنا حرام ہے اس کی طلب بھی حرام ہے۔ ذمی کو جزیہ دینا حرام ہے مگر اس سے طلب کرنا جائز ہے یہ مسئلہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔[4]

قاعدہ نمبر۴۲:

مَنِ اسْتَعْجَلَ الشَّیْءَ قَبْلَ أَوَانِهٖ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِهٖ

یعنی جو شخص کسی شے کو وقت سے پہلے حاصل کرنے میں جلدی کرے تو سزاءً وہ اس شے سے محروم کر دیا جائے گا جیسے اگر کوئی وارث اپنے مورث کو قتل کر دے تاکہ جلد ہی اسے وراثت مل جائے تو قاتل وارث، مقتول مورث کی وراثت سے محروم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شوہر اپنے مرض الموت میں اپنی بیوی کو بغیر اس کی طلب اور رضامندی کے تین طلاقیں دیدے تاکہ وہ

---

1 ......"الأشباه والنظائر"، الفن الأوّل: القواعد الكلية، النوع الثاني، القاعدة الثالثة عشرة، ص ۱۳۱.

2 ......المرجع السابق، القاعدة الرابعة عشرة، ص ۱۳۲.

3 ......"غمز عيون البصائر"، الفنن الأوّل في القواعد الكلية، النوع الثاني، القاعدة الرابعة عشرة، ج ۱، ص ۳۹۱.

4 ......"الأشباه والنظائر"، الفن الأوّل: القواعد الكلية، النوع الثاني، القاعدة الرابعة عشرة، ص ۱۳۲.

وراثت سے محروم ہوجائے تو وہ عورت اس کی وراثت سے محروم نہ قرار دی جائے گی یہ شوہر اپنا مقصد حاصل کرنے میں محروم ہوگا۔[1]

قاعدہ نمبر۴۳:

اَلْوِلَايَةُ الْخَاصَّةُ أَقْوٰی مِنَ الْوِلَايَةِ الْعَامَّةِ

یعنی ولایت خاصہ ولایت عامہ سے قوی تر ہوتی ہے جیسے قاضی کو کسی یتیم لڑکی یا لڑکے کے نکاح وتزویج[2] کا حق نہیں اگر اس کا ولی ہے خواہ وہ ولی عصبات میں سے ہو یا ذوی الارحام میں سے کیونکہ ولی کو ولایت خاصہ حاصل ہے اور قاضی کو ولایت عامہ، ولی خاص کو قصاص لینے صلح کرنے اور قاتل کو بلا معاوضہ معاف کرنے کا حق ہے، امام کو معاف کرنے کا حق نہیں۔

فائدہ:

ولی خاص تین قسم کے ہیں:

(۱) مال اور نکاح میں ولی، یہ صرف باپ دادا ہی ہوسکتے ہیں یہ ان کا ذاتی وصف ہے یہ اگر خود کو ولایت سے معزول بھی کرنا چاہیں تو یہ معزول نہ ہوں گے۔

(۲) فقط نکاح میں ولی، یہ تمام عصبات ہوسکتے ہیں اور ماں اور ذوی الارحام نیز ولایت وکیل، اس کی ولایت کو مؤکل معزول کرسکتا ہے اور وکیل اور ذوی الارحام بھی خود کو ولایت سے معزول کرسکتے ہیں۔

(۳) فقط مال میں ولی، اور وہ وہ اجنبی ہے جو وصی بنایا گیا ہو۔ وصی کی ولایت کو وصی بنانے والا معزول کرسکتا ہے اور غیر ایماندار و بددیانت وصی کو قاضی بھی معزول کرسکتا ہے۔ لیکن وصی خود کو معزول نہیں کرسکتا۔[3] (الاشباہ والنظائر ۱۱۵) قاضی وصی کی موجودگی میں مال یتیم میں تصرف کا حق نہیں رکھتا۔

قاعدہ نمبر۴۴:

لَاعِبْرَةَ بِالظَّنِّ الْبَیِّنِ خَطْؤُہٗ

یعنی جس گمان کا غلط ہونا ظاہر ہوگیا پھر اس کا اعتبار نہیں۔ باب قضاء الفوائت میں اسی قاعدے کے ماتحت یہ جزیہ ہے اگر کسی صاحب ترتیب کی نماز عشاء قضاء ہوئی نماز فجر کے وقت اس نے گمان کیا کہ وقت فجر تنگ ہوگیا ہے اس نے فجر کی نماز ادا کرلی پھر یہ معلوم ہوا کہ وقت میں گنجائش ہے تو اس کی فجر کی نماز باطل[4] ہوجائے گی پھر یہ دیکھے کہ وقت میں گنجائش ہے تو پہلے نماز

---

1 ...... "الأشباہ والنظائر"، الفن الأوّل: القواعد الکلیۃ، النوع الثانی، القاعدۃ الخامسۃ عشرۃ، ص ۱۳۲، ۱۳۳.

2 ...... یعنی شادی کرانے کا۔

3 ...... "الأشباہ والنظائر"، الفن الأوّل: القواعد الکلیۃ، النوع الثانی، القاعدۃ السادسۃ عشرۃ، ص ۱۳۳، ۱۳۴.

4 ...... یہاں لفظِ باطل سے مراد نماز کا موقوف ہونا ہے ورنہ نفل نماز میں تبدیل ہوجانا، تفصیل بہارشریعت، ج ۱، حصہ چہارم، ص ۷۰۶، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ پر ملاحظہ فرمائیے۔...علمیہ

عشاء ادا کرے کیونکہ یہ صاحب ترتیب ہے پھر فجر کی نماز پڑھے اور اگر وقت میں گنجائش نہ رہی ہو تو فقط فجر کی نماز کا اعادہ کرے۔[1] (شرح الزیلعی) اسی قاعدہ کے ماتحت دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے پانی کو نجس گمان کیا اور اس سے وضو کرلیا پھر معلوم ہوا کہ وہ پانی پاک تھا تو اس کا وضو جائز ہے۔[2] (خلاصہ) اسی طرح اگر صاحب نصاب زکوۃ نے مال زکوۃ ادا کرتے وقت زکوۃ دیئے جانے والے کو غیر مصرف زکوۃ[3] گمان کیا اور اس کو زکوۃ دے دی پھر معلوم ہوا کہ وہ مصرف ہے[4] تو جائز ہے بالاتفاق زکوۃ ادا ہوگئی۔ اس کے برعکس اگر اس نے کسی کو مصرف زکوۃ گمان کیا پھر معلوم ہوا کہ وہ غنی ہے یا خود اس کا بیٹا ہے تو طرفین کے نزدیک ادا ہوگئی، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک ادا نہ ہوئی۔ اگر اس نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اور گمان یہ کیا کہ یہ کپڑا نجس ہے پھر معلوم ہوا کہ کپڑا پاک ہے تو نماز کا اعادہ کرے۔ اگر اس نے نماز پڑھی اور خود کو محدث[5] گمان کیا پھر معلوم ہوا کہ وہ باوضو ہے تو نماز جائز نہ ہوئی۔ ایسے ہی اگر کسی نے فرض نماز پڑھی اور اس کا گمان یہ ہے کہ ابھی وقت نہیں ہوا پھر معلوم ہوا کہ وقت ہوگیا ہے تو اس کی نماز جائز نہیں[6] (کمافی فتح القدیر) آخر کے چاروں مسائل میں مکلف کے گمان کا اعتبار کیا گیا ہے نہ کہ نفس حقیقت کا اور اِن چار مسائل سے قبل کے مسائل میں اعتبار نفس الامر اور حقیقت واقعیہ کا ہے[7] اس لئے اگرچہ یہ تمام مسائل ظاہری طور پر ہم شکل سے نظر آتے ہیں لیکن ان کے حکم شرعی میں فرق ہے اور یہ وہ باریکیاں ہیں جن پر فقیہ کی نظر رہنی چاہیے۔

قاعدہ نمبر ۴۵:

ذِكْرُ بَعْضِ مَالَا يَتَجَزَّأُ كَذِكْرِ كُلِّهٖ

یعنی ایسی چیز جس کی تجزی نہیں ہوتی اگر اس کے بعض کا ذکر کیا جائے تو کل کا ذکر کرنا ہے جیسے کسی نے اپنی بیوی کو نصف طلاق دی تو ایک طلاق واقع ہوگی یا اس نے نصف عورت کو طلاق دی تو کل کو طلاق واقع ہوگی۔ قاتل کے ایک حصہ جسم کو معاف کیا تو کل کو معاف ہوجائے گا اسی طرح اگر بعض وارثوں نے معاف کردیا تو کل کی جانب سے قصاص ساقط ہوجائے گا مگر اس صورت میں باقی وارثوں کا حصہ مال میں تبدیل ہوجائے گا جو قاتل کے اولیاء کو ادا کرنا ہوگا۔[8]

---

1 ......"تبيين الحقائق"، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ج١، ص٤٦٠.

2 ......"خلاصة الفتاوی"، كتاب الطهارة، الجزء الأول، ج١، ص٥.

3 ......یعنی جس کو زکوۃ دینا جائز نہیں۔ 4 ......یعنی اسے زکوۃ دینا جائز ہے۔ 5 ......بے وضو۔

6 ......"فتح القدير"، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها، ج١، ص٢٣٦.

7 ......"الأشباه والنظائر"، الفن الأوّل: القواعد الكلية، النوع الثاني، القاعدة السابعة عشرة، ص١٣٤، ١٣٥.

8 ......المرجع السابق، النوع الثاني، القاعدة الثامنة عشرة، ص١٣٥.

قاعدہ نمبر ۴۶:

إِذَا اجْتَمَعَ الْمُبَاشِرُ وَالْمُتَسَبِّبُ أُضِيفَ الْحُكْمُ إِلَى الْمُبَاشِرِ

یعنی مباشر اور متسبب یعنی کسی فعل کا مرتکب اور سبب بننے والا دونوں جمع ہوں تو حکم مباشر کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

مثلاً کسی شخص نے زیادتی کرتے ہوئے ایک کنواں کھودا اور اس میں کسی دوسرے شخص نے کسی شے کو ڈال کر ضائع کردیا تو ضمان کنواں کھودنے والے پر نہیں بلکہ کنوئیں میں ڈالنے والے پر ہے کیونکہ ڈالنے والا ہی فعل کا مرتکب ہے۔ ایسے ہی ایک شخص نے چور کو کسی کے مال کی مخبری اور راہ نمائی کی اور چور نے اسے چرا لیا تو سارق[1] ضامن ہے بتلانے والے پر کچھ نہیں۔ ایسے ہی اگر کسی نے ناسمجھ بچے کو چھری دے دی یا ہتھیار دیا کہ وہ اسے تھامے رہے بچہ نے خود کو ہلاک کر لیا تو چھری یا ہتھیار دینے والے پر ضمان نہیں ہے لیکن بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن میں ضمان مباشر پر نہیں بلکہ متسبب پر ہے جیسے ودیعت جس کے پاس رکھی گئی ہے اس نے خود چور کو اس امانت اور ودیعت کی جگہ بتلائی اور چور نے اسے چرا لیا تو اس صورت میں امانت دار ضامن ہوگا۔ کسی عورت کے ولی نے کہا کہ وہ عورت آزاد ہے اس سے نکاح کرلو یا اس عورت کے وکیل نے یہی کہا کہ وہ عورت آزاد ہے اس سے نکاح کرلو پھر بچہ پیدا ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ دوسرے کی باندی[2] ہے تو مباشر، متسبب سے بچہ کی قیمت واپس لے گا۔ بچہ کو چھری دی کہ وہ اسے رکھ لے وہ چھری بچہ پر گری اور اسے زخم پہنچا تو اس کا ضمان دافع (دینے والے) یعنی متسبب پر ہوگا۔[3]

متاخرین علماء فقہ نے تغیر احوال زمانہ کے پیش نظر بہت سی صورتوں میں ضمان مباشر کی بجائے متسبب پر رکھا ہے جس کا ذکر ہم کرچکے ہیں۔[4]

فائدہ: مفہوم مخالف مع اپنی اقسام کے امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک معتبر ہے (سوائے مفہوم لقب کے)[5] اور احناف کے نزدیک کلام شارع میں مفہوم مخالف معتبر نہیں "شرح تحریر" میں ہے: فَقَدْ نَقَلَ الشَّيْخُ جَلَالُ الدِّيْنِ الْخَبَّازِيُ فِيْ حَاشِيَةِ الْهِدَايَةِ عَنْ شَمْسِ الْأَئِمَّةِ الْكُرْدَرِيِّ أَنَّ تَخْصِيْصَ الشَّيْءِ بِالذِّكْرِ لَا يَدُلُّ عَلَى نَفْيِ الْحُكْمِ عَمَّا عَدَاهُ فِيْ خِطَابَاتِ الشَّارِعِ فَأَمَّا فِيْ مُتَفَاهِمِ النَّاسِ وَعُرْفِهِمْ وَفِي الْمُعَامَلَاتِ وَالْعَقْلِيَّاتِ يَدُلُّ اِنْتَهٰى وَتُدَاوِلُهُ الْمُتَأَخِّرُوْنَ.[6] (رسائل ابن عابدین، ج۱ص۴۱)

---

1 ...... چور۔ 2 ...... لونڈی۔

3 ...... بہار شریعت میں اس مقام پر "ضمان دافع (دینے والے) یعنی متسبب پر نہ ہوگا" لکھا ہوا ہے، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اصل کتاب میں عبارت اس طرح ہے "ضمان دافع (دینے والے) یعنی متسبب پر ہوگا"، اسی وجہ سے ہم نے متن میں تصحیح کردی ہے۔۔۔ علمیه

4 ...... "الأشباه والنظائر"، الفن الأوّل: القواعد الكلية، النوع الثانی، القاعدة التاسعة عشرة، ص ۱۳۵، ۱۳۶.

5 ...... مفہومِ مخالف کی پانچ قسمیں ہیں، مفهوم الصفة، مفهوم الشرط، مفهوم الغاية، مفهوم العدد، مفهوم اللقب، امام شافعی رحمة الله تعالى عليه کے نزدیک مفہوم اللقب معتبر نہیں ہے جیسا کہ علامہ شامی رحمة الله تعالى عليه نے وضاحت فرمائی ہے اسی لئے ہم نے متن میں بریکٹ لگا کر اضافہ کردیا ہے۔۔۔ علمیه

6 ...... "مجموعة رسائل ابن عابدين"، شرح عقود رسم المفتي، الجزء الاول، ص ٤١.
و"التقرير والتحبير شرح التحرير"، مفهوم المخالفة، ج ١، ص ١٥٤.

یعنی شیخ جلال الدین خبازی نے ''ہدایہ'' کے حاشیہ میں شمس الائمہ کردری سے نقل کیا کہ خطابات شارع میں کسی حکم میں کسی شے کو خصوصیت کے ساتھ بیان کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس حکم کی اس شے کے ماسوا سے نفی کردی گئی ہاں لوگوں کے عرف اور فہم، معاملات اور عقلیات میں کسی شے کے خصوصیت سے ذکر کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ماسوا سے اس حکم کی نفی ہے اس پر متاخرین کا عمل ہے۔

قواعد کلیہ اور اصول فقہیہ میں سے ہم نے یہ صرف چھیالیس قواعد مشتے نمونہ از خروارے بیان کئے ہیں ورنہ ایسے قواعد کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے مشہور مالکی فقیہ امام قرافی نے اس قسم کے ۵۴۸ قواعد جمع فرمائے ہیں۔ جن کو انہوں نے اپنی کتاب ''اَنْوَارُ الْبُرُوْق فِيْ اَنْوَاءِ الْفُرُوْق'' میں بیان فرمایا ہے۔

بہت سی احادیث اور آیاتِ قرآنیہ ایسی ہیں جن سے اس قسم کے قواعد کلیہ اخذ کئے جاسکتے ہیں جیسے۔

(۱) اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمَةِ [1] (۲) مَارَآهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ [2] (۳) اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ [3] (۴) وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى [4] (۵) كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ [5] (۶) اَللّٰهُ فِيْ عَوْنِ عَبْدِهٖ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ أَخِيْهِ [6] (۷) وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا [7] (۸) وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ [8] (۹) مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ [9] (۱۰) كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبًا [10] (۱۱) دَمُ الْمُسْلِمِ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ حَرَامٌ [11] (۱۲) لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ

---

1 ..."اتحاف السادة المتقين"، كتاب عجائب القلب، بيان تفضيل مداخل...إلخ، ج٨، ص٥٢٤.

2 ..."المعجم الأوسط"، الحديث: ٣٦٠٢، ج٢، ص٣٨٣.

3 ..."صحيح مسلم"، كتاب البر والصلة...إلخ، باب المرء مع من أحب، الحديث: ١٦٥ـ(٢٦٤٠)، ص١٤٢٠.

4 ...پ٦، المآئدة: ٢.

5 ..."صحيح مسلم"، كتاب الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر...إلخ، الحديث: ٧٢ـ (٢٠٠٢)، ص١١٠٩.

6 ..."صحيح مسلم"، كتاب الذكر والدعاء...إلخ، باب فضل الاجتماع...إلخ، الحديث: ٣٨ـ(٢٦٩٩)، ص١٤٤٨.

7 ...پ٢٥، الشورى: ٤٠.

8 ...پ٢، البقرة: ٢٢٨.

9 ..."سنن أبي داؤد"، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، الحديث: ٤٠٣١، ج٤، ص٦٢.

10 ..."كنز العمال"، كتاب الدين والمسلم، قسم الاقوال، فضل في الواحق كتاب الدين، الحديث: ١٥٥١٢، ص٩٩.
و"كشف الخفاء"، حرف الكاف، الحديث: ١٩٨٩، ج٢، ص١١٥.

11 ..."صحيح مسلم"، كتاب البر والصلة...إلخ، باب تحريم ظلم المسلم، الحديث ٣٢ـ(٢٥٦٤) ص ١٣٨٧.
یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ حدیث کی کسی کتاب میں ہمیں نہیں ملی، ''صحیح مسلم'' میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ''كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه'' ملی، لہٰذا اس کا حوالہ دیا گیا...علمیہ

مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ [1] (۱۳) مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا [2] (۱۴) مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا [3] (۱۵) بَشِّرُوْا وَلَاتُعَسِّرُوْا [4] (۱۶) دَوَاعِيُ الْحَرَامِ حَرَامٌ [5] (۱۷) خَيْرُ الأُمُوْرِ أَوْسَطُهَا [6] (۱۸) اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ [7]

ان تمام قواعد کے ماتحت بے شمار جزئیات ہیں مفتی اور فقیہ غیر منصوص مسائل میں جن پر کوئی شرعی استدلال نہ ہو نئے پیش آنے والے مسائل میں ان اصول وقواعد کی روشنی میں حکمِ شرعی کی تخریج کرسکتا ہے بشرطیکہ فقہ پر اس کی نظر ہو۔ بارھویں صدی کے بعد سوائے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے کسی فقیہ نے ان قواعد فقہیہ اور اصول کلیہ سے مسائل کا استنباط نہیں کیا اور یہ بات علامہ شامی کی خصوصیات میں سے ہو کر رہ گئی۔ تیرھویں اور چودھویں صدی کے ہندوستانی علماء فقہ میں واحد شخصیت علامہ احمد رضا علیہ الرحمہ کی ہے جنہوں نے مسائل کے استنباط میں بہ کثرت ان قواعد فقہیہ سے استنباط واستخراج فرمایا۔ ان کے فتاویٰ رضویہ میں بڑی تعداد میں ان اصول اور قواعد فقہیہ کا ذکر ملے گا یہ اس امر کا شاہد عادل ہے کہ علامہ شامی کی طرح امام احمد رضا علیہ الرحمہ بھی فقہ میں مہارت کاملہ رکھتے تھے جن کی نظیر گزشتہ دو صدیوں میں نظر نہیں آتی۔

هٰذَا مَا وَفَّقَنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى جَلَّ وَعَلٰى بِفَضْلِهٖ وَكَرَمِهٖ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَعَالٰى، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَأَهْلِ بَيْتِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

مُحِبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَعُلَمَاءِ مِلَّتِهٖ

الفقیر ظہیر الدین احمد زیدی غفرلہ

۲۱ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ یوم

☆☆☆☆☆

---

1 ...... "المعجم الكبير"، هشام بن حسان على الحسن عن عمران، الحديث ۳۸۱، ج۱۸، ص۱۷۰.

2 ...... "صحيح مسلم"، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة...إلخ، الحديث: ۶۹ (۱۰۱۷)، ص ۵۰۸.

و"الترغيب والترهيب"، كتاب الجهاد، الترغيب في الرباط...إلخ، الحديث: ۱۹۱۰، ج۲، ص۱۲۹.

3 ...... المرجع السابق.

4 ......

5 ......

6 ...... "شعب الايمان"، باب في الملابس والأواني، فصل في كراهية لبس الشهرة...إلخ، الحديث: ۶۲۲۸، ج۵، ص۱۶۹.

و"كشف الخفاء"، حرف الخاء المعجمة، الحديث: ۱۲۴۵، ج۱، ص۳۴۶.

7 ...... "سنن الترمذي"، كتاب العلم، باب ماجاء الدال على الخير كفاعله، الحديث: ۲۶۷۹، ج۴، ص۳۰۵.